مخالفین پاکستان یعنی حسین احمد گاندھوی ملا
تحریک پاکستان
کا حقیقی پس منظر
گانگریسی ملا دشمن پاکستان حسین احمد گاندھوی
حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

صدر جمعیۃ العلماء ہند و صدر مسلم پارلیمنٹری بورڈ، انڈیا

5- یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور: 7241778

فہرست مضامین

---○---

کتاب : تحریک پاکستان کا حقیقی پس منظر

مصنف : مولانا سید حسین احمد مدنیؒ

مطبع : حاجی حنیف اینڈ سنز لاہور

اشاعت : 2008

اہتمام : محبوب الرحمٰن انور

قیمت : 150/=

لیگل ایڈوائزر

قیصر زمان ایڈووکیٹ ہائی کورٹ لاہور

ایکس انکم ٹیکس آفیسر

بی اے، ایل ایل بی، ایل ایل ایم (لندن)

ڈی۔ای۔ایل (پنجاب یونیورسٹی)

نقش اول

—○—

حالات ہمیشہ ایک سے نہیں رہتے' حالات کی تبدیلی لوگوں کی رائے پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔ تاریخ میں ہمیں نظر آتا ہے کہ سیاسی زندگی میں اہم شخصیات ایک دوسرے سے مختلف نقطۂ نظر کی حامل ہوتی ہیں اور ہر ایک کو اپنی اصابتِ رائے اور مضبوطیٔ مؤقف پر اصرار بھی ہوتا ہے۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تاریخ کی چھلنی جب سابقہ نقطہ ہائے نظر کو چھانتی ہے تو پتہ چلتا ہے کہ وقت نے کس کے حق میں کروٹ لی ہے۔ اس وقت لوگ لیڈروں کی لمحوں کی غلطیوں کی سزا صدیوں پاتے ہیں تو انہیں تاریخ کے آسمان پر مطلع صاف نظر آنے لگتا ہے۔ تحریکِ پاکستان کا طوفانی دور گزر چکا' جذبات کے بادل چھٹ گئے' تعصبات کی آندھیاں پرسکون ہونے کو ہیں۔ آج کا نوجوان سوچتا ہے کہ ہندوستان کے سیاسی بصیرت رکھنے والے علماء مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، مولانا ابو الکلام آزادؒ، مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ وغیرہ کیوں تحریک پاکستان میں شریک نہ ہوئے۔ تو ایسے تاریخ کے طالب علموں کے لئے حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے مختلف پمفلٹس جو انہوں نے 1946ء کے انتخابات میں مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ اور مولانا سید محمد میاںؒ کے اصرار پر جمعیت علماء ہند کے موقف کو واضح کرنے کے لئے تحریر فرمائے تھے۔ وہ کتابی شکل میں پیش خدمت ہیں۔ ان کو کتابی شکل میں شائع کرنے کی غرض محض یہی ہے کہ ایک علمی' تاریخی' سیاسی سرمایہ محفوظ ہو جائے اور جب بھی پاک و ہند برعظیم کی سیاست کا مطالعہ کیا جائے تو ان زعمائے ملت کا نقطۂ نظر بھی سامنے رہے ———

محمد عباس شاد — لاہور

24 / مئی 1995ء

پاکستان کیا ہے؟

حصہ اول

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ و کفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

اما بعد۔ اس زمانہ میں پاکستان کے متعلق بہت زیادہ شور و غوغا ہے اور اس کو اس قدر اہمیت دی جا رہی ہے کہ اسی کو مدار الیکشن قرار دیا جاتا ہے اور اسی کے نام پر ووٹ طلب کیا جا رہا ہے۔ اور اسی کو زعمائے لیگ مسلمانان ہند کی جملہ مشکلات کا حل بتلا رہے ہیں۔ اخباروں اور پمفلٹوں کے صفحات اس کے محاسن اور قبائح سے بھرے جا رہے ہیں پلیٹ فارموں اور جلسوں میں اس پر دھواں دھار تقریریں ہو رہی ہیں۔ ہمیں بھی انہی وجوہ سے غور و خوض کی ضرورت پیش آئی۔ مگر باوجود جدوجہد بلیغ اس کی تریاقیت ہماری سمجھ میں نہیں آئی بلکہ اس کے برعکس اس میں ہم نے مسلم اکثریت والے صوبوں اور مسلم اقلیت والے صوبوں دونوں کے مسلمانوں کے لئے نقصان اور ضرر کو ہی غالب پایا۔ اپنی تفتیش اور اطلاعات کی بنا پر جو کچھ ہم کو معلومات حاصل ہوئی ہیں ان کو پیش کرنا ہم نے ضروری سمجھا ہے۔ ناظرین سے ہماری درخواست یہ ہے کہ مندرجہ ذیل امور پر ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں۔ محض جذبات کی رو میں نہیں بہیں سب سے پہلے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ اس کا منبع تلاش کریں اور اس کے بعد دیگر امور ضروریہ پر نظر ڈالیں۔ لیکن منبع کی سراغ رسانی سے پہلے بطور تمہید ہم چند ضروری باتیں عرض کرنا واجب سمجھتے ہیں۔

ہندوستان میں انگریز کی آمد اور اس کا پس منظر

(۱) موجودہ زمانہ میں شہنشاہیتوں اور حکومتوں کا مدار بہ نسبت حکم داری و سیاست اقتصادیات اور اس کے ذرائع و اقسام پر زیادہ تر منحصر ہے تجارت اور اس کے لوازم، صنعت اور اس کے شعبے اور ذرائع بہت زیادہ پیش نظر رہتے ہیں۔ معاون

اور ان کے محاصل و انواع سب سے زیادہ ملحوظ نظر ہوتے ہیں' یورپین اقوام اور ان کے ہمسروں کی نقل و حرکت اور افریقہ و ایشیاء وغیرہ میں حکمبرداری اور آمد و رفت اسی بناء پر شروع ہوئی اور اب بھی انہیں امور کی بناء پر جنگہائے عظیمہ ظہور پذیر ہوئیں۔ برطانوی اقوام کا ہندوستان میں آنا اور قدم جمانا اسی وسیلہ سے ہوا۔ پہلے پہلے تو ان کی سوداگری پھیری والوں کی طرح رہی پھر رفتہ رفتہ دوکانداری کا طریقہ اختیار کیا اور یہ دور ۱۶۰۰ء سے تقریباً ۱۷۰۰ء تک رہا۔ اس کے بعد ان کی باقاعدہ کمپنی بن گئی اور جو تاجر علیحدہ علیحدہ کاروبار کرتے تھے اور جن کی مقدار سو تک پہنچتی تھی سب کی مشترک جماعت بنا دی گئی جس کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے نام سے موسوم کیا گیا۔ اس نے باقاعدہ مراکز قائم کئے کوٹھیاں کھولیں مختلف سواحل پر قلعے بنائے ایجنسیاں قائم کیں مختلف حیلوں سے نوابوں' راجاؤں' بادشاہوں کے درباروں میں رسوخ حاصل کیا سنڈیکیٹ اور امتیازات خاصہ تجاریہ یکے بعد دیگرے لیتے ہوئے ایسے ایسے خودغرضی کے قوانین تجارت بنائے کہ جن میں نہ تہذیب تھی نہ انسانیت اور بقول ولیم ڈگبی ننگے طور سے ہندوستان پر تجارتی تسلط قائم کر دیا۔ اور تجارتی لوٹ کھسوٹ اس طرح جاری کر دی کہ ہندوستان ادھموا ہو کر رہ گیا یہ دور ۱۷۰۰ء سے ۱۷۵۷ء تک رہا اس کے بعد پلاسی کی جنگ ہوئی اور خونخوار ڈاکوؤں کی جماعت بن کر جابرانہ تسلط قائم کر دیا اور ہر خزانہ اور دولت پر اپنا قبضہ جما کر انگلستان کو منتقل کر دیا۔ اس زمانہ میں تجارت ظالمانہ سے بھی لوٹ کھسوٹ ہوتی تھی اور حکومت جابرانہ سے بھی برابر ڈاکہ زنی جاری رہی۔ یہی وہ زمانہ ہے جس میں علانیہ طور سے ہندوستان سے دولت کے دریا انگلستان کو بہتے رہے۔ جیسا کہ لارڈ میکالے کہتا ہے کہ ہندوستان کے بے شمار خزانے اسی زمانہ میں انگلستان کو منتقل ہوئے۔ یہ تسلط ۱۷۵۷ء سے ۱۸۳۲ء تک رہا۔ اس کے بعد تسلط بذریعہ پوسٹ قائم کیا گیا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی خالص بادشاہ بن گئی اس نے قانونی بادشاہت قائم کر کے من مانی خودغرضی کے قوانین حکومت ایسے میٹھے الفاظ میں بنائے جن میں خوش معاملگی کا دکھاوا ہوتا رہا اور ہندوستانی قوم اور ان کے اموال وغیرہ کو از سر تاپا اپنی اغراض کے بھینٹ چڑھانا جاری رہا۔ ڈگبی لکھتا ہے۔

"مگر اس میں شک نہیں کہ آج بھی ہندوستان کو اس سے زیادہ شرمناک طور پر لوٹا جا رہا ہے جتنا اس سے پہلے کبھی لوٹا گیا تھا۔ ہماری حکومت کی

باریک چابک اب آہنی زنجیر بن گئی ہے کلایو اور ہسٹنگس کی لوٹ اس نکاس کے سامنے ہیچ ہے جو کہ ایک ملک کا خون جان بہا کر دوسرے ملک کو مالا مال کر رہا ہے۔"

اپنے ملک کی صنعت بڑھانے کے لئے ہندوستانی صنعت کا گلا گھونٹا ہندوستانی تجارت کو فنا کیا' معادن پر قبضہ کیا۔ زراعت پر بھاری بھاری ٹیکس لگائے۔ اپنے ملک کی مصنوعات کو محفوظ کرنے اور ترقی دینے کے لئے انگلستان میں ہندوستانی مصنوعات پر (مامونی تجارت کا فلسفہ دکھاتے ہوئے) بھاری بھاری ٹیکس لگائے ادہر ہندوستان میں صناعوں اور کاریگروں پر مالی اور جسمانی تشددات عمل میں لائے گئے تاآنکہ ہندوستان کا مال باہر جانا بھی بند ہو گیا اور صنعت پیشہ قومیں کاروبار چھوڑنے پر مجبور کر دی گئیں پھر فری ٹریڈ کا گیت گایا گیا اور بغیر محصول یا نہایت قلیل محصول سے........ انگلستان کی مصنوعات ہندوستان میں داخل کی گئیں۔ اور ہر ہر منڈی میں ریلوں کے ذریعہ سے انگلستان کا مال پاٹ دیا گیا۔ معمولی معمولی گرانی پر لوگ بھوکے مرنے لگے۔ اسی وجہ سے صرف ایک صدی میں یعنی ۱۸۰۰ء سے ۱۹۰۰ء تک ہندوستان میں اکتیس (۳۱) قحط پڑے اور تقریباً" چار کروڑ ہندوستانی صرف بھوک کی وجہ سے موت کی نذر ہو گئے انگلستان ہی کی بنی ہوئی چیزیں ہندوستان کے ہر ہر بازار میں پٹی پڑی نظر آنے لگیں۔ انگلستان کے باشندے نہ صرف امیر بن گئے بلکہ زراعت وغیرہ چھوڑ کر صنعت اور تجارت میں منہمک ہو گئے۔ انگلستان کی مصنوعات کا فیصدی چونسٹھ حصہ ہندوستان میں کھپنے لگا ۱۹۲۸ء میں صرف کپڑے اور سوت کی قیمت میں اسی کروڑ روپیہ انگلستان کو گیا۔

الغرض برطانویوں کی عیش پرستی اور خوش حالی کا بڑا مدار ہندوستان میں ان کی مصنوعات کی کھپت پر ہے۔ یہ تمام دنیا کی منڈیوں میں سب سے بڑی منڈی برطانیہ کے ہاتھ میں ہے جرمنی اور جاپان نے جب اس منڈی پر حریصانہ نگاہ ڈالنی شروع کی تو جنگ عظیم کے شعلے لپٹ مارنے لگے۔

(۲) علاوہ تجارت پر قبضہ جما لینے اور ہندوستانی صنعت اور تجارت کو فنا کر دینے کے ہندوستان کے تمام ان عہدوں اور حکومت کے تمام شعبوں کو جن کو انگریز قبول کر سکتا تھا اپنے قبضہ میں کیا گیا اور ان کی اتنی بھاری بھاری تنخواہیں مقرر کی گئیں کہ دنیا میں بڑے سے بڑے متمول ملکوں میں کہیں نہیں پائی جاتیں۔ فوجی اعلیٰ

عہدوں سے ہندوستانیوں کو بالکل محروم کر دیا گیا۔ اور ان انگریزوں کی جو کہ چند دنوں یہاں ملازمت کرتے ہیں وہ وہ تنخواہیں ہندوستان کے خزانہ سے مقرر کی گئیں جو کہ امریکہ، انگلینڈ، جاپان، جرمنی وغیرہ کہیں بھی نہ تھیں حتی کہ معمولی انگریزی سپاہی کے لئے بھی ہندوستان کے خزانہ پر اتنا صرفہ ڈالا گیا جو کہ ہندوستانی چار پانچ سپاہی پر بھی نہیں پڑتا مسٹر مانٹیگو نے ۱۹۱۹ء میں ہاؤس آف کامنس میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ ایک ہندوستانی سپاہی پر سالانہ چار سو گیارہ (۴۱۱) روپیہ خرچ ہوتا ہے اور ایک برطانوی سپاہی پر ایک ہزار نو سو اکہتر (۱۹۷۱) روپیہ سالانہ خرچ ہوتا ہے ہندوستان کے ڈیفنس کے لئے کم از کم پچاس ساٹھ ہزار سپاہی انگلینڈ کے باشندے یعنی گورے لازم قرار دئے گئے۔ الغرض اس طریقہ سے سول اور فوجی ملازمین کی پنشنوں میں بقول اے، جی ولسن آف انویسٹوری ریویو تین کروڑ پونڈ سالانہ ہندوستان سے وصول ہو کر انگلستان جاتا رہا۔ نیز ہندوستان میں انگریز ملازمین کی تنخواہوں کا پس انداز بقول ایگنس اسمڈلے (ماڈرن ریویو) تین کروڑ پونڈ سالانہ یعنی پینتالیس کروڑ روپیہ سالانہ جاتا رہا۔ اسی طرح انڈیا آفس لندن کے مصارف، ہندوستان پر قومی قرضہ کا سود۔ ریلوں، نہروں، معدنوں، جہازوں، کارخانوں وغیرہ میں جو روپیہ انگریزوں کا لگا ہوا ہے اور جس کی مقدار ۱۹۱۳ء تک ۳۵ ارب پونڈ تھی۔ اس کا سالانہ منافعہ پینتیس کروڑ پونڈ تھا۔ یہ اور اس قسم کے دیگر طریقے دولت کھینچنے کے وہ غیر معمولی سیلاب دولت ہیں جن کی نظیر تمام دنیا میں نہیں ملتی۔ اسی بناء پر منٹگمری مارٹن ۱۸۳۸ء میں لکھتا ہے۔ "اگر دولت کا ایسا مسلسل اور روز افزوں سیلاب انگلستان سے ہونے لگے تو ایک ہی دن وہ بھی محتاج ہو جائے پھر خیال فرمایئے کہ ہندوستان پر اس کا کیا اثر پڑے گا جہاں معمولی مزدور کو دو یا تین پنس روزانہ ملتی ہے۔" ڈبلیو ایس بلنٹ کہتا ہے۔ "میں ہندوستان کے مالیہ کے اسرار بہترین استاذوں سے حاصل کر رہا ہوں اور یہ استاذ گورنمنٹ کے سیکریٹری اور کمشنر وغیرہ ہیں۔ میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اگر ہم اسی طرح ہندوستان کو ترقی دیتے رہے تو ایک دن وہ آئے گا جب کہ ہندوستانی آپس میں ایک دوسرے کو کھانے لگیں گے کیونکہ ان کے پاس کھانے کے لئے سوائے اپنے ابناء جنس کے کچھ بھی باقی نہ رہے گا" الغرض اس بے شمار لوٹ کھسوٹ سے اگرچہ ہندوستان موت کے گھاٹ اتر گیا مگر انگلستان کی خوشحالی، عیاشی، سرمایہ داری روز افزوں ترقی ہی کرتی رہی اور اس کی سرمایہ اور دولت کی بھوک روز افزوں

بڑھتی رہی جس طرح درندے کے اگر انسانی خون منہ کو لگ جاتا ہے تو وہ کبھی بھی انسانی خونخواری سے سیر نہیں ہوتا۔ اور ہر کس و ناکس کو دیکھ کر اس کی آگ بھڑک اٹھتی ہے یہی حال برطانویوں کا بہ نسبت ہندوستان ہو گیا ہے۔

سنڈے ٹائمز آف لندن ۲۵ مارچ ۱۹۳۰ء لکھتا ہے۔ "ہمیں صاف طور پر اس بات کو واضح کر دینا چاہئے کہ انگریز ہندوستان میں بحالی صحت کی غرض سے مقیم نہیں ہیں بلکہ ان کا مقصد روپیہ پیدا کرنا ہے ہم ہندوستان کو نہیں چھوڑ سکتے۔ اس لئے کہ ایسا کرنا ہمارے مفاد اور مصلحت کے سراسر خلاف ہے۔ ہندوستان میں رہنا اور اپنا مقصد حاصل کرنا ہمارا فرض ہے" سر ولیم جوائٹسن ہیکس ہوم سیکریٹری انگلستان کہتا ہے "ہم نے ہندوستان ہندوستانیوں کی بھلائی کے لئے فتح نہیں کیا اور ہم ہندوستان میں ہندوستانیوں کی بھلائی کے لئے نہیں ہیں۔"

(تیج دہلی مورخہ ۲۵ اکتوبر ۱۹۳۰ء)

الغرض جس لوٹ اور کھسوٹ کی لالچ سے انگریز یہاں آئے تھے اور جس کے وہ دو تین صدی سے عادی ہو گئے ہیں اور جس کے بغیر ان کو مستقبل کی زندگی نہایت بھیانک اور خطرناک معلوم ہو رہی ہے وہ ہندوستان کی آزادی کو ہر وقت میں انتہائی پریشانیوں میں مبتلا رکھتی ہے اور طرح طرح کی اسکیمیں اپنے مفاد اور مقصد کے لئے تیار کراتی رہتی ہے۔

(۳) روئے زمین پر صرف دو ملک ہندوستان اور چین عظیم الشان تعداد والے ہیں جو کہ اپنا مثیل نہیں رکھتے آج جبکہ دس دس بارہ بارہ کروڑ نفوس والے ملک جرمنی، امریکہ، روس جو کہ ہندوستان کی تقریباً" ایک ایک تہائی یا اس سے کم آبادی والے ممالک ہیں اس قدر قوت دار بن گئے ہیں کہ برطانوی شہنشاہیت کو ہر وقت دھمکاتے رہتے ہیں اور دنیا کو اٹی میٹم اور دعوت جنگ دینے سے نہیں جھجکتے تو یورپین اقوام بالخصوص برطانیہ کو ضرور یہ عظیم الشان خطرہ پیش رہتا ہے کہ اگر چین اور ہندوستان ہر ایک آزاد اور متحدہ قومیت کا مالک اور قوی ہو گیا تو یقیناً" تمام روئے زمین پر چھا جائے گا اور نہ صرف ہماری نو آبادیات پر قابض ہو جائے گا یا ان کو ہمارے اقتدار سے باہر کر کے آزاد کرا دے گا بلکہ قوی خطرہ ہے کہ وہ ہمارے سابقہ سیاہ کارناموں اور گذشتہ وحشیانہ بربریتوں کا بدلہ بھی لے اور کوشش کرے کہ انگستان وغیرہ کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑ کر بے دست و پا کر دے۔ بالخصوص اس

وجہ سے کہ ہر دو جنگ عظیم میں ہندوستانی سپاہیوں کی جفاکشی اور بہادری یورپین اقوام کے مقابلہ میں تمام دول یورپ کے سپاہیوں سے زیادہ اور اعلیٰ ثابت ہوئی جیسا کہ برطانیہ کے بڑے بڑے جرنیلوں اور فوجی اور سول افسروں بلکہ وزراء برطانیہ نے پرزور اعتراف کرتے ہوئے شکریہ ادا کیا۔ خود لارڈ ویول موجودہ وائسرائے کہتے ہیں کہ "ہم نے یہ جنگ ہندوستان کے سپاہیوں اور ہندوستان کے مال سے جیتی ہے" اس لئے یہ خطرہ اور بھی زیادہ قوی ہو جاتا ہے اور یہ صحیح بھی ہے اگر ہندوستانی اقوام اور سپاہیوں کو منظم طریقہ پر جملہ اسلحہ جات مل جائیں اور ان کی فوجی تعلیم مکمل ہو جائے اور قابل جرنیل کے ماتحت باقاعدہ جنگ جاری کی جائے تو کسی یورپین قوم سے ٹکرانے میں کم نہیں رہ سکتے بلکہ ہر مخالف پر غالب آ سکتے ہیں اور یہی بڑی وجہ ہے کہ ان دونوں ملکوں کو ہر طرح کمزور کرنے کی پالیسی مدتوں سے جاری ہے اور اب یہی امر پیش نظر ہو رہا ہے اور کم از کم یہ خطرہ تو ہر وقت سامنے رہتا ہی ہے کہ ہندوستانیوں کا معمولی سا جذبۂ قومیت بھی ہماری اقتصادی شہنشاہیت کی بربادی کا نہایت زبردست ذریعہ ہے پروفیسر سیلے اکسپنشن آف انگلینڈ میں لکھتا ہے۔ "اگر ہندوستان میں متحدہ قومیت کا کمزور جذبہ بھی پیدا ہو جائے اور اس میں اجنبیوں کے نکالنے کی کوئی عملی روح نہ بھی ہو بلکہ صرف اس قدر احساس عام ہو جائے کہ اجنبی حکومت سے اتحاد عمل ہندوستانیوں کے لئے شرمناک ہے تو اس وقت سے ہماری شہنشاہیت کا خاتمہ ہو جائے گا کیونکہ ہم درحقیقت ہندوستان کے فاتح نہیں ہیں اور اس پر فاتحانہ حکمرانی نہیں کر سکتے۔ اگر ہم اس طرح کی حکومت کرنا بھی چاہیں گے تو اقتصادی طور پر قطعاً" برباد ہو جائیں گے۔ (تنظیم جلد ۶ نمبر ۱۵ ۲۸ اگست ۱۹۲۸ء)

متحدہ قومیت سے سامراج خائف ہے

اور یہی وجہ ہے کہ حامیان برطانیہ دانستہ یا نادانستہ متحدہ قومیت پر انتہائی درجہ چراغ پا ہو رہے ہیں اور بہت زبردست پروپیگنڈا اس کے خلاف جاری کئے ہوئے ہیں چونکہ برطانوی اقتدار کی بربادی کے لئے یہ ایٹم بم یا اس سے بھی زیادہ قوی ہتھیار ہے اس لئے ہر انگریز کو اس کے خلاف پروپیگنڈا کرنا اور کروانا اشد ضروری معلوم ہوتا ہے ہمارے ہندوستانی بھائی بالخصوص مسلمان بالکل بھولے بھالے اور سیاسیات سے

ناواقف ہیں اور وہ لوگ جو سیاسی میدان میں اترے ہوئے بھی ہیں انگریز کے سامنے ابھی طفل مکتب ہیں وہ ٹوری انگریزوں کے چکمے میں بہت جلد آ جاتے ہیں اور کہنے لگتے ہیں کہ مسلمان غیر مسلم اور مشرک کا ہم قوم کس طرح ہو سکتا ہے اور اس پر طرح طرح کے شرعی اور غیر شرعی وہمی اور رواجی استدلالات قائم کر کے عوام کو متنفر کرنے لگتے ہیں حالانکہ سر سید مرحوم اس بارے میں بہت آگے بڑھے ہوئے ہیں فرماتے ہیں۔ "قوم کا اطلاق ایک ملک کے رہنے والوں پر ہوتا ہے یاد رکھو کہ ہندو اور مسلمان ایک مذہبی لفظ ہے ورنہ ہندو مسلمان اور عیسائی یہی جو اس ملک کے رہنے والے ہیں اس اعتبار سے سب ایک قوم ہیں جب یہ سب گروہ ایک قوم کہے جاتے ہیں تو ان سب کو ملکی فائدہ میں جو ان سب کا ملک کہلاتا ہے ایک ہونا چاہئے اب وہ زمانہ نہیں ہے کہ صرف مذہب کے خیال سے ایک ملک کے باشندے دو قومیں بھی کہلائیں۔" (مجموعہ لیکچر سر سید صفحہ ۱۶۷) دوسرے موقعہ پر آپ نے فرمایا "جس طرح اور قوم کے لوگ ہندو کہلائے جاتے ہیں اسی طرح مسلمان بھی ہندو یعنی ہندوستان کے رہنے والے کہلائے جاتے ہیں۔" (سر سید کے آخری مضامین صفحہ ۵۵) سفر پنجاب میں ہندوؤں کو خطاب کرتے وقت فرمایا۔ "آپ نے جو لفظ اپنے لئے ہندو کا استعمال کیا ہے وہ میری رائے میں درست نہیں کیونکہ ہندو میری رائے میں کسی مذہب کا نام نہیں ہے بلکہ ہر ایک شخص ہندوستان کا رہنے والا اپنے تئیں ہندو کہہ سکتا ہے پس مجھے نہایت افسوس ہے کہ آپ مجھ کو باوجود اس کے کہ میں ہندوستان کا رہنے والا ہوں "ہندو" نہیں کہتے۔" (سفر نامہ پنجاب سر سید صفحہ ۱۳۹) ۔ (روشن مستقبل صفحہ ۲۷۱ و ۲۷۲)

پس بقول سر سید مرحوم اگر قوم بمعنی نیشن لیا جائے جو کہ اہل یورپ کی اصطلاح ہے تو یقینی طور پر تمام ہندوستان کے باشندے ایک قوم ہیں ہندوستانیت کا وصف سب میں مشترک ہے مفاد سبھوں کا مشترک ہے غیر ہندوستانی جہاں بھی ہیں ان تمام ہندوستانیوں کو اپنے سے غیر اور اجنبی محسوس کرتے ہیں خواہ ہندوستانی مسلمان ہو یا سکھ ہندو یا پارسی سیاحان ممالک اور وار دین ہندوستان امریکنوں، جاپانیوں، چینیوں، انگریزوں فرانسیسیوں وغیرہ سے پوچھو اور دیکھو وہ مذہبی تفرقہ کو محسوس بھی نہیں کرتے بلکہ سب کو ہندوستانی قوم سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ہی امور نیشن کی تعریف میں یوروپین اصطلاح میں معتبر ہیں (دیکھو انسائیکلوپیڈیا آف و یلجن اینڈ ایتھکس)

اور اگر عربی، فارسی، اردو اصطلاح اور عرف کو دیکھیں یا قرآنی شہادتوں کا لحاظ کریں تو اسباب قومیت صرف مذہب میں منحصر نہیں ہوتے۔ کبھی متحدہ قومیت جغرافی حدود اور وطنیت سے ہوتی ہے تو کبھی نسل کی حیثیت سے کبھی پیشہ کی حیثیت سے اور کبھی رنگت وغیرہ وغیرہ سے قرآن شریف میں نسلی یا وطنی اسباب کی بناء پر بار بار کفار کو انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین کا ہم قوم قرار دیا گیا ہے۔

بہرحال یہ تین امور مذکورہ بالا برطانیوں اور بالخصوص ٹوریوں کو ہمیشہ ہندوستان کی آزادی سے پریشان رکھتے ہیں۔ انگریز اگرچہ سب کے سب اپنی قوم اور شہنشاہیت کے خیر خواہ اور فدائی ہیں مگر ان میں نیک دل اور انصاف پسند بھی ہیں، جو کہ وعدہ کو وفا کرنا، بندگان خداوندی کے ساتھ انسانیت کا برتاؤ کرنا، سب کے ساتھ حتی الوسع انصاف کرنا اور ان کو فطری حقوق دینا وغیرہ ضروری سمجھتے ہیں مگر تمام قوم برطانیہ میں سب سے گرے ہوئے اور اپنی اغراض کے دیوانے، اور دوسری اقوام کی حق تلفی کے حریص و مجنون اپنی شہنشاہیت کے ہر جائز اور ناجائز عمل اور قول کے شدید ترین حامی یہی ٹوری ہیں، یہ کنسرویٹو پارٹی (قدامت پسندوں) سے بھی زیادہ گرے ہوئے لوگ ہیں ان کا ہمیشہ سے نظریہ یہی رہا ہے کہ ہندوستان کو ذرہ برابر بھی آزادی نہ دی جائے اور ذمہ داران برطانیہ نے بین الاقوامی (انٹرنیشنل) یا سیاسی (پولیٹیکل) یا انصافی مجبوریوں سے جو جو اعلانات مختلف اوقات میں آزادی کامل یا نیم آزادی یا انسانی اور فطری حقوق کے متعلق ہندوستانیوں کے لئے کئے ہیں ان کو کبھی بھی بروئے ایفا نہ آنے دیں اور جس طرح بھی ممکن ہو ٹال مٹول کرتے ہوئے اپنے استبداد اور جبروت و تشدد سے ہندوستان کی لوٹ کھسوٹ قائم اور جاری رکھیں اور اس کے لئے طرح طرح کے بہانے گھڑتے رہیں کوئن وکٹوریہ اور دیگر ذمہ داران برطانیہ کے اعلانات اور وعدوں کو نئے نئے لباس میں ڈھالتے ہوئے آج تک برطانیہ نے سامراج انہیں کی بدولت قائم رکھا۔ کینڈا آسٹریلیا ساؤتھ افریقہ، کیپ کالونی، آئر لینڈ، ماریشس، فجی، نیوزی لینڈ وغیرہ وغیرہ کو حقوق وکٹوریہ کے اعلان کے بعد اور پہلے دیئے گئے اور دیئے جاتے رہے مگر ایک ہندوستان ہے کہ تقریباً تمام انسانی حقوق سے آج تک محروم ہے اور جو کچھ معمولی حقوق دیئے بھی گئے ہیں وہ نہایت ناقص اور نکمے ہیں۔

مگر عرصہ سے چونکہ ہندوستانیوں میں روز بروز بیداری پیدا ہوتی جاتی ہے اور ہر ہندوستانی مظلومیت کا آوازہ امریکہ روس جاپان چین اور دیگر ممالک میں بکثرت پھیل

چکا ہے اس لئے اُن کو نظر آنے لگا ہے کہ اب ہندوستان مثل سابق غلام نہیں رہ سکتا لہٰذا ہندوستانی خون چوسنے اور اپنے ہر ہر مفاد کو قائم رکھنے اور جاری کرنے کے لئے نئی نئی صورتیں اور نئی نئی اسکیمیں عرصہ سے سوچی گئیں اور سوچی جا رہی ہیں ان میں سے ایک اسکیم پاکستان بھی ہے جو کہ ٹوریان برطانیہ کی جھیل "مان سرور" سے نکلتی ہے ۱۹۳۱ء میں جبکہ ہندوستانی ڈیلی گیٹ انگلستان میں دوسری راؤنڈ ٹیبل میں گئے ہوئے تھے یا جانیوالے تھے مسلم نمائندوں وغیرہ کے دماغ میں یہی ندا ڈالی اور وہ اس زمانہ میں آکسفورڈ اور کیمبرج میں شائع ہو کر ہندوستانی مسلم اسٹوڈنٹ کو مسحور کرتی ہے مسلمانوں کے وہ نمائندے جو کہ لیگ اور مسلم کانفرنس کی نمائندگی کے واسطے بھیجے گئے تھے ان ٹوری جادوگروں سے مسحور ہو کر ان کے دامن میں پناہ گزین ہوتے ہیں اور جو کچھ نہ کرنا چاہئے تھا کر بیٹھتے ہیں اور مسلمانان ہند کو ان ٹوری جادوگروں کے قدموں پر بھینٹ چڑھا دیتے ہیں۔

چنانچہ مدینہ بجنور یکم فروری ۱۹۳۲ء جلد ۲ صفحہ نمبر ۹ میں لکھتا ہے "لیکن ان سب سے زیادہ مکروہ طرز عمل ان تعاونیان کرام کا یہ تھا کہ جب گاندھی جی نے مسلمانوں کے چودہ کے چودہ مطالبات منظور کرنے پر آمادگی کا اظہار کر دیا تو ان احمق اور فریب خوردہ حضرات نے اچھوتوں کی حمایت کا بیڑا اٹھا لیا حالانکہ ہندوستان سے وہ صرف یہ عہد کر کے چلے تھے کہ وہ مسلمانوں کے مطالبات کی تکمیل کرائیں گے ان سے کسی شخص نے یہ نہیں کہا تھا کہ وہ اچھوتوں کے حقوق کے محافظ بھی بن جائیں ان کا دعویٰ حقوق مسلمین کے تحفظ کا تھا اور ان کا ہرگز یہ حق نہیں تھا کہ وہ اپنے کمزور اور بودے کندھوں پر دنیا بھر کی اقوام کے تحفظ کا بوجھ بار کر لیں۔ اس کے معنیٰ تو اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتے کہ انہوں نے دانستہ اسلامی حقوق کی راہ میں روڑے اٹکائے اس احمقانہ طرز عمل کی جو قیمت ان کو ملی وہ ان کے طرز سے بھی زیادہ شرمناک ہے وہ یورپنیوں کے ہاتھوں بک گئے اور ایک ایسے محضر غلامی پر دستخط کر دیئے جس میں اپنے مطالبات کا تو گلا گھونٹ ہی دیا گیا تھا مقصد آزادی وطن کو بھی پامال کر دیا اور غیر ملکیوں کو تجارتی استیلاء اور زائدانہ زائد حقوق آبادی دے دیئے گئے اور مسلمانوں کے لئے چند نشستیں چند ملازمتیں اور چند اعزاز قبول کر لئے ارباب حقوق کا طرز عمل شروع سے آخر تک عدم تدبر تنگ نظری غیر سیاست دانی، دل و دماغ کی بے ماءگاہی اور خلاف ورزی عہدوں مسلک کی ایک نہایت المناک

مثال پیش کرتا ہے۔ الخ"

مندرجہ ذیل شہادتیں ملاحظہ ہوں۔

مدینہ بجنور ۹ اگست ۱۹۳۱ء جلد ۲۰ نمبر ۵۶ صفحہ ۲۔ "ہم کو اسٹیٹس مین' پایونیر اور دوسرے خالص اسلامی جرائد نے یہ بشارت کبریٰ سنائی ہے کہ دس کروڑ کے خالص اسلامی سرمایہ سے ایک تجارتی کمپنی قائم کی گئی ہے جو ہندوستان کے تجارتی مصالح کو ترقی دے گی اس کمپنی کا نام ایسٹ اینڈ ویسٹ کارپوریشن لمیٹڈ ہے۔ صدر دفتر دہلی ہو گا اسٹیٹس مین اور دیگر اینگلو انڈین اخبارات اس مسلم کمپنی کا نہایت شاندار الفاظ میں خیر مقدم کر چکے ہیں۔" ــــــ اس کے بعد دوسری شہادت ملاحظہ ہو۔

مدینہ بجنور ۲۱ اگست ۱۹۳۱ء جلد ۲۰ نمبر ۵۹ صفحہ ۴

"گزشتہ اخبار میں ہم نے یہ خبر لکھی تھی کہ ہزہائنس سر آغا خاں ایک کروڑ روپیہ کے سرمایہ سے بدیشی پارچہ کو فروغ دینے کی غرض سے ایک کمپنی قائم کرنے والے ہیں اخبار الامان سے اب معلوم ہوا ہے کہ نہ صرف ہزہائنس سر آغا خاں نے بلکہ ملا سیف الدین طاہر صاحب بوہرا قوم کی مقتدا اور اسمبلی اور کونسل آف اسٹیٹ کے اکثر ممبروں نے دس کروڑ روپیہ کے سرمایہ سے ایک کمپنی قائم کی ہے جس کا صدر دفتر دہلی ہو گا۔ اس کمپنی کے قیام کا اصل محرک کون ہے اور اس کے اصلی مقاصد کیا ہیں اس کے صحیح حالات اب تک صیغہء راز میں ہیں تاہم اس کے قیام پر اس خط سے کسی قدر روشنی پڑتی ہے جو مسٹر پلوڈن جج ممالک متحدہ نے کسی مستفسر کے جواب میں لندن بھیجا تھا۔ اور اتفاقاً" سنڈے گرافک کے ہاتھ پڑ جانے سے شائع ہو گیا۔ اور اسی غرض سے ہم اس خط کا متن ذیل میں درج کرتے ہیں۔

"مدت سے ہندوستان کی صورت حالات قابو سے باہر ہو رہی ہے ہم نیم پارلیمنٹری حکومت کا حتمی وعدہ کر چکے ہیں جو برطانوی افسروں کے بغیر نہیں چل سکتی۔ برطانوی افسر زیادہ عرصہ تک نہیں رہیں گے سول سروس کے تمام شعبے یہاں تک ہندوستانیوں سے بھر دیئے گئے ہیں یا بھرے جا رہے ہیں کہ آئندہ چند سال میں ان میں ڈھونڈنے سے بھی انگریز کا نام نہیں ملے گا۔ میں ان حالات میں ہندوستان کے مسئلہ کا ایک ہی حل دیکھتا ہوں کہ اسے ہندو اور مسلمان حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ آئر لینڈ میں کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کا تنازعہ ختم کرنے کے لئے ۳۵ سال کی مسلسل پارلیمنٹری جنگ کے بعد ایسا ہی کرنا پڑا تھا۔ ہندوؤں نے ہمیں ہندوستان سے

ساتھ کاروبار کرنے سے روک دیا ہے اب ہمیں مالیہ معاف کر دینا پڑا ہے تاکہ کاشتکار زندہ رہ سکیں' یہ ایک نہایت ہی یاس انگیز صورت حال ہے اور اس کا ایک ہی علاج ہے کہ اس تعفن کو پھیلنے سے روکا جائے اور قدرتی تقسیم کے مطابق ملک کے حصے کر دئے جائیں اگر ہندو کاروبار تجارت نہیں کریں گے تو بمبئی کی جگہ کراچی شہر تجارتی بندرگاہ کا کام دے سکتا ہے ہم چاہتے ہیں کہ مزید ۲۵ یا ۳۰ سال کے لئے ہندوستان پر ہمارا اثر و اقتدار قائم رہے اب برطانوی حکومت کے پرانے طریق کار کی طرف عود کرنا ناممکن ہے ہمارے پاس اب کارکن اصحاب موجود نہیں ہیں اب ہم دور ماضی کو قائم نہیں کر سکتے نیز ہم نے اپنا کام بھی کر لیا ہے کیونکہ ہندوستان میں ریلیں اور نہریں وغیرہ قائم کی ہیں۔ اب اسے ایسا طرز حکومت دے دو جو اس کے لئے موزوں اور قدرتی ہو۔ لیکن جب تک ہندوستان میں ہمارا اثر و اقتدار قائم ہے ہمیں تحریک مقاطعہ کو پورے زور سے روکنا چاہئے خونریزی کو روکنے اور دقیانوسی ہندو سسٹم کا سد باب کرنے کے لئے ہمیں کراچی اور دہلی سے کام شروع کرنا چاہئے جہاں دنیا کی ایک بڑی مسلم طاقت قائم ہو گی ہم خواہ کچھ کریں یہ ہو کر رہے گا پھر کیا وجہ ہے کہ ہم اسے جلد از جلد معرض عمل میں نہ لائیں' اور اس کے ساتھ سب سے پہلے تاجرانہ تعلقات کیوں نہ قائم کریں جب بحر قزوین اور بحیرہ روم کی طرف وسیع ملکوں کا خیال جائے تو بڑے بڑے امکانات نظر آتے ہیں۔"

مدینہ بجنوری ۹ ستمبر ۱۹۳۱ء جلد ۲۰ نمبر ۶۹ میں بمبئی کرانیکل کے خاص نامہ نگار مقیم لندن کا مقالہ مندرجہ ذیل الفاظ میں نقل کیا گیا ہے۔

"ہندوستان کو ہندو ہندوستان اور مسلم ہندوستان میں تقسیم کرنے کی پوری کوشش کی جا رہی ہے تاکہ اس کے بعد ہمیشہ ہندوستان میں جھگڑا ہوتا رہے۔"

مسز جان گنتھرا امریکن "کامن سینس" امریکی اخبار میں طویل مقالہ لکھتی ہے جس کا اقتباس مندرجہ ذیل ہے۔

"اس برطانوی جناح باہمی کھیل کا نتیجہ پاکستان کی صورت میں نمودار ہوا ہے اور یہ ہندوستان میں مسلمانوں کی دو علیحدہ خیالی ریاستوں کا نام ہے جن کے درمیان باقی تمام ہندوستان پولینڈ کے کاریڈور (ملانے والے راستے) کی طرح رہے گا۔ ابھی تک تو ذمہ دار مسلمانوں نے اس کی مخالفت کی ہے لیکن اگر اس اسکیم پر عمل کیا گیا تو ہندوستان میں بھی بلقان بن جائے گا۔ جہاں خانہ جنگیوں کا غیر مختتم سلسلہ شروع ہو

جائے گا۔ (مدینہ مورخہ ۹ جون ۱۹۴۳ء جلد ۳۲ نمبر ۴۳)

مندرجہ بالا شہادتوں سے مندرجہ ذیل امور معلوم ہوئے۔

(الف)۔ پاکستان اور تقسیم ہندوستان (مسلم ہندوستان اور ہندو ہندوستان) لاہور کے لیگ کے اجلاس ۱۹۴۰ء کی پیداوار نہیں ہے بلکہ ۱۹۳۱ء یا اس سے پہلے کی پیداوار ہے، ہاں ہندوستان میں اس کی شہرت لیگ کے اس اجلاس سے ہوئی ہے اگرچہ سر اقبال مرحوم نے آلہ آباد کے اجلاس لیگ میں دسمبر ۱۹۳۰ء میں یہی اس کا تذکرہ مختصراً" اپنے خطبہ میں کیا تھا مگر اس کو کسی نے بھی درخور اعتنا نہیں سمجھا اور ہنٹر کمیٹی کے سامنے بھی اس کا تذکرہ بعض لوگوں نے کیا تھا۔ مگر اس کو عملی حیثیت سے ناقابل انتظام سلطنت کہہ کر رد کر دیا گیا تھا۔

(ب)۔ چودھری رحمت علی صاحب جنہوں نے ۱۹۳۳ء میں پاکستان کے متعلق بنام پاکستان نیشنل مومنٹ اور ڈاکٹر عبد اللطیف صاحب حیدر آبادی اور دوسرے مصنفین سب کے سب اسی چشمہ سے مستفید ہونے والے ہیں جس کا منبع ٹوری انگریزوں نے ۱۹۳۱ء میں یا اس سے پہلے بنایا تھا اور جس کو اواخر ۱۹۳۱ء میں لندن میں نشوونما کی نوبت آئی

(ج)۔ یہ اسکیم ہندوستان اور علاقہ جات ہندو ہندوستان اور مسلم ہندوستان کسی مسلمان ہندوستانی کے دماغ سے نہیں ہوئی ہے اور نہ لیگی دماغ سے اس کا ظہور ہوا ہے۔ بلکہ اس کا ظہور اور خروج برطانوی اور ٹوری برطانوی دماغوں کا رہین منت ہے اگرچہ بعد کو لوگوں نے اس کو بے سمجھے سے اپنا لیا ہے

کار زلف تست مشک افشانی اما عاشقاں
از غلط تہمت با ہوئے ختن بنہادہ اند

(د)۔ یہ ہندوستان کی تقسیم صرف برطانوی مفاد کی خاطر کی گئی ہے کیونکہ ہندو برطانوی مصنوعات اور اس کی تجارت کا بائیکاٹ اور مقاطعہ کر رہا تھا۔ اور اس اسکیم کو حسب قوت زیادہ تر موثر بنانا چاہتا تھا تاآنکہ اس کی نیت یہ ہے کہ پردیسی مصنوعات کو یک قلم ہندوستان میں نہ آنے دے اور بمبئی، مدراس وغیرہ سے ایسے مصنوعات کا داخلہ اور تجارت بند کر دے یا ان پر اتنا بھاری ٹیکس لگا دے جو باہر

کے مصنوعات کو یہاں کے مصنوعات سے بہت زیادہ گراں کر دے، جیسا کہ انگلستان نے ہندوستانی مصنوعات اور تجارت سے کیا تھا۔ یہ اسکیم یقیناً" ہندوستان کے عوام کی زندگی اور بھلائی کے لئے اشد ضروری ہے۔

(ہ)۔ ۱۹۳۱ء میں مسلم نمائندوں کے لندن جانے سے پہلے یا بعد میں کوئی خفیہ پیکٹ ہوا ہے یا ہونا قرار پایا ہے جس میں مسلم نمائندوں کی طرف سے اطمینان حاصل کیا گیا ہے کہ وہ مسلم ہندوستان (پاکستان) میں برطانوی مصنوعات اور ان کی تجارت کو برقرار رکھیں گے اور اپنے ساحلی بندروں کراچی اور کلکتہ کو برطانیہ کی تجارت بنائیں گے

ایںول رجسٹر ۱۹۳۱ء صفحہ ۶۱ میں ہے ---- "لندن کی بعض نمائندوں نے اشارہ کیا تھا کہ ان لوگوں (فرقہ وار لیڈروں) نے برطانیہ کے ٹوری لیڈروں سے خفیہ سازش کر لی تھی جن میں ممتاز ٹوری لیڈر لارڈ لائڈ لارڈ بنفورڈ اور لارڈ سڈ ھنم اور دوسرے لوگ تھے۔"

نیز رپورٹر یکم نومبر ۱۹۳۱ء کو تار دیتا ہے۔ "معلوم ہوا ہے کہ مسلمانوں نے کانگریس کے تحفظات کے اختلاف کا اظہار کیا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ مسلمانوں نے قدامت پسند انگریزوں سے بھی خفیہ معاہدہ کیا ہے کہ وہ مسلمانوں سے تحفظات منظور کرا لیں گے جو برطانوی اقتدار کو قائم رکھیں گے اور کنزرویٹو انگریز مسلم مطالبات کی حمایت کریں گی۔"

(مدینہ بجنور ۵ نومبر ۱۹۳۱ء جلد نمبر ۲ صفحہ نمبر ۷۹) نیز اخبار بمبئی کرانیکل کا خاص نامہ نگار مقیم لندن خبر دیتا ہے۔ "شہنشاہیت پرست برطانوی مدبرین کو جب گاندھی جی کے نرم رویہ سے گاندھی جی اور والیان ریاست کو لڑانے میں ناکامی ہوئی تو اب وہ مسلمانوں کو اپنے مقصد کا آلہ بنا رہے ہیں انہوں نے مسلمان مندوبین کو اس لئے متحد کر لیا ہے کہ وہ کامل آزادی کے حصول میں گاندھی جی کی کوششوں کو ناکام کر دیں۔" (مدینہ بجنور ۲۸ ستمبر ۱۹۳۱ء جلد ۲۰ نمبر ۶۹)

(و)۔ پاکستان کا بنانا اور اس کی تجویز کانگریسی حکومت کے قیام اور اس کے مظالم مشہورہ سے پہلے ہی قرار پا چکی ہے مظالم کانگریس کو اس کا باعث قرار دینا محض عوام کو بھڑکانے کے لئے ہے کانگریس کی حکومت ۱۹۳۶ء کے اواخر میں شروع ہوتی ہے اور پاکستان کی پیدائش ۱۹۳۱ء یا اس سے پہلے ہوتی ہے اور اس کا ظہور بلکہ

اس کا پروپیگنڈا ۱۹۳۳ء سے جاری ہوتا ہے چنانچہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام سپلمنٹ نمبر۴ صفحہ ۱۷۴ لیڈن ۱۹۳۷ء مقالہ (ایس' وی پاکستان) میں ہے۔ "پاکستان صوبوں کے اسماء سے حروف تہجی لے کر بنایا گیا ہے پنجاب سے "پ" شمالی مغربی صوبہ سرحد سے (جس کے رہنے والے خصوصاً" افغان ہیں) "الف" کشمیر سے "کاف" سندھ سے "سین" اور بلوچستان سے "تان" ان خطوں کا نام ۱۹۳۳ء میں چودہری رحمت علی بانی پاکستان نیشنل موومنٹ نے پاکستان تجویز کیا۔ الخ

اور اس پر لاہور ٹریبون ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۵ء اور لاہور ایسٹرن ٹائمز ۱۰ جون ۱۹۳۴ء اور اسٹیٹس مین دہلی مورخہ ۳ اگست ۱۹۳۳ء میں مفصل بحث اور تنقید ہوئی اور اس تجویز کو حکومت برطانیہ اور ان صوبوں کے ہندوؤں کے لئے خطرناک دکھلایا گیا۔"
(دیکھو انسائیکلوپیڈیا مذکور)

(ز)۔ مسلم اقلیت کے صوبوں کے مظالم کو اس کا سبب قرار دینا اگر وہ پایۂ ثبوت کو پہونچیں بھی تو خلاف عقل اور خلاف سیاست ہے۔

(اولاً" اگر ان مظالم کے سبب سے پاکستان بنایا جا رہا ہے تو انہیں صوبوں میں مستقبل کے تحفظ کی کوئی راہ نکالی جاتی نہ یہ کہ وہ صوبے اس کی وجہ سے اور ...... خطرہ میں ڈال دئے جائیں اور مسلم اکثریت والے صوبوں کے تحفظ پر زور دیا جائے۔

(ثانیاً") اگر واقع میں یہ اسباب ہو سکتے ہیں تو یہ امر نکتہ بعد الوقوع ہے پاکستان کی اسکیم تو پہلے ہی سے بن چکی ہے اور اپنے منبع سے روانہ ہو کر زعماء لیگ اور مسلم کانفرنس کے قلوب میں جاگزیں ہو چکی تھی۔ ثالثاً" یہ مظالم بطور ڈھونگ فرضی بنائے گئے ہیں یا قصداً" ان کو اٹھوایا گیا ہے تاکہ عوام کے جذبات کو ابھارا جائے اور اپنی سابقہ غداری یا غلطی پر پردہ ڈال دیا جائے۔ اور کانگریس کو بدنام کیا جائے تاکہ اور لوگوں میں تنفر پیدا ہو۔ ان مظالم کے اثبات کے لئے بابو راجندر پرشاد مولانا ابوالکلا آزاد' پنڈت جواہر لال نہرو اثبات و تحقیق کا مطالبہ بذریعہ چیف جسٹس اور ججان فیڈرل کورٹ وغیرہ بار بار کر چکے ہیں مگر مسٹر جناح وغیرہ نے رائل کمیشن پر ہی محول کر دیا اور پھر کوئی وزنی اور موثر عمل اس کے لئے کرنے سے قاصر رہے۔

مسز جان گنتھرا اپنے آرٹیکل میں لکھتی ہے۔

"۱۹۳۸ء کا واقعہ ہے میں اور میرے شوہر مسٹر جان گنتھرا دونوں نے ہندوستان

ہیں مسلم لیگ کے لیڈر مسٹر جناح سے تین گھنٹہ تک لنچ کے موقع پر گفتگو کی ہم نے ان سے پوچھا کہ آپ ہمیں کوئی واضح اور قطعی مثال ان شکایتوں کی بتایئے جو انڈین نیشنل کانگریس سے مسلمانوں کو ہیں۔ مگر وہ کوئی مثال پیش نہ کر سکے۔ ۱۹۴۰ء میں سر اسٹیفورڈ کرپس نے بھی ان سے یہی سوال کیا۔ لیکن اس وقت انہوں نے جواب دیا اور ایک شکایت بیان کی۔ کرپس صاحب نے ذاتی طور پر تحقیق کرنے کا اظہار کیا تھا مگر جب بعد کو انہوں نے نیویارک میں اس کی اطلاع دی تو اس میں انہیں کوئی اصلیت نظر نہیں آئی۔ اس کے بعد ستمبر ۱۹۴۲ء میں ہربرٹ میتھوز نے لکھا ہے کہ مسلم لیڈر (انہوں نے مسٹر جناح کا نام نہیں لیا) کہتے ہیں کہ وہ جہنم سے نکلے ہیں جناح انتہائی چالاک اور خشک قانون داں آدمی ہیں کبھی وہ انڈین نیشنل کانگریس کے سرگرم بحثی قسم کے ممبر تھے مگر پھر انہیں اپنی نجی خواہشات اور حوصلہ مندیوں کے لئے برطانویوں کے پیش کردہ مواقع میں بہ نسبت ایثار پیشہ کانگریس کے زیادہ ترقی نظر آئی۔ مگر پان اسلام ازم کی تمام بحث و گفتگو کے باوجود وہ ایک اچھے ہندوستانی قوم پرور اور محب وطن انسان ہیں۔ اگر برطانوی ان کے ساتھ کھیل رہے ہیں تو وہ بھی برطانویوں کے ساتھ کھیل رہے ہیں۔ (مدینہ بجنور ۹ جون ۱۹۴۳ء)

پروفیسر کیپلینڈ (جن کو آکسفورڈ یونیورسٹی کی طرف سے ۱۹۴۱ء میں ہندوستان کے مسائل کی تحقیق کے لئے بھیجا گیا تھا اور وہ تحقیقات ختم کرنے کے بعد سر اسٹفورڈ کرپس کے عملہ مشیران کے رکن ہو گئے تھے) اپنی یادداشت کے ساتویں باب ڈسٹرٹ اور ڈسیونین میں لکھتے ہیں کہ "پیر پور رپورٹ میں مندرجہ اور دیگر داستانہائے مظالم جو کانگریس وزارتوں کی طرف منسوب کئے گئے ہیں کوئی وزن نہیں رکھتے میں نے مسٹر جناح سے ان کے سلسلہ میں جس قدر گفتگو کی میں سمجھتا ہوں وہ کانگریس کی اسلام دشمن روش کو نہیں ثابت کر سکے۔"

(ح)۔ یہ اسکیم اس لئے بنائی گئی ہے کہ برطانوی اقتدار ہمیشہ تمام ہندوستان پر یا کم از کم مسلم ہندوستان (پاکستان) پر قائم رہے ہمیشہ سے یہی اصول برطانیہ کا ہندوستان پر قبضہ کرنے میں کام کرتا ہے اور یہی اصول اب تک اس کی حکومت کے بقا میں کار آمد ہوا یعنی Divide .... and role. لڑاؤ اور حکومت کرو۔ اگر دو ٹکڑے ہندوستان کے ہو جائیں گے تو برطانیہ کو آپس میں لڑانے اور پھر چودھری بن کر ان کے تحفظ کے بہانہ سے حکومت کرنے اور دولت کے دریا انگلستان کی طرف

بہانے کا موقعہ ہاتھ آئے گا۔ مگر ایک فیڈریشن ہونے کے وقت میں ہندوستان برطانیہ سے بالکل بے نیاز ہو گا۔ جس سے صلح کرے گا یا جنگ کرے گا وہ بیرونی طاقت ہو گی، اس میں برطانیہ کی چودھراہٹ کی ضرورت نہ ہو گی نہ امن و امان کے بہانہ سے اس کو مداخلت کرنے کا موقعہ ہو گا۔

ڈاکٹر سر اقبال مرحوم اپنے خطبہ اجلاس لاہور ۱۹۳۲ء میں فرماتے ہیں کہ۔

"لیکن حکومت برطانیہ کا موجودہ رویہ مظہر ہے کہ وہ ہندوستان میں غیر جانبدار ثالث کی حیثیت سے عامل رہنے کی اہلیت نہیں رکھتی اور بالواسطہ گویا ہندوستانی اقوام یعنی ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک قسم کی خانہ جنگی کی طرف لے جا رہی ہے جو محض اس غرض سے انگریزوں نے اختیار کر رکھی ہے کہ ہندوستان میں اپنی پوزیشن کو سہولت کے ساتھ قائم رکھ سکیں۔"

چنانچہ مسٹر جناح کا مندرجہ ذیل بیان اس پر بخوبی روشنی ڈالتا ہے نئی دہلی۔ ۲۹ فروری ۱۹۴۴ء نیوز کرانیکل لندن کی دعوت پر مسٹر جناح نے پاکستان کے مسئلہ پر مندرجہ ذیل بیان دیا ہے۔

"......اگر برطانوی حکومت ملک کے دو ٹکڑے کر دے تو تھوڑے عرصہ کے بعد جو ۳ ماہ سے زیادہ نہ ہو گا ہندو لیڈر خاموش ہو جائیں گے اور جب تک دونوں ٹکڑے آپس میں امن سے نہ رہیں تب تک برطانوی حکومت کا فوجی اور خارجی کنٹرول ضروری ہے۔ اس صورت میں مصر کی طرح کم از کم ہم اندرونی طور پر تو آزاد ہوں گے آج بھی اصولا" ۵ صوبوں میں پاکستانی حکومتیں مسلم لیگ کے ماتحت قائم ہیں اور ہندو وزیر ان میں کام کر رہے ہیں پاکستان کی قائمی میں ۱/۳ ملک ہندوؤں کے زیر اثر ہو گا اور ۱/۳ مسلمانون کے نیز پاکستان قائم ہونے سے دائمی امن کی امید ہے۔ (مدینہ بجنور نمبر۱۷ جلد۳۳ مورخہ ۵ مارچ ۱۹۴۴ء)

اسی بیان پر ڈاکٹر عبداللطیف صاحب حیدر آبادی جو کہ پاکستان کے بہت بڑے حامی اور اس کے متعلق مفصل کتاب لکھنے والے ہیں اور ایک عرصہ تک لیگ کے ذمہ دار عہدہ دار رہے ہیں فرماتے ہیں۔

"حیدر آباد ۴ مارچ ۱۹۴۴ء ڈاکٹر سید عبداللطیف صاحب نے مسٹر جناح کے اس بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے جو انہوں نے نیوز کرانیکل کی نمائندہ کو دیا ہے فرمایا کہ

" اب مسلمانوں کو دیکھنا چاہئے کہ ان کے قائد اعظم" ان کو کدھر لئے جا رہے ہیں میں ابتدا ہی سے جانتا تھا کہ مسٹر جناح پاکستان کے لئے سنجیدہ نہیں ہیں۔ اب انہوں نے ظاہر کر دیا ہے کہ وہ قطعی آزاد پاکستان کے خواہشمند نہیں ہیں۔ وہ والی ملک کے بغیر ایک ایسی ریاست کے خواہشمند ہیں اور چاہتے ہیں کہ زیر سایہ برطانیہ ایک طویل مدت میں یہ علاقے مصر کی حقیقت تک پہنچ جائیں جو قانونی طور پر تو آزاد ہے مگر اپنے ہر کام میں برطانیہ کے چشم ابرو کا منتظر ہے۔ انہوں نے کراچی میں تقسیم کرو اور ہندوستان سے چلے جاؤ کا نعرہ لگایا تھا۔ مگر اب وہ کہہ رہے ہیں کہ اس سے ان کا مقصد تقسیم کرو اور رہو تھا۔ وہ چاہتے ہیں کہ برطانوی طاقت ہندوستان اور پاکستان دونوں جگہ رہے۔ اور دفاع و خارجی مسائل کی مالک بنی رہے یہ ہے مسٹر جناح کا آئینی ترقی کے متعلق نظریہ کیا کوئی انگریز اس کے لئے ان کا شکریہ ادا کرے گا۔ میرے خیال میں برطانوی رجعت پسند بھی اس پالیسی پر افسوس ظاہر کریں گے۔ برطانیہ نے کرپس اسکیم کی رو سے وعدہ کیا ہے کہ جنگ کے بعد ہندوستان کو متحدہ طور پر یا علاقوں کی تقسیم کے بعد مکمل آزادی حاصل ہو جائے گی۔ بجائے اس کے کہ مسٹر جناح اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دوسری جماعتوں سے اتحاد کرتے وہ موجودہ غلامی پر ہی قانع ہیں کیا مسلم لیگ کے عام ممبران اس روش کی تائید کریں گے؟"

(اجمل بمبئی جلد ۱۷۔ ۶ مارچ ۱۹۴۴ء)

مسٹر جناح اور ڈاکٹر عبداللطیف کے اسی بیان کے متعلق مدینہ لکھتا ہے

"مسٹر جناح کے پاکستان کی آزادی کا تصور بقول ڈاکٹر عبداللطیف اس سے آگے نہیں بڑھتا کہ رفتہ رفتہ وہ مصر کی موجودہ حیثیت کو پہنچ جائے اور مصر کی موجودہ آزادی کی حیثیت کیا ہے مسٹر ولکی جیسے ہوشمند اور باخبر مدبر سیاست داں کی زبان سے سنیئے۔ آپ نے اپنی مشہور تازہ تصنیف "ایک دنیا" میں لکھا ہے کہ مصر تمام عملی اغراض کے لئے برطانی سفیر سر مائلس لیمپسن کا محتاج ہے اس کی رضامندی کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا۔ مسٹر جناح چاہتے ہیں کہ ہندوستان اور پاکستان بھی اسی بالادستی کی نعمت سے بہرہ مند ہوں۔ (مدینہ ۱۳۔ مارچ ۱۹۴۴ء نمبر ۱۹ جلد ۳۳)

اجمل بمبئی مورخہ ۷ مارچ ۱۹۴۴ء اپنے ایڈیٹوریل میں حسب ذیل بیان دیتا ہے۔

مسلمانوں کے لئے لمحہء فکریہ ! "مسلم لیگ کے قائداعظم مسٹر جناح نے لندنی

اخبار نیوز کرانیکل کے نمائندے کو جو رجعت پسندانہ بیان دیا ہے ہم اس سے قبل تبصرہ کر چکے ہیں اس بیان نے پاکستان کے بارے میں مسٹر جناح اور انہی کے ساتھ پوری مسلم لیگ کی (کیونکہ اس کے کرتا دھرتا مسٹر جناح ہی ہیں) اپوزیشن کو حد درجہ مضحکہ خیز بنا دیا ہے اور درحقیقت انہیں بے نقاب کر دیا ہے اس وقت ہمارے سامنے اس بیان پر ڈاکٹر سید عبداللطیف صاحب کی تنقید ہے جو انہوں نے اسی بیان سے متاثر ہو کر کی ہے۔ ڈاکٹر عبداللطیف ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جنہیں پاکستان کا ...... مخالف کہا جا سکے بلکہ وہ تو اس بات کے مدعی بھی ہیں کہ پاکستان کا خیال انہی نے پیش کیا اور کلچرل یا تہذیبی منطقوں میں ہندوستان کے متعلق ایک اسکیم کے وہ مرتب بھی ہیں جسے انہوں نے اپنی ایک تصنیف میں پیش بھی کیا ہے جب ایک ایسا شخص بھی مسٹر جناح کے طرز عمل پر اتنی سخت تنقید کرتا ہے جتنی کہ ڈاکٹر صاحب موصوف نے کی ہے تو اسے محض سیاسی مخالفت کی بناء قرار دے کر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ڈاکٹر سید عبداللطیف صاحب نے جو باتیں کہی ہیں وہ حقیقت پر مبنی ہیں انہوں نے جو اعتراضات مسٹر جناح پر کئے ہیں وہ مسٹر جناح کے بیان کی روشنی میں حرف بحرف صحیح ہیں۔ ڈاکٹر لطیف صاحب کہتے ہیں کہ مسٹر جناح نے کراچی میں نہایت بلند آہنگی سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ انگریز ہندوستان کو تقسیم کر کے یہاں سے چلے جائیں مگر اس سے ان کا مقصد وہ نہیں تھا وہ ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے بلکہ ان کا مقصد اس کے خلاف یہ تھا کہ انگریز ہندوستان کو ہندو مسلمانوں میں تقسیم کریں اور پھر بھی یہاں رہیں اور رہیں تو بھی اس طرح پر کہ مسٹر جناح اور ان کی لیگ کے مجوزہ پاکستان اور ہندوؤں کے قبضہ کے ہندوستان دونوں پر انگریز ہی مسلط رہیں۔ کیونکہ فوج اور امور خارجہ پر انہیں کا قبضہ رہے نیز ان دونوں ریاستوں کے جنہیں ممکن ہے کہ مسٹر جناح اور ان کے ساتھی اپنا جی خوش کرنے کے لئے آزاد ریاستیں کہیں چودہری بنے رہیں اور جب تک ان دونوں ریاستوں کے آپسی تعلقات اس طرح پر طے نہ پا جائیں جس سے انگریز بھی مطمئن ہوں انگریزوں کی ہندوستان میں مداخلت کا سلسلہ بھی جاری رہے۔ یہ باتیں ڈاکٹر عبداللطیف نے اپنی طرف سے مسٹر جناح کی طرف منسوب نہیں کی ہیں نہ ہم اس میں اضافہ اپنی طرف سے کر رہے ہیں بلکہ یہ باتیں پوری وضاحت کے ساتھ مسٹر جناح کے بیان میں صاف الفاظ میں موجود ہیں اس بیان نے واضح کر دیا کہ مسٹر جناح کے ذہن میں ہندوستان کی آزادی

کا یا تو سرے سے تصور ہی نہیں یا اگر ہے تو وہ ایسی آزادی ہے جس سے کوئی خوددار ہندوستانی متحدہ ہندوستان کا حامی ہو خواہ تقسیم ہند یعنی پاکستان کا یہی نہیں صرف مطمئن نہیں ہو سکتا بلکہ بلاشک و شبہہ مضطرب اور پریشان ہو گا۔ مسٹر جناح نے اپنے اس بیان میں وہ بات کہی ہے جو رجعت پسند انگریز بھی کم از کم اپنے منہ سے نہیں کہتا خواہ اس کی نیت میں کتنا ہی فتور کیوں نہ ہو۔ ایسی حالت میں ڈاکٹر عبداللطیف صاحب یہ کہنے میں قطعاً" حق بجانب ہیں کہ مسٹر جناح کی اس روش کو دیکھتے ہوئے یہ ماننا پڑے گا کہ وہ پاکستان کے بارے میں کبھی سنجیدہ تھے ہی نہیں وہ جوچیز چاہتے تھے یا ان کا دماغ جو چیز سوچتا تھا وہ کوئی آزاد اسلامی ریاست یا اسی کے ساتھ جیسا کہ وہ اکثر کہا کرتے تھے غیر پاکستانی علاقوں کی آزاد ہندوستانی ریاست نہ تھی بلکہ وہ انگریز کی غلامی میں ایسی ریاستوں کا خواب دیکھ رہے ہیں جن کی حیثیت تقریباً" وہی ہو جو ہندوستانی ریاستوں کی ہے اور ایک مدت مدید کے بعد بھی (جس کا فیصلہ یاد رہے کہ انگریز ہی کرے گا) ان کی حیثیت مصر کی ہو جائے جسے باوجود اپنی آزادی کے ہر کام میں برطانیہ کے اشارہء چشم و ابر کا منتظر رہنا پڑتا ہے۔

بہرحال ایک لحاظ سے بہت اچھا ہوا کہ مسٹر جناح نے سالہا سال کے بعد پہلی بار صفائی کے ساتھ بتا دیا کہ پاکستان کے متعلق ان کا اپنا تخیل کیا ہے اب مسلمانوں کو عام طور پر اور خاص کر ان مسلم لیگی حضرات کو جو مسٹر جناح کی ہر بات پر آمنا و صدقنا کا نعرہ بلند کرنے کے عادی بن گئے ہیں سوچنا چاہئے کہ مسٹر جناح انہیں کدھر لے جا رہے ہیں کیا یہی وہ چیز ہے جو ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں کا منتہائے نظر ہونی چاہئے اور کیا مسلم لیگ کی وہ نشاۃ ثانیہ جس کے راگ الاپتے مسلم لیگی حضرات کی زبانیں نہیں تھکتیں اسی مقصد عظیم کے لئے ہے۔ اگر اس کا جواب اثبات میں ہے تو ہمیں اس پوری تنظیم اور اس کے مقصد دونوں پر فاتحہ پڑھ دینا چاہئے۔ اور اسی کے ساتھ یہ بھی کہہ دینا چاہئے کہ اگر ہندوستان کے دس کروڑ مسلمان اب بھی اسی چکر میں رہیں جس میں مسٹر جناح اور ان کے ساتھی انہیں رکھنا چاہتے ہیں تو ان کا بس اللہ ہی حافظ ہے کیونکہ اس کا نتیجہ سوائے اس کے کچھ نہیں ہو سکتا کہ مسلمان خود بھی برطانیہ کا غلام بنا رہے اور اپنے ساتھ اپنے دوسرے کروڑوں ہم وطنوں کو بھی غلامی پر مجبور کرے ہمیں امید ہے کہ مسلم لیگیوں کا سنجیدہ طبقہ اس مسئلے پر ٹھنڈے دل سے غور کرے گا۔ اور سوچے گا کہ آخر وہ

ان چیزوں کو کب تک برداشت کریں گے خیر مسلم لیگی خواہ کچھ سوچیں اور کچھ کریں ہمیں تو یہ محسوس ہو رہا ہے کہ مسلمانان ہند کی زندگی میں وہ نفسیاتی گھڑی اب قریب آتی جاتی ہے جب حالات انہیں اس بات پر مجبور کریں گے کہ وہ اپنے طرز عمل پر نظر ثانی کریں اور اس میں تبدیلی کریں۔

(ط)۔ برطانیہ کے یہ ٹوری حضرات اس طریقہ سے ہندوستان کو کمزور کر دینا چاہتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ اس میں اتنی طاقت نہ پیدا ہو کہ وہ انگلستان اور دیگر یورپین ممالک کو آنکھیں دکھانے لگے اور ان کا حریف بن جائے تقسیم کی شکل میں اول تو اس کو داخلی جھگڑوں میں مبتلا ہونا پڑے گا۔ اور پھر دونوں ٹکڑوں (پاکستان اور ہندوستان) کے آپس میں جھگڑوں میں پھنس جانا پڑے گا۔ جس کے نتیجہ میں انتہا درجہ کمزور ملک بن جانا پڑے گا۔ ہاں اگر اس کا مرکز صرف ایک ہی ہو جائے تو یقیناً" تھوڑی ہی مدت میں وہ ایسی عظیم الشان طاقت بن سکتا ہے جس کا مقابلہ بآسانی کوئی یورپین طاقت بھی نہ کر سکے گی۔ چنانچہ نیوز کرانیکل لندن کے نمائندہ نے اپنے سوالات میں مندرجہ ذیل الفاظ کہے تھے۔

سوال۔ "لیکن یہ کس طرح ایک پسندیدہ صورت ہو سکتی ہے کہ ملک کو دو حصوں میں تقسیم کر کے کمزور کر دیا جائے جس سے وہ بیرونی حملوں کا شکار ہو جائے۔"

نیز ایک سوال حسب ذیل تھا۔ لیکن خانہ جنگی ہونا یقینی ہے آپ ایک ہندوستانی السٹر قائم کریں گے جس پر آگے چل کر ہندو لوگ متحدہ ہندوستان کے نام پر ممکن ہے حملہ کریں

نیز ایک سوال یہ تھا کہ اگر اس وقت انگریزوں نے یہ عذر کر کے ہندوستان کو چھوڑنے سے انکار کر دیا کہ ہندو اور مسلمانوں کے تعلقات اس قدر اچھے نہیں ہیں کہ وہ ہمسایہ کے طور پر رہ سکیں تو پھر کیا ہو گا؟

نمائندہ نیوز کرانیکل کے سوالات میں یہ تینوں سوالات واقعات کی روشنی میں ہیں اور نہایت صحیح ہیں۔ مسٹر جناح کے جوابات ہرگز اطمینان بخش نہیں ہیں اور نہ واقعات اور حقائق پر مبنی ہیں چنانچہ پہلے سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:۔

"میں یہ تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہوں کہ ہندوستان کو جبری طور پر متحد رکھ کر زیادہ محفوظ بنایا جا سکتا ہے حقیقت یہ ہے کہ اس صورت میں اس

کے بیرونی حملوں کا شکار ہونے کے زیادہ امکانات ہیں کیونکہ ہندو مسلمان بھی ایک نہیں ہوں گے بلکہ ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ دست و گریباں رہیں گے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان کوئی ایسا سمجھوتہ ناممکن ہے جس سے مسلمان ہندوؤں کے ساتھ بطور ایک وحدت کے ایک ایک وفاق کے اندر رہنے پر تیار ہو سکیں نیو فاؤنڈلینڈ سے مکمل آزادی کا وعدہ کیا گیا ہے اگر یہ مختصر سا ملک کناڈا کے قریب ہوتے ہوئے بھی علیحدہ اپنے پیروں پر کھڑا ہو سکتا ہے تو یقیناً" پاکستان بھی جس کی آبادی سات آٹھ کروڑ یعنی برطانیہ کی آبادی سے دوگنی ہے تنہا ترقی کی منازل پر آگے بڑھ سکتا ہے۔"

(اجمل بمبئی ۲ مارچ ۱۹۴۴ء)

تعجب کی بات ہے کہ مسٹر جناح کس طرح اس جواب میں تاریخ اور واقعات اور صحیح امکانات پر دھول ڈال رہے ہیں یہودیوں اور عیسائیوں کی تاریخ اٹھا کر دیکھئے کس طرح قرنہاقرن ان میں خونریزی اور دشمنی کے انتہائی درجہ کے مظاہرات ہوتے رہے ہیں مگر کیا برطانیہ اور امریکہ میں یہودی قوم اپنے اعلیٰ پیانہ کے سرمایہ اور خوش حالی کے ساتھ کامن ویلتھ میں بسر نہیں کر رہی ہے اور کیا وہ اعلیٰ سے اعلیٰ عہدے حاصل کر کے مانٹیگو اور ریڈنگ وغیرہ کی صورت میں برٹش امپائر کی امداد و اعانت نہیں کر رہے ہیں کیا کینیڈا اور جنوبی امریکہ کے بسنے والے مختلف نسلوں اور مختلف اقوام و مذہب والے نہیں ہیں اگر یہ سب ایک وفاق میں شریک ہو سکتے ہیں حالانکہ زمانہ ہائے سابقہ اور لاحقہ میں ان میں سخت عداوتیں ظہور پذیر رہی ہیں تو کیا ہندوستان کے باشندے مستقبل قریب میں ہندوستانی کامن ویلتھ (دولت مشترکہ) کے اجزاء نہیں ہو سکتے۔

سرکیشیا اور قفقاسیہ کے چراکیہ جارجیا کے داغستانی وغیرہ اور صحرا روس اور سائبیریا کے قزق (کاسک) اور شہروں کے بسنے والے قازانی یہ وہ بہادر مسلمان قومیں ہیں جن کی صرف انہیں کی مدد سے متحدہ روس کو کامیابی جرمن کے مقابلہ میں ہوئی ہے یہ سب اپنے اپنے صوبوں کی داخلی آزادی کے ساتھ ساتھ روسی کامن ویلتھ اور متحدہ حکومت میں داخل اور شریک ہیں حالانکہ زمانہ ہائے سابقہ میں جو جو خونریزیاں اور جنگ و جدال آپس میں پیش آئے ہیں ان سے تاریخ کے صفحات

بھرے ہوئے ہیں۔

خود ہندوستان میں انگریزوں سے پہلے مغلیہ دولت مشترکہ اور وفاق میں اور ہندو اور مسلمان ریاستوں میں ہر دو قوتیں انتہائی اتفاق اور اتحاد کے ساتھ ساتھ صدیوں تک گذر بسر کرتی رہی ہیں ڈبلیو ایم ٹارانس اپنی کتاب "ایشیا میں شہنشاہیت" میں لکھتا ہے۔

سیواجی کو متعصب اور سلطان ٹیپو کو کٹر مذہبی کہا جاتا ہے لیکن جس وقت ہم نے جنوبی ہند کی ریاستوں میں دخیل ہونا شروع کیا ان کے یہاں اس قسم کے مذہبی تنفر کا نام تک نہ تھا جس طرح انگلستان اور یورپ کے تقریبا" سب حصوں میں مخلوق کو تباہ کرنا روا رکھا جاتا تھا جب آئرلینڈ میں کوئی رومن کیتھولک نہ اپنے بزرگوں کی جاگیر کا حق دار سمجھا جاتا تھا نہ فوج کا افسر ہو سکتا تھا جبکہ سویڈن میں سوائے لوتھر کے معتقدین کے اور کسی عقیدہ کا کوئی شخص ملازم نہیں ہو سکتا تھا ٹھیک اس وقت ہندوستان کے اندر ہر شہر اور شاہی دربار میں ہندو مسلمان عزت اور سرمایہ کمانے میں اور ایک دوسرے سے بازی لے جانے میں آزاد تھے۔"

لارڈ ولیم بنٹنگ انگلستان میں ایک کمیٹی کے روبرو ۱۸۸۲ء میں بیان دیتے ہوئے کہتا ہے۔ "بہت سی باتوں میں اسلامی حکومتیں انگریزی راج سے کہیں بہتر تھیں مسلمان اس ملک میں آباد ہو گئے جسے انہوں نے فتح کیا تھا وہ ہندوستانی باشندوں میں گھل مل گئے ان میں بیاہ شادی کرنے لگے۔ مسلمانوں نے ہندوستانی غیر مسلموں کو ہر قسم کے حقوق دیئے اور فاتح و مفتوح کے مذاق دلچسپی اور ہمدردی میں یکسانیت تھی کوئی فرقہ نہ تھا بخلاف اس کے انگریزی پالیسی اس کے برعکس ہے اب سرد مہری خودغرضی اور بے پرواہی ہے جس میں ایک طرف تو قوت کا آہنی پنجہ حکمراں ہے اور دوسری طرف ہر چیز پر اپنا قبضہ ہے اور ہندوستانیوں کو کوئی دخل نہیں۔"

(الانصار نمبر۲۲ جلد۲ مورخہ ۱۶ جون ۱۹۲۸ء ماخوذ از فارورڈ کلکتہ)

اسی طرح سر جان مینارڈ اور دوسرے مورخ لکھتے ہیں یہ منافرت انگریزوں کی پیدا کی ہوئی ہے اور انہیں کی خواہش اور پالیسی کے موافق لیگ بھی پر زور کوشش کر رہی ہے یقینا" اگر انگریزی راج کا یہاں سے خاتمہ ہو جائے اور زعماء لیگ اپنی اس غلط پالیسی کو چھوڑ کر اتفاق و اتحاد کی دن رات کوشش کرنے لگیں تو حالت بہت جلد بدل سکتی ہی جیسا کہ تحریک خلافت کے وقت میں مشاہدہ ہو رہا تھا اگر

گورنمنٹی طاقتیں اپنی باطنی قوتوں کو استعمال نہ کرتیں تو یقیناً" نہایت زیادہ ہم آہنگی اور خوش گواری قائم ہو جاتی اور اگر واقعیت وہی تسلیم کر لی جائے جو کہ مسٹر جناح ارشاد فرماتے ہیں تو پھر پاکستان کے ہر دو حصوں میں بھی کبھی امن و سکون نہ ہو گا اور نہ وہاں مسلم حکومت قائم رہ سکے گی وہاں کی فیصدی چالیس بلکہ اس سے بھی زیادہ غیر مسلم آبادی مسلمانوں سے ہمیشہ دست و گریباں رہے گی اور حکومت کو تگنی کا ناچ نچایا کرتی رہے گی بالخصوص اس وجہ سے کہ وہ سرمایہ دار، زمیندار اور عام مسلمانوں سے بہت منظم اور تعلیم یافتہ ہے مسلمان عموماً" مفلوک الحال اور ہندوؤں اور سکھوں کے مقروض اور محتاج اور رعایا ہیں اور حسب تصریح تنظیم امرتسر ۱۴ جون ۱۹۲۸ء ان پر قرضہ کا سب سے بڑا حصہ کاشتکار مسلمانوں ہی پر ہے اور قرض خواہ عموماً" غیر مسلم مہاجن ہیں۔

دوسرے سوال کے جواب میں مسٹر جناح ارشاد فرماتے ہیں۔

مجھے اس سے اتفاق نہیں ہے کہ نئے آئین کے تحت مختلف پیدا ہونے والے معاملات کو سلجھانے و طے کرنے کے لئے ایک درمیانی دور ہو گا جس کے دوران میں، امور خارجہ اور فوجی معاملات برطانیہ کے ہاتھ میں رہیں گے۔ اس درمیانی دور کی مدت کیا ہو گی اس کا انحصار اس امر پر ہو گا کہ کس رفتار سے ہندو اور مسلمان نیز انگریز اپنے کو نئے آئین کے مطابق ڈھالتے ہیں۔ ہندو اور مسلمان دونوں برطانیہ کے ساتھ معاہدہ کر لیں گے جس طرح مصر نے اپنی آزادی حاصل کرنے کے بعد برطانیہ کے ساتھ معاہدہ کیا ہے۔(اجمل بمبئی ۲ مارچ ۱۹۴۴ء)

اس جواب میں جو غلط کاری مسٹر جناح نے کی ہے اس کی تفصیل ڈاکٹر عبداللطیف صاحب کے بیان اور اجمل اور مدینہ بجنور کی توضیحات میں آچکی ہے مگر ہم ایک اور واضح چیز یہاں انصاری دہلی روزانہ مورخہ ۹ مارچ ۱۹۴۴ء کے ایڈیٹوریل سے نقل کرنا ضروری سمجھتے ہیں وہ کہتا ہے

"لیکن سوال یہ ہے کہ اس درمیانی دور میں برطانیہ ہندوستان کے ان دونوں حصوں کو کیوں نہ ایسی پوزیشن میں ڈال دے گا کہ وہ کبھی بھی آزاد نظام حکومت کو سنبھالنے کے قابل نہ ہو سکیں گے اگر اس امکان سے انکار نہیں کیا جا سکتا تو کیا مسٹر جناح کی اس تجویز کا مطلب برطانیہ کو یہ صلاح دینا نہیں ہے کہ ہندوؤں اور

مسلمانوں کے متحد ہو کر ہندوستان کی آزادی کی تحریک اٹھانے کے امکانات کو پاش پاش کر ڈالنے کے لئے ہندوستان کو ہندو ہندوستان اور مسلم ہندوستان میں تقسیم کرے اور الگ الگ ان کی پوزیشن کو کمزور کر کے ہندوستان کو قیامت تک غلام بنائے رکھے۔ نیوز کرانیکل کے نامہ نگار کو بھی مسٹر جناح کی اس تجویز کو سن کر یہی بات سوجھی جاتی تھی جو ہم نے واضح کی ہے۔ چنانچہ اس نے مسٹر جناح سے دریافت کیا کہ اگر اس وقت انگریز یہ عذر کر کے ہندوستان کو چھوڑنے سے انکار کر دے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے تعلقات اس قدر اچھے نہیں ہیں کہ وہ ہمسایہ کی حیثیت سے اچھی طرح رہ سکیں تو پھر کیا ہو گا۔ مسٹر جناح کو اس کی کچھ فکر نہیں ہے کہ اس وقت کیا ہو گا اور برطانیہ ہندو اور مسلمانوں کو الگ الگ غلامی کے پھندے میں لٹکائے رہے گا انہیں تو صرف یہ فکر ہے کہ کسی طرح مسلم صوبوں پر مسلم لیگیوں کا راج ہو جائے۔"

اخبار مذکورہ کا یہ کہنا بالکل واقعی اور صحیح ہے برطانوی قوم بالخصوص ٹوریوں اور قدامت پسندوں کی ذہنیت اور ان کے آئے دن کے بیانات اور ارادے اور اعمال اسی کی شہادت دیتے ہیں سابقہ تجربات صراحتاً" اس کے دلائل اور براہین قویہ ہیں۔

> ایسا ہو سکتا ہے لیکن اس کا امکان نہیں ہے بہرحال اس صورت میں بھی ہمیں اس سے زیادہ آزادی حاصل رہے گی جو اس وقت ہے ایک جداگانہ قوم اور ایک ڈومینین کی حیثیت سے ہمارے لئے موجودہ تعطل کے مقابلہ میں اس وقت اس کے زیادہ مواقع و امکانات ہوں گے کہ ہم میں اور برطانیہ میں معاہدہ ہو جائے۔"

مسٹر جناح نے یہ دعوی تو کر دیا ہے کہ اس کا امکان نہیں ہے مگر اس کی کوئی دلیل ذکر نہیں فرمائی انگریزوں کے اس قسم کے کارنامے تاریخی صفحات پر اس قدر مرقوم ہیں کہ ان کے گنوانے کے لئے دفاتر چاہئیں تعجب ہے کہ مسٹر جناح ان تمام معاملات سے چشم پوشی فرما رہے ہیں ایڈورڈ گرے، لائڈ جارج، مسٹر چرچل اور دیگر وزرائے برطانیہ کی تاریخیں دیکھئے اور مسٹر جناح کی ناواقفیت یا نسیان کی داد دیجئے۔ اس قسم کی ڈپلومیسیاں ساحرین برطانیہ کے بائیں ہاتھ کے کھیلوں میں سے ہیں۔ ہم کو اس وقت میں مولانا محمد علی صاحب مرحوم کا مقالہ یاد آتا ہے انہوں نے متعدد مرتبہ ذکر فرمایا کہ جبکہ وہ خلافت ڈیپوٹیشن میں انگلستان کو جا رہے تھے تو پیرس میں

بھی گزارے اور وہاں کے ایک مشہور و معروف سیاسی شخص سے ملاقات کی اثناء ذکر میں انگریزوں کی ڈپلومیسی اور فریب کا تذکرہ آیا تو اس نے کہا کہ میں اور میری قوم (فرنچ) ہمیشہ یہ عہد کرتے ہیں کہ آئندہ انگریزوں کے فریب میں نہ آئیں مگر تھوڑے ہی دنوں کے بعد میں اور میری قوم دیکھتے ہیں کہ پھر ان کے فریب میں پھنس گئے ہیں تعجب ہوتا ہے کہ دنیا کی آزمودہ کارپالیٹکس کی ماہر قومیں تو ان کے دجل اور فریب کا اتنے زور و شور سے اقرار کریں اور مسٹر جناح جو صرف قانون کے نہایت خشک ماہر ہیں (بقول مسز جان گنتھر) اس کے امکان کا بلا دلیل انکار کریں جے کیر ہارڈی تو کہتا ہے کہ جب تک دنیا میں ڈپلومیٹک آفس موجود ہے دنیا میں امن و امان قائم ہی نہیں ہو سکتا اور مسٹر جناح فرماتے ہیں کہ اس کا امکان نہیں ہے اٹلانٹک چارٹر اور ایسی ایسی سیکڑوں چیزیں موجود ہیں اور مسٹر جناح سب سے چشم پوشی فرما رہے ہیں یا دانستہ سب کی آنکھوں میں دھول ڈال رہے ہیں ان کی دوسری باتوں کا جواب ڈاکٹر عبداللطیف اور اجمل کے آرٹیکل میں آچکا ہے اعادہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

روزنامہ انصاری مورخہ ۹ مارچ ۱۹۴۴ء کہتا ہے اور صحیح کہتا ہے۔

"مسٹر جناح کو نہ تو ہندوستان کی آزادی کی پرواہ ہے اور نہ آپ کو مسلمانوں کی آزادی کی فکر ہے بلکہ اس وقت تو آپ کو صرف اس بات کی دھن ہے کہ کسی نہ کسی طرح انگریز ہندوستان کے دو ٹکڑے کر کے ایک ٹکڑے پر مسلم لیگ کا راج قائم کروا دیں اور اپنی سنگینوں سے اس مسلم لیگی راج کی حفاظت کرتے رہیں مسلمانوں کو مسٹر جناح کے اس تازہ اظہار خیال کی روشنی میں مسلم لیگ کے مطالبہ پاکستان کے سیاسی ڈھونگ کو غور سے دیکھنا چاہئے کہ یہ مسلمانوں کی آزادی کا مطالبہ ہے یا انہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غلام بنوانے اور ہندوستان کی دوسری قوموں سے برسر پیکار رکھنے کی ترکیب ہے۔

(ی)۔ مسٹر پلوڈن کے خط سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان ملعون مفادات اور منحوس خود غرضیوں کی بناء پر ٹوری اور رجعت پسند انگریزوں نے مصمم ارادہ تقسیم ہندوستان کر کے مسلم لیگی اور مسلم کانفرنسی لیڈروں سے پخت و پز کر لی ہے وہ کہتا ہے کہ خواہ ہم کچھ کریں یہ ہو کر رہے گا پھر کیا وجہ ہے کہ ہم اسے جلد از جلد معرض عمل میں نہ لائیں اور اس کے ساتھ سب سے پہلے تاجرانہ تعلقات کیوں نہ

قائم کریں یہ قول صاف اس امر پر روشنی ڈالتا ہے اور اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ تقسیم ہندوستان صرف انگریزوں کا نکالا ہوا ہے مسلمانوں کو بیوقوف بنا کر اپنا الو سیدھا کیا جا رہا ہے افسوس ہے کہ مسلمان دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ انگریز اس کی تائید و حمایت میں پورا زور لگا رہے ہیں۔

مسٹر چمن لال سیتلواڈ کا وہ بیان جو کہ انہوں نے امریکہ سے واپسی پر ۱۵ جنوری ۱۹۴۵ء میں کراچی میں دیا تھا اس امر پر پوری روشنی ڈالتا ہے اس کا اقتباس حسبِ ذیل ہے۔ "........امریکہ کا برطانوی سفارت خانہ پاکستان کے حق میں انگلینڈ میں

پمفلٹ وغیرہ لٹریچر چھپواتا ہے اور اسے ہوائی جہازوں کے ذریعہ امریکہ میں مفت تقسیم کرنے کی خاطر بھیجا جاتا ہے اس کے علاوہ امریکہ میں ایک مسلم لیگ بھی کھولی گئی ہے مسٹر احمد اس کے انچارج ہیں برطانوی سفارت خانہ کی طرف سے انہیں تنخواہ دی جاتی ہے .... (ملاپ روزانہ مورخہ ۱۶ جنوری ۱۹۴۵ء جلد ۲۲ نمبر ۲۴۴ از رپورٹ)

ہندوستان میں برطانوی حکام کی لیگ کی غیر معمولی حمایت اور سرپرستی اس کی شہادت عادلہ ہیں جو کہ ہر ایک غور کرنے والے پر مخفی نہیں ہیں۔

نیو اسٹیٹس مین اینڈ نیشن لندن مورخہ ۱۴ دسمبر ۱۹۴۰ء لکھتا ہے۔ "یہ اشکال اس وجہ سے پیدا ہوا کہ لارڈ لنلتھگو نے مسلم لیگ کو ہندوستان کے تمام مسلمانوں کا واحد نمائندہ جماعت تسلیم کر لیا۔ مسلم لیگ ایک طاقتور جماعت ہے اور اس کو مسٹر جناح کی رہنمائی حاصل ہے جو ایک قابل سرگرم لیڈر ہیں لیکن اس کو پنجاب سندھ اور سرحد کے صوبوں میں بھی جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے کوئی مقبولیت حاصل نہیں اور اگر اس وقت کچھ ہو بھی گئی تو کل تک نہیں تھی صوبجاتی اسمبلیوں کے انتخابات میں مسلم حلقہ ہائے انتخاب سے جو ممبر منتخب ہو کر آئے ان میں مسلم لیگ کے ٹکٹ پر کامیاب ہونے والوں کی تعداد چوتھائی سے بھی کم تھی۔ اس کا دعوی ہے کہ اب کچھ مہینوں سے اس کے ممبروں کی تعداد بہت زیادہ بڑھ گئی ہے یہ بالکل صحیح ہو سکتا ہے کیونکہ وائسرائے کی ممتاز سرپرستی کی وجہ سے کانگریس کے بعد یہ ملک کی سب سے بڑی سیاسی جماعت بن گئی ہے ہم نے مسٹر جناح کی انتہا پسندانہ روش کو ہندوستان کی مسلمان آبادی کی جس کو ہم تسلیم کرتے ہیں اصل رائے سمجھنا

شروع کر دیا ہے اور مسٹر جناح اور دوسری ہندوستانی جماعتوں کے نظریوں میں جن میں دوسری مسلم جماعتیں بھی شامل ہیں اتحاد و اتفاق کا ہونا ممکن نہیں۔

(مدینہ بجنور نمبر۱۸ جلد۳۰ مورخہ ۱۳ مارچ ۱۹۴۱ء)

اسی بیان میں وہ آگے چل کر لکھتا ہے کہ یہ مخلصانہ پیشکش ہے کہ صلح کے بعد ہندوستان کو درجہ نو آبادیات عطا کر دیا جائے گا تو ہمیں اس قسم کا کوئی قدم اٹھانا پڑے گا لیکن اگر ہم مسٹر جناح کو محض اپنا آلہء کار بنا رہے ہیں جو ہر وقت بھونڈے اور ناکارہ عہد نامہ کو بھول کر ہمیں اخلاقی ذمہ داری سے سبکدوش کرنے کے لئے تیار ہیں تو ہم ایسا نہیں کریں گے اگر ہمارے متعلق یہ شبہات بڑھتے رہے اور ہم نے ان کے دور کرنے کی کوشش نہیں کی کہ ہم تقسیم کرو اور حکومت کرو کا پرانا کھیل کھیل رہے ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم مستقبل قریب میں ہی ہندوستان کو کھو بیٹھنے کا خطرہ مول لے رہے ہیں۔"

بہرحال یہ پاکستان کا ڈھونگ برطانیہ کی منحوس تجویز ہے جو کہ ٹوریوں کے دماغوں کی جھیل مان سرور سے بطور چشمہ نکلتی ہے اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی بڑھ کر موجیں مارنے والے دریا کی صورت ۱۹۴۰ء سے اختیار کر لیتی ہے جس میں فریب دے کر ہندوستانیوں اور بالخصوص مسلمانوں کو نہایت بے دردی کے ساتھ لوٹنا اور برباد کرنا اور ہر طرح سے اپنا الو سیدھا کرنا مقصود ہے اور جس کو نہایت چالاکی کے ساتھ بہت ہی خوش رنگ میٹھے شربت کی صورت میں زہر ہلاہل کو پلایا جا رہا ہے۔

یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے
ہوئے تم، دوست جس کے، دشمن اس کا آسماں کیوں ہو

لارڈ لنلتھگو اور لارڈ ویول وغیرہ کا اس تقسیم کے خلاف کرنا اگر دانستہ ہے اور یقیناً" ایسا ہی ہے تو یہ بھی انگریزی سیاسی چال ہے جس سے ہندوستانی مسلمانوں کا اصرار روز افزوں ترقی کرے گا الانسان حریص علی مامنع اور آخر میں خود انگریز اپنے عظیم الشان احسانوں کو جتاتے ہوئے مسلمانوں سے کہے گا کہ ہم تو نہیں چاہتے تھے مگر کیا کریں تم لوگ مجبور کر رہے ہو تو ہم تم کو یہ چیز دے دیتے ہیں اور ہندو سے کہے گا کہ ہم تو ہندوستان کی تقسیم کے خلاف ہی ہیں ہم تو متحدہ ہندوستان ہی کو تم سبھوں کے لئے سمجھتے تھے مگر تمہارے وطنی بھائی مسلمانوں نے ہم کو مجبور کر دیا ہے ہم کو تو سبھوں کی خاطر داری کرنی ہے بادل ناخواستہ ہم اس تقسیم ملک کو منظور

کرتے ہیں تم کو اپنے وطنی بھائیوں کی ہٹ اور ان کی خواہشوں کا احترام کرنا چاہئے اس کو ٹھکرانا نہ چاہئے امریکہ اور روس وغیرہ دیگر ممالک کے سامنے بھی اپنی معصومیت کا اظہار کرے گا کہ ہم کیا کریں ہم نے تو بہت سمجھایا مگر مسلمان نہ مانے اس لئے مجبوراً" ہم نے تقسیم کر دیا۔ اس طرح سب کو خوش کر کے اپنی اغراض مکمل طور سے پوری حاصل کی جائیں گی اور بوجھ مسلمانوں کے سر پر رکھ دیا جائے گا ایسے اعمال انگریزی سیاست اور اس کی چالوں میں روزانہ ظہور پذیر ہوتے رہے ہیں آج نیا کھیل نہیں ہے۔ مسلمانوں کو غور کرنا چاہئے اور ممکن ہے کہ لارڈ لنلتھگو اور لارڈ ویول کی یہ مخالفت نادانستہ ہو اور وہ ان کاروائیوں سے جو ٹوری اور قدامت پسند کنسرویٹو پارٹی نے یہاں پہلے سے جاری کی ہیں ان سے واقف نہ ہوں .... بہر حال مسلمانوں کو اپنے مستقبل پر اور انگریزی مفاد پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا ضروری ہے۔

تقسیمِ ہندوستان میں اجمالی طور پر خَطرات کا ہجوم

ہم اس جگہ تقسیم کے متعلق ان خطرات کو اجمالی طور پر ظاہر کرنا چاہتے ہیں جو کہ خود لیگ کے ذمہ دار اور سمجھ دار ممبر نے وفاق عرب پر روشنی ڈالتے ہوئے ذکر کئے ہیں اور جن کو اجمل بمبئی نے نہایت وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے یہ خطرات نہ تو معمولی ہیں اور نہ صرف رائے اور وہمیات ہیں بلکہ واقعات ہیں جن کو غور و خوض کے ساتھ دیکھنا اشد ضروری ہے۔

(روزنامہ اجمل بمبئی مورخہ ۲۰ جولائی ۱۹۴۴ء) "مسٹر عبدالرحمٰن صدیقی بنگال کے ایک ممتاز مسلم لیگی لیڈر ہیں وہ انگریزی زبان کا ایک مسلم لیگی روزنامہ مارننگ نیوز نکالتے ہیں اس اخبار کی اشاعت مورخہ ۱۶ جولائی میں اتحاد عرب پر تبصرہ کرتے ہوئے صدیقی صاحب ایک عجیب بات لکھتے ہیں جسے آج ہم ناظرین کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں اور یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ وہی لوگ جو محض ہندوؤں کی ضد میں پاکستان یا تقسیم ہند کے قائل ہیں خود اپنے دل کی گہرائیوں میں تقسیم یا اتحاد کے متعلق کیا نظریہ رکھتے ہیں۔

صدیقی صاحب لکھتے ہیں۔

"اگر چھوٹی اور کمزور قومیں بڑی اور طاقتور قوموں کی دراز دستیوں سے بچنا چاہتی ہیں تو ان کو آپس میں ضم ہو کر بڑے گروہ یا وفاق بنانا ہوں گے نسل، مذہب، یا

جغرافیائی حدود کی بنا پر تقسیم کا خیال انیسویں صدی کے یورپ کے سیاسی فلسفہ کی تخلیق ہے اور اب یہ تجزیہ کی بناء پر تباہ کن ثابت ہو چکا ہے بلجیم اپنی کمزوری کا مزہ چکھ چکا۔ زیکو سلوواکیہ خوشحالی سے دور رہا۔ اور یوگو سلاویہ بھی امن حاصل نہ کر سکا اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ چھوٹی قومیں ظلم اور دراز دستیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔"

یہ ہے مسلم لیگ کے ایک ممتاز رکن اور لیگ کی مجلس عاملہ کے ایک سابق ممبر کا خیال۔ مارننگ نیوز کی یہ رائے ضرور اس قابل ہے کہ اس پر مسلم لیگی حضرات غور کریں اس لئے کہ اس میں ایک ایسے مسئلہ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے جو جوش کی دھاندلی میں مسلمان قوم کو غلط راستے پر لئے جا رہا ہے اور جس پر چل کر قوم بڑے مصائب میں مبتلا ہو سکتی ہے یہ صحیح ہے کہ پاکستان اور اسلامی حکومت کے نعرے بڑے دلفریب معلوم ہوتے ہیں یہ بھی سچ ہے کہ دو اسلامی حکومتوں کے قیام کا تخیل عام مسلمانوں میں ایک خاص قسم کا سرور اور جوش پیدا کر دیتا ہے اور یہ بھی سچ سہی کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں کافی اختلافات ہیں مگر اس کے باوجود بھی یہ ہرگز صحیح نہیں ہے کہ محض ہندوؤں کی تنگ دلی سے شاکی ہو کر ہم ایسی غلطی کر بیٹھیں جو مستقبل میں ہمارے لئے تباہ کن اور ملت کے لئے باعث بربادی بنے یہ بالکل واضح ہے کہ بنگال اور پنجاب کی حکومتیں اتنی طاقتور نہیں ہوں گی کہ وہ بیرونی حکومتوں کی ساز باز اور ان کی دراز دستیوں کا مقابلہ کر سکیں۔ اس لئے یہ ہو سکتا ہے کہ ہم ہندوؤں سے تو مفروضہ آزادی حاصل کر لیں مگر اس مفروضہ آزادی کے بدلے میں غیر ملکی حکومتوں کی ویسی ہی غلامی میں مبتلا ہو جائیں جیسی کہ آج ہمارے سروں پر نافذ ہے اگر ایسا ہوا تو یہ بدترین بدقسمتی ہو گی اس لئے ہمارا فرض ہے کہ ہم معاملات کو محض ہندو دشمنی کی عینک سے نہ دیکھیں بلکہ پاکستان کے سوال پر سنجیدگی سے غور کر کے یہ فیصلہ کریں کہ آیا یہ پاکستانی حکومتیں خود ہمارے لئے باعث رحمت ثابت ہو سکیں گی یا نہیں آیا یہ اپنے تحفظ کا مناسب بندوبست کر سکیں گی یا نہیں آیا یہ اتنی طاقتور ہوں گی یا نہیں کہ بین الاقوامی سیاست میں اپنا وقار قائم رکھ سکیں اگر نہیں اور یقیناً" نہیں تو دانائی کا اقتضا یہ ہے کہ مسلم اکثریت کے صوبوں کے لئے مابقی اختیارات حاصل کر کے متحدہ ہندوستان وفاق میں شامل رکھا جائے اور بجائے علیحدہ ہو کر دوسروں کے غلام بننے کے ہندوؤں کے وسائل سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خود ملت اسلامیہ کی اس طرح اندرونی اصلاح کی جائے کہ وہ زندہ

اور طاقتور قوم محسوس ہونے لگے مارننگ نیوز کا یہ بیان صحیح ہے کہ اب دنیا تقسیم اور علیحدگی کی مہمل سیاسی پالیسی کو چھوڑتی جا رہی ہے اس لئے مسلسل تجربات نے ثابت کر دیا ہے کہ اس تنازع للبقاء کی دنیا میں صرف طاقتور زندہ رہ سکتے ہیں۔ کمزور چاہے وہ کتنے ہی حق پڑدہ کیوں نہ ہوں زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں رکھتے۔ مان لیجئے کہ قیام پاکستان کے لئے اچھے دلائل موجود ہیں مگر کیا یہ اچھے اور خوبصورت دلائل جاپان کو بنگال پر اور روس کو پنجاب و سرحد پر حریصانہ نگاہیں ڈالنے سے باز رکھ سکتے ہیں آزادی و انصاف کے تمام الفاظ ملک گیری کے آرزو مندوں کو پاکستان کے کمزور ممالک کی تسخیر کے ارادوں سے باز رکھ سکتے ہیں اگر کوئی اس معاملہ میں دیانت داری کا ذرا بھی شبہہ رکھتا ہے تو وہ بیوقوفی کی جنت کا ساکن ہے اس دنیا میں جہاں حق کے مقابلہ میں طاقت کا راج ہے پاکستانی حکومتیں محض اس بنیاد پر زندہ نہیں رہ سکتیں کہ مسلمانوں کو آزاد رہنے کا حق ہے اور بحیثیت ایک علیحدہ قوم کے ان کو ضرور آزاد رہنا چاہئے مسلم لیگ مذہب کی بنیادوں پر عمل تقسیم کی طالب ہے تمدن تہذیب اور زبان کی بنیادوں پر تقسیم کا مطالبہ نہیں کیا گیا ہے ورنہ جہاں تک تہذیب و تمدن کا تعلق ہے اگر اس کی بنیادوں پر ہندوستان کو تقسیم کیا جائے تو ہندوستان بے شمار ٹکڑوں میں منقسم ہو کر رہ جائے گا کمیونسٹ حضرات البتہ جس تقسیم کے قائل ہیں وہ تہذیب و تمدن اور زبان کی بنیادوں پر ہو گی مگر مسلم لیگ اس کی طالب نہیں ہے وہ مذہب کی بنیاد پر تقسیم کی طالب ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ ان علاقوں کے لئے حق علیحدگی طلب کرتی ہے جن میں مسلمان اکثریت میں ہیں مارننگ نیوز نے اپنے مذکورہ مضمون میں سچ کہا ہے کہ اس وقت جبکہ اقوام عالم کو ایک دوسرے سے قریب تر لانے قوموں کی گروہ بندی کرنے اور ایک بین الاقوامی وفاق تیار کرنے کی کوششیں جاری ہیں مذہب اور نسل کی بنیادوں پر علیحدگی کا مطالبہ نہ صرف مہمل بلکہ تباہ کن ہے۔

چونکہ رسالہ طویل ہو گیا ہے اس لئے ہم مندرجہ بالا مضمون پر اس حصہ کو ختم کرنا ضروری سمجھتے ہیں اب دوسرے حصہ میں انشاء اللہ پاکستان کے متعلق تفصیلی بحث کریں گے۔

ننگِ اسلاف

حسین احمد غفرلہٗ

۱۱ محرم الحرام ۶۵ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پاکستان کیا ہے؟

حصہ دوئم

پاکستان کا مفہوم اور اس کے حدود

پاکستان کے مفہوم کے متعلق اب تک مختلف تفصیلات آئی ہیں اجلاس لاہور ۱۹۴۰ء میں جو قرارداد پاس ہوئی تھی اور جسے پاکستان کی بنیاد قرار دیا جا سکتا ہے اس کے الفاظ حسب ذیل تھے :-

مسلم لیگ کی یہ پختہ رائے ہے کہ کوئی دستور حکومت بغیر اس کے کہ وہ ذیل کے اصولوں پر مبنی ہو نہ قابل عمل ہو سکتا ہے اور نہ مسلمانوں کے لئے قابل قبول :-

(۱) یہ کہ جغرافیائی حیثیت سے متصل وحدتوں کی ایسے علاقوں میں حد بندی کر دی جائے جو اس طرح بنائے جائیں اور ان میں ضرورت کے مطابق ایسی سرحدی تبدیلیاں کی جائیں کہ وہ رقبے جہاں مسلمانوں کی عددی اکثریت ہے مثلاً" ہندوستان کے شمال مغربی اور مشرقی منطقے ایک مستقل ریاست بن جائیں اور اس ریاست کے اجزاء ترکیبی اندرونی طرز پر خودمختار اور مطلق العنان ہوں۔

(۲) یہ کہ ان علاقوں اور منطقوں کے اجزاء ترکیبی میں اقلیتوں کے مذہبی' ثقافتی' اقتصادی' سیاسی' انتظامی اور دوسرے حقوق و مفاد کے تحفظ کے لئے آئین میں معتدل اور مؤثر اور واجب التعمیل تحفظات درج کئے جائیں اور نیز ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں جہاں مسلمانوں کی تعداد کم ہے

مسلمانوں کے لئے اور نیز دوسری اقلیتوں کے لئے ایسی معقول مؤثر اور واجب التعمیل تحفظات معین طور پر دستور میں شامل کر دیئے جائیں جن سے ان کے مذہبی ثقافتی اقتصادی سیاسی اور دوسرے حقوق و مفاد کی حفاظت ہو جائے۔

یہ اجلاس ورکنگ کمیٹی کو یہ اختیار دیتا ہے کہ دستور کی ایک اسکیم مرتب کرے جو ان بنیادی اصولوں پر مبنی ہو اور وہ اس قسم کی ہو کہ اس میں یہ گنجائش ہو کہ ان علاقوں کو اس قسم کے اختیارات مل جائیں جیسے دفاع امور خارجہ رسل ورسائل کروڑ گیری اور نیز ایسے ہی دوسرے امور جو ضروری ہوں۔

(اجمل - ۳۰ مئی ۱۹۴۴)

مذکورہ بالا رزولیوشن سے معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان کے لئے صوبوں کی پرانی حدود نہ ہوں گی بلکہ نئی حدود جو کہ مذکورہ بالا اصولوں کے مطابق ہوں مقرر کی جائیں گی پنجاب اور بنگال اور آسام کے وہ اضلاع جن میں مسلمان غیر مسلموں سے اقلیت میں ہیں وہ خارج کر دیئے جائیں گے نیز لیگ کی ورکنگ کمیٹی دستور کی کوئی مفصل اسکیم بنائے گی مگر آج تک ہمارے سامنے ورکنگ کمیٹی کی کوئی ایسی اسکیم نہیں آئی شخصی آراء اور اسکیمیں بہت آئیں جن میں آپس کے اختلافات کے علاوہ ان شروط کے مطابق عددی اکثریت بھی بسا اوقات نہیں پائی جاتی۔ مثلاً ڈاکٹر عبداللطیف صاحب نے مختلف تہذیبی اصولوں کو معیار تقسیم قرار دیا ہے جو کہ ان اصولوں سے علیحدہ ایک اصول ہے چنانچہ روزنامہ حقیقت لکھنؤ اپنی اشاعت مورخہ ۵ ستمبر ۱۹۴۵ء جلد ۵ نمبر ۱۴۲ میں بعنوان "پاکستان یا چیستان" لکھتا ہے :۔

"کراچی میں مسٹر جناح نے ایک پریس کانفرنس کی جس میں ہندو مسلم اخبارات کے ایڈیٹر شریک تھے اس کانفرنس میں ایک مسلمان اخبار نویس نے مسٹر جناح سے خواہش کی کہ وہ پاکستان کی تعریف کریں کہ یہ کیا چیز ہے اور اس کی کیا صورت ہو گی مسٹر جناح نے جواب میں کہا کہ مجھے پاکستان کی وضاحت کرنے کے لئے کچھ وقت درکار ہے تاکہ میں اس کا پوری طرح مطالعہ کر سکوں لیکن ایڈیٹروں کی طرف سے مسلسل مطالبہ کیا گیا کہ وہ پاکستان سمجھائیں کہ وہ کیا چیز ہو گی جب مسٹر جناح سے اور

کوئی جواب نہ بن پڑا تو انہوں نے کہا کہ جو رسالے اور مضامین اب تک پاکستان کی تائید میں شائع ہو چکے ہیں ان کو پڑھ لو۔ ایک اور مسلمان اخبار نویس نے کہا کہ میں نے سب مضامین اور رسالے پاکستان کے متعلق پڑھے ہیں لیکن میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا بلکہ اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ پاکستان کے معنے مسلمانوں کی خودکشی کے ہیں۔ یہ جواب سن کر مسٹر جناح ناراض ہو گئے اور انہوں نے کہا کہ اب وہ اس مسئلہ میں مزید گفتگو کرنا نہیں چاہتے۔"

ایڈیٹر حقیقت کہتا ہے "لیجئے راہبر خود راستہ سے ناواقف ہے وہ دوسروں کی رہبری کیا کرے گا" اس مضمون سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خود مسٹر جناح کے ذہن میں ۵ ستمبر ۱۹۴۵ء تک کوئی مکمل حقیقت اور تحدید موجود نہ تھی۔

نواب زادہ لیاقت علی خاں صاحب جنرل سیکرٹری آل انڈیا مسلم لیگ ۲۴ ستمبر ۱۹۴۵ء کو علی گڑھ میں تقریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

"مجھے ایک بار پھر پاکستان کی تشریح کر لینے دیجئے پاکستان سے مقصود یہ ہے کہ ان علاقوں میں جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے آزاد اور خودمختار حکومتیں قائم کی جائیں لوگ پوچھتے ہیں کہ پاکستان کی حدود اربعہ کیا ہوں گی میں ایک بار پھر اس پلیٹ فارم پر سے اعلان کرتا ہوں کہ پاکستان کی حدود اربعہ کی بنیاد وہی ہو گی جو ابھی صوبہء پنجاب، سرحد، بنگال، بلوچستان اور آسام کی حدود اربعہ ہیں۔"

اس عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ نواب زادہ ان صوبوں کے قدیمی انگریزی حدود ہی پر اعتبار فرماتے ہیں اگرچہ ان میں ایسے متعدد منطقے ہیں جن میں مسلمان بہت تھوڑی اقلیت رکھتے ہیں جیسے صوبہ آسام کا مشرقی شمالی حصہ یعنی برہمپتر ویلی اور پہاڑی حصہ وغیرہ یا پنجاب کے مشرقی اور بنگال کے مغربی منطقے یا سکھوں کی اکثریت والے اضلاع پنجاب۔

حریت مورخہ ۱۸ نومبر ۱۹۴۵ء صفحہ ۸ کالم ۳ میں لکھتا ہے۔

"مسٹر جناح سے بار بار مطالبہ کیا گیا کہ وہ پاکستان کی تشریح کریں لیکن وہ نہ منہ سے بولتے تھے اور نہ سر سے کھیلتے تھے لیکن جب ایک امریکن نامہ نگار نے ان سے انٹرویو کیا تو انہوں نے کہا کہ "پاکستان شمال مغربی

سرحدی صوبہ، بلوچستان، سندھ، پنجاب اور بنگال جس میں بندرگاہ کلکتہ اور اس کے اردگرد کے صنعتی علاقے بھی شامل ہیں اور آسام کے صوبوں پر مشتمل ہو گا۔ پاکستان کا آئین سیاسی طور پر بالکل جمہوری ہو گا بڑی بڑی صنعتیں اور عوام کو فائدہ پہنچانے والی سروسیں سوشلسٹ اصولوں پر قومی ہوں گی تمام صوبوں اور ان سے متعلق تمام ریاستوں کو داخلی آزادی حاصل ہو گی پاکستان دو بڑے حصوں یعنی شمال مغربی اور شمال مشرقی پر مشتمل ہو گا لیکن وہ بحیثیت عمومی ایک ہی بلاک کہلائے گا اس کے قدرتی ذرائع اور اس کی آبادی اتنی کافی ہو گی کہ اسے دنیا کی ایک طاقت بنا سکے مجموعی آبادی تقریباً" دس کروڑ ہو گی۔ کوئی وجہ نہیں کہ اس کے قدرتی وسائل سے فائدہ نہ اٹھایا جائے یا اسے دنیا کی بڑی طاقت نہ بنایا جائے انگلستان کی آبادی ۲ار۳ کروڑ سے زائد نہیں پھر بھی وہ دنیا کا بہت بڑا ملک بن گیا ہے۔"

اس سے پہلے ۱۷ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو مسٹر جناح نے کوئٹہ میں تقریر کرتے ہوئے مندرجہ ذیل الفاظ فرمائے :۔

"بہرحال ہمارا مطالبہ پاکستان بالکل واضح ہے یعنی وہ علاقے جہاں مسلمان عددی اکثریت رکھتے ہیں انہیں آزاد خودمختار ملکوں کی شکل میں مجتمع کر دیا جائے جن میں ہر واحدہ ترکیبی خودمختار اور کامل الاقتدار ہو گا اور جن میں اقلیتوں کو ان کی مذہبی، معاشرتی، اقتصادی، سیاسی اور انتظامی حقوق کے لئے موثر آئینی تحفظات دیئے جائیں گے ہمارا مطالبہ بالکل واضح ہے اور انصاف کے معیار پر پورا اترے گا۔"

(انجام ۲۰ اکتوبر ۱۹۴۵ء ج ۱۲ نمبر ۲۶۸)

(وحدت ۲۰ اکتوبر ۱۹۴۵ء ج ۱۷ نمبر ۲۱۳)

اس بیان میں صوبوں کی تعیین اور تفصیل ایسی نہیں ہے جیسی کہ ۱۸ نومبر کے بیان میں ہے مگر اس میں بھی یہ تفصیل نہیں ہے کہ ان صوبوں کی تحدید اسی نہج پر ہو گی جو کہ انگریزی گورنمنٹ نے کر رکھی ہے یا اس میں سے وہ منطقے جو غیر مسلم اکثریت رکھنے والے ہیں خارج کئے جائیں گے یا نہیں البتہ ڈاکٹر اقبال مرحوم کا وہ بیان جو کہ آلہ آباد کے اجلاس میں ۱۹۳۰ء میں انہوں نے اپنے خطبہ میں دیا تھا

وہ ان قطعوں کو صاف الفاظ میں مستثنیٰ فرماتے ہیں۔ مندرجہ ذیل الفاظ ملاحظہ ہوں :۔

"اس تجویز کو ہنٹر کمیٹی کے سامنے بھی پیش کیا گیا ہے انہوں نے اسے اس بناء پر رد کر دیا کہ اس پر عمل کرنے سے ایک ناقابل انتظام سلطنت ظہور پذیر ہو گی۔ یہ صحیح ہے جہاں تک کہ رقبہ کا تعلق ہے لیکن آبادی کے لحاظ سے ہندوستان کے بعض موجودہ صوبوں سے کمتر ہو گی لیکن اگر انبالہ ڈویژن اور بعض دیگر غیر اسلامی اضلاع کو الگ کر دیا جائے تو اس کی وسعت بھی کم ہو جائے گی اور مسلم آبادی کا عنصر اور بھی بڑھ جائے گا اور اس طرح غیر مسلم اقلیتوں کو مزید مؤثر سیاسی مراعات دینے کا موقع بھی میسر ہو گا۔"

ان تمام اقوال میں کشمیر کا کوئی تذکرہ موجود نہیں ہے مگر چودھری رحمت علی صاحب بانی پاکستان نیشنل موومنٹ ۱۹۳۳ء میں کشمیر کو بھی اس میں داخل فرماتے ہوئے پاکستان کی وجہ تسمیہ میں حرف کاف کو کشمیر ہی میں سے لیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ مسلم آبادی کی وہاں پر خصوصی اور غیر معمولی اکثریت اس کی مقتضی بھی ہے اگرچہ لیگی حضرات اس سے ساکت یا مخالف معلوم ہوتے ہیں۔

بہرحال پاکستان کی حدود کی تعیین محتاج تنقیح ضرور ہے اقوال مختلف ہیں۔ کوئی قابل اطمینان صورت ابھی تک سامنے نہیں آئی ہے اگر آبادی کی اکثریت کو ہی بناء تقسیم قرار دیا جاتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ غیر مسلم اکثریت والے اضلاع کو مجبور کیا جائے کہ وہ حق خود اختیاری اور حق انفصال سے روکے جائیں اور اپنی مرضی کے مطابق جس مرکز سے چاہیں تعلق نہ رکھیں اور اگر تحدیدات برطانیہ کو اس کا موجب قرار دیا جاتا ہے تو اس کی معقولیت میں یقیناً کلام ہے بالخصوص لاہور والی تجویز کی روشنی میں۔

پاکستان کا طرزِ حکومت

پاکستان کے طرز حکومت کے متعلق بھی بہت سی چہ میگوئیاں کی گئی ہیں عام مسلمانوں کو بہکانے کے لئے اور ان کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے صرف عام لیگیوں نے نہیں بلکہ خواص نے بھی کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ہے جیسا موقعہ دیکھتے

ہیں ویسا کہنے لگتے ہیں۔

(۱) نواب اسمٰعیل خاں صاحب میرٹھی ممبر آل انڈیا ورکنگ کمیٹی و معزز عہدہ دار اور صدر یوپی مسلم لیگ نے ۹ نومبر ۴۵ء کو آلہ آباد میں علماء کرام و ربانیین سے دستگیری کی استدعاء کرتے ہوئے فرمایا:۔

"مسلم لیگ کا نصب العین پاکستان ہے اور لیگ اس پر تلی ہوئی ہے کہ اس سرزمین میں اسلام کی سیاسی........بنیادوں پر شریعت مطہرہ کی حکومت قائم کر دے۔"

(منشور ۱۱ نومبر ۴۵ء صفحہ ۶ کالم ۱)

(۲) میاں بشیر احمد صاحب ممبر ورکنگ کمیٹی آل انڈیا مسلم لیگ نے دسمبر ۱۹۴۲ء میں اعلان کیا کہ:۔

"پاکستانی طرز حکومت خلفاء راشدین کی حکومت کے مطابق ہو گا۔"

(مدینہ یکم جنوری ۱۹۴۳ء)

(۳) احمد آباد میں تقریر کرتے ہوئے مسٹر جناح نے حسب ذیل ارشاد فرمایا:۔

"اقلیت کے صوبہ والوں (مسلمانوں) پر جو گزرتی ہے گزر جانے دو۔ لیکن آؤ ہم اپنے ان بھائیوں کو آزاد کرا دیں جو اکثریت کے صوبوں میں ہیں تاکہ وہ شریعت اسلامی کے مطابق وہاں آزاد حکومت قائم کر سکیں۔"

(پاکستان نمبر "ایمان" لاہور ۲۸ فروری ۱۹۴۱ء)

یہ بیانات نہایت ہی خوش کن اور امید افزا ہیں کاش یہ واقعیت کا کوئی درجہ رکھتے مگر ہم جب لیگ کے ہائی کمانڈ کی زندگی اور اخلاق و عقائد کا معمولی درجہ پر بھی معائنہ کرتے ہیں تو بدیہی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب ان کا ڈھونگ ہے جس کے وہ ہمیشہ سے عادی ہیں۔ خود مسٹر جناح کے اعلانات اور جنرل سیکرٹری نواب زادہ لیاقت علی خاں صاحب اور ڈان (جو کہ لیگ کا آرگن ہے) کی تحریریں اس کی صراحتہ" تکذیب کرتی ہیں اور بتلاتی ہیں کہ کسی مخفی حقیقت یا پوشیدہ اغراض کی پردہ داری کے لئے ایسے اعلانات کئے جا رہے ہیں خود مسٹر جناح نے بمبئی کے ایک اجتماع میں فرمایا کہ:۔

"پاکستان کا دستور اساسی پاکستانی عوام مرتب کریں گے اور تمام اقلیتوں کو حکومت میں نمائندگی دی جائے گی۔"

(زمیندار لاہور مورخہ ۱۰ نومبر ۱۹۴۵ء)

احمد آباد میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ :۔

پاکستان کی حکومت جمہوری ہو گی اور سارا نظم و نسق عوام کے نمائندوں کے ہاتھوں میں ہو گا۔"

(انجام مورخہ ۲۷ اگست ۱۹۴۵ء)

نمائندہ نیوز کرانیکل کو بیان دیتے ہوئے مسٹر جناح نے فرمایا :۔

"پاکستان کی حکومت (یوروپین) جمہوریت کے طریقہ پر ہو گی۔ ہندو اور مسلمان اپنی اپنی آبادی اور مردم شماری کی حیثیت سے رائے شماری کر کے فیصلہ صادر کریں گے اور وزارتوں اور لیجسلیچر میں سب حصہ دار ہوں گے۔"

(شہباز لاہور مورخہ ۲۷ اکتوبر ۱۹۴۵ء بحوالہ ڈان)

میاں بشیر احمد صاحب رکن ورکنگ کمیٹی آل انڈیا مسلم لیگ ۲ نومبر ۴۵ء کو لاہور کے جلسہء عام میں تقریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :۔

"ہمارے قائداعظم بار بار کہہ چکے ہیں کہ پاکستان میں بلالحاظ مذہب عوام کی حکومت ہو گی۔ پاکستان میں ہندوؤں اور سکھوں کو برابری اور آزادی دی جائے گی۔"

۸ نومبر ۱۹۴۵ء کو بمبئی میں ایسوسی ایٹڈ پریس آف امریکہ کو بیان دیتے ہوئے مسٹر جناح نے فرمایا :۔

"پاکستان ایک جمہوری حکومت ہو گی اور مجھے امید ہے کہ پاکستان کی بڑی بڑی صنعتیں اور کارخانے سوشلسٹ اصول پر قوم کے قبضہ میں دے دیئے جائیں گے۔"

(منشور ۱۱ نومبر ۴۵ء صفحہ ۳ کالم ۲)

(انجام ۲۱ نومبر ۴۵ء صفحہ ۱ کالم ۴)

علی گڑھ یونیورسٹی میں نواب زادہ لیاقت علی خاں صاحب نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ :۔

"ہم سے سوال کیا جاتا ہے کہ پاکستان کا دستور اساسی کیا ہو گا اس کا جواب یہ ہے کہ پاکستان ایک جمہوری اسٹیٹ ہو گا اور اس کے دستور

اساسی کی تشکیل ان علاقوں کے باشندگان بتوسط ایک منتخب کردہ مجلس دستور اساسی خود ہی کریں گے ہر چیز اظہر من الشمس ہے۔"
(عصر جدید کلکتہ مورخہ ۲۶ ستمبر ۱۹۴۵ء بحوالہ ڈان ۲۵ ستمبر ۴۵ء صفحہ ۶ کالم ۱)

شہباز لاہور مورخہ ۲۷ اکتوبر ۱۹۴۵ء لکھتا ہے کہ لیگ کا ذمہ دار سرکاری ترجمان ڈان لکھتا ہے کہ :۔

"مسٹر جناح نے ہمیشہ کہا ہے کہ پاکستان کوئی دینی و مذہبی حکومت ہرگز نہ ہو گی بلکہ خالصاً" ایک دنیوی حکومت ہو گی اور مسلمانوں کی حکومت الٰہیہ کے نظریہ سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو گا۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ پاکستان کو عالمگیر اسلامی قومیت (پین اسلام ازم) سے کوئی دور کا واسطہ بھی ہے ان سے مسٹر جناح کو ہرگز اتفاق نہیں۔"

ڈان ۹ ستمبر ۱۹۴۵ء لکھتا ہے کہ :۔

"مسٹر جناح نے ہمیشہ پاکستان کو ایک دنیاوی اسٹیٹ قرار دیا ہے اور اس خیال کی ہمیشہ سختی سے مخالفت کی ہے کہ اس میں مسلمانوں کی حکومت الٰہیہ قائم ہو گی جو لوگ پاکستان کو پان اسلام ازم (اتحاد اسلامی) کے مرادف قرار دیتے ہیں وہ اتحاد کے دشمن ہیں۔"

مدینہ بجنور مورخہ ۲۱ نومبر ۱۹۴۴ء نمبر ۹۴ جلد ۳۳ لکھتا ہے کہ اخبار "ایمان" نے مسلم لیگ کے ترجمان ڈان کے ایک مراسلہ کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ

"پاکستان میں مذہبی حکومت یا مسلم راج نہ ہوں گے کیونکہ مذہبی حکومت صرف وہاں قائم ہو سکتی ہے جہاں ایک ہی مذہب کے سو فیصدی لوگ ہوں یا اتنی فوجی طاقت ہو کہ وہ غیر مذہب والوں کو مجبور کر کے مطیع کر سکے۔"

پھر یہی بزرگ مذہبی حکومت کے مفاسد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :۔

"اگر پاکستان میں مذہبی حکومت بنا دی گئی تو اس سے عوام کی ترقی رک جائے گی طبقات کی تفریق کا سلسلہ جاری رہے گا انسان کی اجتماعی اور اقتصادی نجات کی راہ بند ہو جائے گی مذہبی حکومت کے پیشرو مسلمان ہوں گے اور وہ قابل نہیں ہیں ہندو صوبوں کے مسلمانوں پر ظلم و ستم

ہونے لگیں گے اس سے ہندوستان میں خانہ جنگی کی آگ بھڑک اٹھے گی۔ "

مندرجہ بالا شہادتوں اور اعلانات پر ناظرین غور فرمائیں اور ان لوگوں کی ذہنیتوں پر ماتم کریں جو کہ اس خیال میں مست ہیں کہ پاکستان میں اسلامی راج یا شریعت کی حکومت یا خلفاء راشدین کی حکومت کا نمونہ ہو گا۔ یا مذہبی اقتدار اسلامی قائم ہو گا۔ ظاہر ہے کہ وہ دستور اساسی جو کہ ۶۰ یا ۵۸ فیصدی مسلمان اور چالیس یا بیالیس فیصدی غیر مسلم مرتب کریں گے کیا وہ شرعی دستور ہو گا۔ شریعت مرتب نہیں کی جاتی وہ خداوندی قانون مرتب شدہ ہے اس میں کسی کو ترمیم کرنے کا حق نہیں ہے شرعی حکومت میں فقط تنفیذ اور اجراء ہوتا ہے یہاں اس کا سوال ہی نہیں ہے۔

شرعی حکومت کو تو لیگ اور اس کا ترجمان ڈان انتہائی درجہ کی ذلیل اور ناکارہ قرار دیتا ہے جن لوگوں کی یہ ذہنیت ہو اور جو مسلمانوں کو ناقابل جانتے ہوں وہ کیا مسلمانوں کے ہاتھ میں حکومت پاکستان عطا فرمائیں گے کیا وہ غیر مسلموں کے ہاتھ میں تمام اقتدار نہ سونپیں گے یہی بات تھی کہ جس کی وجہ سے مسٹر جناح نے میثاق ملی میں (۱۹۱۶ء) میں اکثریت والے صوبوں بنگال اور پنجاب میں آبادی کے تناسب سے سیٹیں نہیں دینے دیں پنجاب کو ۵۶ فیصدی سے ۵۰ فیصدی اور بنگال کو ۵۳ فیصدی سے ۴۰ فیصدی نشستیں دلوائیں اور جب ۱۹۲۰ء میں ریفارم اسکیم گورنمنٹ نے دینی چاہی اور بنگال کے متعلق آبادی سے اس قدر کم سیٹوں کا اعتراض اٹھایا تو مسٹر جناح اور ان کے ہمنواؤں نے اعتراضات کر کے گورنمنٹ پر زور دیا کہ وہ اکثریت والے صوبوں میں میثاق ملی پر ہی عمل کرے۔ چنانچہ ۲۴ جنوری ۱۹۲۵ء کو دہلی کے جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اکثریت والے صوبوں کے مسلمان باشندے ناقابل ہیں ان کو انعام نہیں ملنا چاہئے۔ صریح الفاظ حسب ذیل ہیں :۔

میثاق لکھنؤ کس طرح وجود میں آیا۔ پنجاب اور بنگال میں مسلمان اکثریت میں تھے۔ بنگال میں ۵۶ فیصدی تھے اور پنجاب میں ۵۴ فیصدی (نوٹ انڈین کوارٹرلی ۲۵ء میں یہی اعداد ہیں نہ معلوم مسٹر جناح بھولے یا مطبع نے غلطی کی) مسلمانوں کی عام پستی دیکھ کر یہ دلیل بیان کی جاتی تھی کہ اگر مسلمانوں کو آبادی کے تناسب سے حکومت میں حصہ دیا گیا تو ایسا ہی

ہے جیسے کہ اس کو اس کی جہالت اور نااہلیت پر انعام دیا جائے.........جب پارلیمنٹ میں فارم بل پر بحث ہوئی تو گورنمنٹ آف انڈیا نے بنگال کی نشستوں کے بارہ میں میثاق لکھنؤ کی مخالفت میں ایک تحریر بھیجی کیونکہ اس میثاق کی رو سے بنگال کی ۵۶ فیصدی آبادی کو ۴۰ فیصدی نشستیں ملی تھیں لیکن ہندو اور مسلمان قابل تعریف طریقہ پر میثاق لکھنؤ پر اڑے رہے اور جوائنٹ پارلیمنٹری کمیٹی نے بھی اسی میثاق کی تصدیق کر دی۔"

(دیکھو انڈین کوارٹرلی رجسٹر ۱۹۲۵ء جلد ا صفحہ ۶۸)

مسٹر جناح ۵ ستمبر ۱۹۳۱ء میں ایک ایٹ ہوم کے سلسلہ میں تقریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :۔ "حکومت ایسی چیز نہیں کہ ہر کس و ناکس کے سپرد کر دی جائے حکومت کو پہلے سے چند ضروری امور کے متعلق غور کر لینا چاہئے مثلاً" انسان اتنے متمدن ہو جائیں اور اس محبت اور پیار سے رہنے سہنے لگیں کہ انتہائی مشکلات اور نہایت برے حالات کے وقت بھی درپیش مسائل کو خود حل کرنے کی اہلیت رکھتے ہوں۔"

(مدینہ بجنور ۹ ستمبر ۱۹۳۱ء جلد ۲۰ نمبر ۴۶ صفحہ ۶)

الحاصل مسٹر جناح کے نزدیک اب بھی اکثریت والے صوبوں کے مسلمان نااہل ہیں ان کو حکومت بالخصوص مذہبی حکومت نہیں دی جا سکتی اور غالباً" ان کے نزدیک یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ ڈان کے دفتر میں غیر مسلموں ہی کی اکثریت ہے چنانچہ ۵ جولائی ۱۹۴۳ء کے اخبار مدینہ نے شائع کیا ہے کہ ڈان کے تیرہ ملازمین میں سے صرف تین ملازم مسلمان ہیں باقی دس غیر مسلم ہیں ڈان کے عملہ کا خرچ ماہوار تین ہزار دو سو نوے روپیہ ہے اس میں سے دو ہزار آٹھ سو بیس روپیہ غیر مسلموں پر خرچ ہوتا ہے۔

کیا یہ ذہنیت اور یہ عمل مسلمانوں کے لئے قابل عبرت اور قابل غور نہیں ہے بہرحال یہ خیال باندھنا کہ مسٹر جناح اور لیگ کے زعماء پاکستان میں اسلامی اور مذہبی حکومت قائم کریں گے ایک خیال باطل ہے یہ حضرات تو اس کے انتہائی مخالف ہیں اور اگر ایسی حکومت قائم ہوتی بھی ہو گی تو جان توڑ کوشش کر کے اس کو قائم نہ ہونے دیں گے قاضی بل کے متعلق اسمبلی کی رپورٹ ملاحظہ فرمائیں۔

پاکستان کی حکومت یوروپین طریقہ پر ڈیموکریسی (جمہوری) حکومت ہو گی جس میں

پریسیڈنٹ کیبنٹ اور لیجسلیچر کا تابع محض ہو گا بیشک وہ مسلم لیگی ہو سکتا ہے مگر صرف اس وقت تک کہ جب لیگ پارٹی کے ممبر اکثریت میں ہوں اور ہاؤس کی اکثریت اس کو منتخب کرے اور اگر کوئی مخلوط پارٹی اکثریت میں آگئی اور اس نے غیر مسلم کو منتخب کر دیا تو مسلمان پریسیڈنٹ بھی نہ ہو گا۔

بہرحال یہ حکومت خلفائے راشدین کی طرز کی حکومت تو درکنار خلفاء بنی امیہ یا بنی العباس کے طرز کی بھی حکومت نہ ہو گی بلکہ بادشاہان مغلیہ کی سی حکومت بھی نہ ہو گی اس کو اسلامی حکومت کہنا صرف اسی طرح ہو گا جس طرح کاغذ اور مٹی کے گھوڑے کو گھوڑا کہا جاتا ہے آج بھی سر خضر حیات خاں اور سر ناظم الدین اور سر غلام حسین ہدایت اللہ اور سر سعد اللہ کی حکومتوں کو اسلامی حکومت کہہ سکتے ہیں چنانچہ نیوز کرانیکل لندن کے نمائندہ کے سامنے مسٹر جناح نے اسی قسم کے کلمات فخریہ ذکر کیے ہیں اگر اسلامی حکومت کے یہی معنے ہیں تو اسقدر جدوجہد فضول اور بے معنے اور لاحاصل ہے بالخصوص اس طریقہ پر جو مسٹر جناح نے نیوز کرانیکل لندن کے نمائندہ کے سامنے بیان کیا ہے کہ پاکستان پر غیر معین زمانہ تک انگریزی فوجی اقتدار اور خارجہ پالیسی قائم رہنا ضروری ہے جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ اس کے معنی تو ہندوستان کی دائمی غلامی کے ہیں خلاصہ یہ ہے کہ اس کو اسلامی حکومت سمجھنا اور کہنا محض دھوکا ہی دھوکا ہے۔

پاکستان کے محاسن اور دلائل

پاکستان کے محاسن اور ضرورت کے متعلق بہت سے دلائل پیش کیے جاتے ہیں جن میں سے عام معروف اور مشہور دلیل جو کہ روز مرہ پلیٹ فارم اور پریس میں عام طور پر بیان کی جاتی ہے ہندوؤں کے مظالم اور تنگ دلیوں کی داستانیں ہیں جن کو سرکاری دفتروں کے ملازمین اور ان کے اعزہ و احباب آئے دن پیش کیا کرتے ہیں اور بیشتر حالات میں ان کی صحت سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا مگر کیا پاکستان سے اس کا معالجہ ہو گا یا نہیں اور آیا اس کا اصلی سبب ہندو ہی ہے یا کوئی اور ہے

مندرجہ ذیل دفعات ملاحظہ ہوں۔

(الف)۔ انگریزوں نے ہندوستانیوں میں نفاق ڈلوانے اور فرقہ وارانہ نفرت

پھیلانے کا سب سے بڑا ذریعہ ملازمتوں اور نوکریوں کو بنایا ہے جس پر ان کے نزدیک انگریزی حکومت کا آج تک مدار ہے۔

۱۸۲۱ء میں کازلے ٹیکس کے نام سے کسی انگریز افسر نے ایشیاٹک جرنیل میں ایک مضمون دیا تھا وہ لکھتا ہے کہ

"ہندوستان میں ہماری حکومت کے ہر صیغہ کو خواہ وہ خارجی تعلقات سے واسطہ رکھتا ہو یا عدالتی اور حربی نظم و نسق سے یہ اصول ہمیشہ مد نظر رکھنا چاہئے کہ تفرقہ ڈال دو اور حکمرانی کرو۔"

(حکومت خود اختیاری صفحہ ۵۲، ۵۱)

اسی قسم کے بیانات لارڈ الفنسٹن گورنر بمبئی اور سر جان میلکم وغیرہ کے بھی ہیں۔ چنانچہ ان شعبہائے حکومت اور دفتروں میں یہ طریقہ نہایت شدومد سے جاری کیا گیا۔ حکومت خوداختیاری صفحہ ۶۳ میں ہے۔

"بہرحال ملک کے لوگوں کی ایک کثیر جماعت ادنی نوکریوں کی تلاش میں حیران و سرگرداں پھرتی رہتی ہے اور جن لوگوں کو ملازمتیں مل جاتی ہیں وہ دفتروں میں پہنچ کر دوسرے فرقہ والوں کو تنگ کرتے ہیں آگے بڑھنے میں مزاحمتیں پیدا کرتے ہیں جن کی تفصیلات میں اخبارات کے کالم پر ہوتے ہیں اور ان مضامین سے جو سمیت پیدا ہوتی ہے وہ تمام ملک میں پھیل کر مختلف فرقوں میں رنجشیں پیدا کرتی ہے اور انہیں ملک کے اہم امور میں متحد ہونے نہیں دیتی جس سے رجعت پسند جماعت کا منشاء پورا ہوتا ہے اور ناظرین کو یہ معلوم ہو کر تعجب ہو گا کہ یہ تمام فضیحتے ہندوستان کی ایک نہایت قلیل تعداد سے متعلق ہیں کیونکہ ہر قسم کے ملازمت پیشہ لوگوں کی تعداد اس میں صرف ۷ فیصدی یعنی ایک فیصدی سے بھی کم ہے۔ (اگرچہ اس زمانہ میں کچھ بڑھ کر ۱.۳ فیصد تک پہنچ گئی ہے اور اگر ٹاؤن ایریاؤں کے ممبروں سے لے کر اسمبلی کے ممبروں تک کی تعداد کو بھی اس میں شامل کر لیا جائے تو فیصدی ڈیڑھ یا دو سے زیادہ نہیں ہوتی) اس قدر قلیل التعداد لوگوں کے باہمی اختلافات کا اثر ہندوستان کے دوسرے نفع بخش پیشوں پر بھی پڑتا ہے جن میں ملک کی آبادی کا زیادہ حصہ مصروف ہے اور اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ ملک کی

عام ہوا مکدر ہونے کی ابتدا ملازمتوں اور دفاتر سے ہوئی جو تعلیمیافتہ اور خواندہ لوگوں کے ذریعہ ہر شعبہء زندگی تک پہنچ گئی۔"

چونکہ انگریزی حکومت نے اپنے اقتدار حاصل کرنے کے وقت ہی سے ہندوستان کے باشندوں کے ذرائع آمدنی کو مثلاً" صنعت و تجارت کو (جو کہ ہندوستان میں بہت بڑے پیمانہ پر تھیں) اور بڑی بڑی تنخواہ والی ملازمتوں کو اور اگر تمام کثیر المنفعت صیغوں اور شعبوں کو اپنے قبضہ میں کر کے ہندوستانیوں پر ان کے دروازے بند کر دیئے (جیسا کہ مسٹر اینڈریو سٹیم نے سیمور کمیٹی کے سامنے شہادت دیتے ہوئے اور دوسرے مشہور انگریزوں نے دوسرے موقعوں پر اس کا اقرار کیا ہے) لہٰذا مجبور ہندوستانی زراعت یا ملازمت کی طرف جھک گئے۔ پھر زراعت پر لگان اور مال گزاری کا اس قدر بوجھ ڈالا گیا کہ حسب ضرورت نفع حاصل کر کے خاندان والوں کی پرورش کرنا نہایت مشکل ہو گیا اور سلسلہء ملازمت میں وہ تمام عہدے جو بآسانی انگریز قبول کر سکتا تھا صرف یورپ والوں کے لئے مخصوص کر دئے گئے لہٰذا یہ میدان بھی محدود سے محدود تر اور تنگ سے تنگ تر ہو گیا صرف نیچے کے عہدے اور تھوڑی تنخواہ والی ملازمتیں ہندوستانیوں کے پلہ پڑیں اور پھر نرخوں کی گرانی نے ان تھوڑی تنخواہوں کو اور بھی ناکافی کر دیا بہرحال اس تہ بتہ بدحالی نے بھوکے ہندوستانیوں کو باہمی آویزش آپس کی رقابت حسد اور عداوت پر مجبور کر دیا تمام اعلیٰ قابلیتیں اور بہترین اخلاق فاقہ مستی کی نظر ہو گئے۔ دانستہ یا نادانستہ کمزور اخلاق، پست ہمتی، بزدلی اور نہایت ذلیل کیرکٹر ان کا شیوہ ہو گیا پردیسی آقاؤں کی خوشامد، چاپلوسی، دین و دنیا کی ہر ایک متاع کو ان کی خوشنودی پر قربان کر دینا، مصالح ملک و ملت کو ان کے قدموں پر بھینٹ چڑھا دینا ان کا چارہ کار اور ان کی پریشانیوں کا ایک دربان بن گیا جس سے برطانوی سامراجی مفاد روز افزوں ترقی پذیر ہو گیا ملک کی بربادی اور غلامی کی زنجیریں مضبوط ہو گئیں افلاس اور قحط انتہا درجہ کو پہنچ گیا آپس کے نفاق نے وہ ترقی کی کہ اس کی نظیر ہندوستان میں کسی زمانہ میں نہیں ملتی۔

(ب)۔ مسلمان اپنی حکومت کے زمانہ میں ذہنی، دماغی، عملی، اور سیاسی غرض ہر قسم کی قابلیت میں ہندوستان کی دوسری قوموں سے فائق تھے حتیٰ کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے دور حکومت میں بھی ان کی قابلیت سب سے فائق تسلیم کی جاتی تھی چنانچہ مسٹر ہنری ہیرنگٹن طامس جو کہ بنگال سروس کا پنشنر تھا اپنے رسالہ "بغاوت ہند" اور

"ہماری آئندہ پالیسی" کے صفحہ ۱۳ تا ۱۷ میں حسب ذیل لکھتا ہے۔
"عزم، تعلیم اور ذہنی صلاحیت کے اعتبار سے مسلمان ہندوؤں سے کہیں زیادہ فائق ہیں اور نسبتاً" ہندو ان کے سامنے طفل مکتب معلوم ہوتے ہیں علاوہ اس کے مسلمانوں میں کارگزاری کی اہلیت زیادہ ہوتی ہے جس کی وجہ سے سرکاری ملازمتیں زیادہ تر انہیں کو ملتی ہیں اس طرح ان کو سرکاری کاموں اور ملکی مصالح سے واقفیت کا موقع ملا اور ان کی رائے کو وقعت حاصل ہو گئی۔"

ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر ایل ایل ڈی آئی سی ایس بنگال اپنی کتاب "ہمارے ہندوستانی مسلمان" میں کہتا ہے۔
"حقیقت یہ ہے کہ جب یہ ملک ہمارے قبضہ میں آیا تو مسلمان ہی سب سے اعلیٰ قوم تھی وہ دل کی مضبوطی اور بازوؤں کی توانائی ہی میں برتر نہ تھی بلکہ سیاسیات اور حکمت عملی کے علم میں بھی سب سے افضل تھے لیکن اس کے باوجود مسلمانوں پر حکومت کی ملازمتوں کا دروازہ بند ہے غیر سرکاری ذرائع زندگی میں بھی انہیں کوئی نمایاں جگہ حاصل نہیں۔"
(ترجمہ ڈاکٹر صادق حسین صفحہ ۲۳۷)

صفحہ ۲۳۶ میں کہتا ہے۔
"ایک صدی قبل حکومت کے تمام ذمہ دار عہدوں پر مسلمانوں کا مکمل قبضہ تھا ہندو محض شکریہ کے ساتھ ان چند ٹکڑوں کو قبول کر لیتے جو ان کے سابق فاتح اپنے دسترخوان سے ان کی طرف پھینک دیتے تھے اور انگریزوں کی حیثیت چند ایک گماشتوں اور کلرکوں کی تھی.............. تمام نظام حکومت میں اس قوم کا تناسب جو آج سے ایک صدی پہلے ساری حکومت کی اجارہ دار تھی کم ہوتے ہوتے ایک اور تئیس رہ گیا ہے اور وہ بھی ان گزیٹڈ ملازمتوں میں ہے جہاں تناسب کا خاص طور پر خیال رکھا جاتا ہے پریذیڈنسی، شہر کے دفتر معمولی ملازمتوں میں مسلمانوں کا حصہ تقریباً" معدوم ہو چکا ہے ابھی پچھلے دنوں ایک بہت بڑے محکمہ کے متعلق معلوم ہوا کہ وہاں ایک شخص بھی ایسا نہیں جو مسلمانوں کی زبان پڑھ سکے دراصل کلکتہ کے سرکاری دفتر میں مسلمان اب اس سے بڑھ کر امید بھی

نہیں رکھ سکتے کہ قلی اور چپراسی دواتوں میں سیاہی ڈالنے والا یا قلموں کو ٹھیک کرنے والا کے سوائے کوئی اور ملازمت حاصل کر سکیں کیا ہندو ہمیشہ مسلمانوں سے بہتر ثابت ہوتے ہیں کیا ان کو صرف ایک ایسے غیر جانبدار ماحول کی تلاش تھی جس میں رہ کر مسلمانوں کو اس دوڑ میں پیچھے چھوڑ جائیں کیا مسلمانوں کے پاس سرکاری ملازمتوں کے علاوہ اپنی زندگی کو بہتر بنانے کے لئے دوسرے ذرائع بکثرت موجود ہیں اس لئے وہ سرکاری ملازمتوں سے بے اعتنائی برتتے اور ہندوؤں کے لئے اس میدان کو کھلا چھوڑ دیتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ انگریزوں نے مسلمانوں کو تمام عہدوں سے آہستہ آہستہ نکالا اور یہی پالیسی ہر قسم کے شعبہ ہائے حکومت میں جاری کی اور انگریزوں اور ہندوؤں کو اس قدر بھرا کہ تقریباً" مسلمانوں کا نام و نشان عہدہ ہائے حکومت سے مٹا دیا۔ سر ولیم ہنٹر کہتا ہے

"مسلمان ۱۸۷۱ء تک سلطنت کی طرف سے دبائے گئے اور ان پر ہندوؤں کو غالب کیا گیا۔"

لارڈ النبرا گورنر جنرل ہند اپنی ایک چٹھی ۱۸۴۳ء میں ڈیوک آف ولنگٹن کو لکھتے ہوئے مندرجہ ذیل الفاظ لکھتا ہے۔

"میں اس عقیدہ سے چشم پوشی نہیں کر سکتا کہ مسلمانوں کی قوم اصولاً" ہماری دشمن ہے۔ اس لئے ہماری حقیقی پالیسی یہ ہے کہ ہم ہندوؤں کی رضا جوئی کرتے رہیں۔"

(ان ہبی انڈیا صفحہ ۳۹۹ حکومت خوداختیاری صفحہ ۵۴)

لارڈ میکالے کہتا ہے:۔

"کلایو کسی مسلمان کو بنگال کے محکمہ انتظامی کا سردار بنانے کے بہت خلاف تھا۔"

(روشن مستقبل صفحہ ۱۴۳)

انگریزوں کی مسلمانوں سے دشمنی کی یہ پالیسی ملازمتوں اور دیگر ذرائع آمدنی میں برابر جاری رہی۔ تاآنکہ وہ تقریباً" فنا کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ ڈبلیو ہنٹر کہتا ہے۔

"لیکن اب یہ حال ہے کہ سرکاری ملازمتوں سے کہیں زیادہ سختی کے ساتھ

مسلمانوں پر قانون کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے بنگال میں ہر مجسٹی کے ہائیکورٹ جوڈیکچر میں دو ہندو جج ہیں اور مسلمان ایک بھی نہیں ہے اس زمانہ میں اینگلو انڈین اور ہندو اس بات کا گمان بھی نہیں کر سکتے کہ ہائی کورٹ کے جج کبھی اس قوم میں سے مقرر کئے جائیں گے جو تمام عدالتی محکموں پر قابض تھی۔ پچھلی دفعہ جب میں نے ۱۸۶۹ء میں اعداد و شمار جمع کئے تھے تو ان کا تناسب حسب ذیل تھا۔

نام عہدہ	انگریز	ہندو	مسلمان
سرکاری و قانونی افسر	۴	۲	۰
ہائی کورٹ کے وہ ملازمین جو ایسے بڑے عہدیدار تھے کہ ان کا نام شائع کیا جائے	۱۴	۷	۰
بیرسٹر	۰	۳	۰

اسی طرح مصنف مذکورہ نے وکلاء اور دوسرے ملازمین مسلمانوں کے ساتھ بے انصافی اور ان کو روند کر فنا کر دینے کے اعمال دکھلائے ہیں جن کو دیکھ کر دل پارہ پارہ ہو جاتا ہے۔ صفحہ ۲۴۲ میں لکھتا ہے۔

"مسلمان بنگال کے پرائیویٹ خطوط اور اخباری مضامین سے زیادہ کوئی شے قابل رحم میری نظر سے نہیں گزری۔ کچھ مدت ہوئی کلکتہ کے ایک فارسی اخبار (دوربیں جولائی ۱۸۶۹ء) نے لکھا تھا کہ "آہستہ آہستہ مسلمانوں سے ہر قسم کی ملازمت خواہ وہ چھوٹی ہو یا بڑی چھینی جا رہی ہے اور دوسری قوموں کو دی جا رہی ہے خصوصاً ہندوؤں کو۔ حکومت اپنی رعایا کو برابر سمجھنے پر مجبور ہے۔ لیکن وقت ایسا آگیا ہے کہ وہ اپنے گزٹ میں اس بات کا خاص طور پر اعلان کرتی ہے کہ مسلمانوں کو سرکاری نوکری نہیں دی جائے گی۔ ابھی ابھی سندربن کے کمشنر کے دفتر میں چند اسامیاں خالی ہوئی تھیں۔ اس افسر نے سرکاری گزٹ میں اشتہار دیتے ہوئے صاف صاف لکھ دیا تھا کہ یہ ملازمتیں سوائے ہندوؤں کے اور کسی کو نہیں ملیں گی۔"

پھر مصنف مذکور (ڈبلیو ہنٹر) نے مسلمانان اڑیسہ کی اس درخواست کی نقل پیش کی ہے جو انہوں نے کمشنر کو لکھی تھی۔ مندرجہ ذیل الفاظ ملاحظہ ہوں۔

"ہز مجسٹی ملکۂ معظمہ کی وفادار رعایا ہونے کی حیثیت سے ہم یقین رکھتے ہیں کہ سرکاری ملازمتوں میں ہمارا بھی مساویانہ حق ہے۔ اگر سچ پوچھئے تو اڑیسہ کے مسلمانوں کو روزمرہ تباہ کیا جا رہا ہے اور ان کے سربلند ہونے کی کوئی امید نہیں۔ مسلمان اعلیٰ خاندانوں سے تعلق رکھتے ہیں لیکن اب بالکل نادار ہیں اور ہمارا کوئی بھی پرسان حال نہیں۔ اب ہماری حالت ماہی بے آب کی طرح ہو رہی ہے مسلمانوں کی اس ابتر حالت کو ہم جناب عالی کے حضور میں پیش کرنے کی جرأت کر رہے ہیں۔ اس یقین کے ساتھ کہ جناب عالی ہی اڑیسہ کے ڈویژن میں ہز مجسٹی ملکۂ معظمہ کے واحد نمائندہ ہیں ہمیں امید ہے کہ نسل و رنگ کے امتیاز سے بالا ہو کر ہر قوم کے ساتھ یکساں سلوک کیا جائے گا اپنی سابقہ سرکاری ملازمتوں کے چھن جانے سے ہم اس قدر مایوس ہو چکے ہیں کہ صمیم قلب سے دنیا کے دور دراز گوشوں کا رخ کرنے کے لئے تیار ہیں۔ ہم ہمالیہ کی برفانی چوٹیوں پر چڑھنے کے لئے مستعد ہیں ہم سائبیریا کے بے آب و گیاہ حصوں میں مارے مارے پھرنے کے لئے آمادہ ہیں۔ بشرطیکہ ہمیں یقین دلا دیا جائے کہ ایسا کرنے سے ہمیں دس شلنگ (۲ر۱ر۷ روپیہ) ہفتہ کی ملازمت سے سرفراز فرمایا جائے گا۔"

ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر مصنف مذکور الصدر اس کے بعد کہتا ہے کہ:۔

"آخر اس کی وجہ کیا ہے کہ مسلمانوں پر اس طرح سرکاری ملازمتوں اور تسلیم شدہ پیشوں کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے بنگال کے مسلمانوں میں ذہانت کی کمی نہیں اور غربت کی خلش ان کو اس بات پر ہر وقت اکساتی رہتی ہے کہ وہ اپنی زندگی کو بہتر بنانے کے لئے کچھ نہ کچھ ضرور کریں۔"

صفحہ ۲۴۶ میں لکھتا ہے۔

"انگریزوں کے ہندوستان پر قابض ہونے سے پہلے وہ ملک کی سیاسی ہی نہیں بلکہ دماغی قوت بھی تسلیم کئے جاتے تھے۔ پھر اس ہندوستانی مدبر کے الفاظ میں جو ان سے بخوبی واقف تھا کہ ان کا تعلیمی نظام اگرچہ اس نظام تعلیم کے مقابلہ میں کم درجہ پر ہے جسے ہم نے رائج کیا ہے لیکن پھر بھی اس کو حقارت کی نظر سے دیکھنا غلطی ہے کیونکہ وہ اعلیٰ سے اعلیٰ دماغی

تعلیم و تربیت کا اہل تھا اس کی بنیادیں بالکل ہی ناقص اصولوں پر نہ تھیں گو ان کے پڑھانے کا طریقہ بہت پرانا تھا۔ لیکن یقینی طور پر وہ ہر اس طریقہ سے برتر تھا جو اس وقت ہندوستان میں رائج تھا۔ مسلمان اس طریقہء تعلیم سے اعلیٰ قابلیت اور دنیاوی برتری حاصل کرتے تھے۔ اور صرف یہی ایک واسطہ تھا جس کے ذریعہ ہندو اپنے ملک کی حکومت میں کم سے کم حصہ لینے کی صلاحیت پیدا کر سکتے تھے (مسٹر اے سی بے کلے سی ایس آئی) ہم اپنے دور حکومت کے پچھلے پچھتر سالوں میں انتظام ملک کی خاطر اسی طریقہء تعلیم سے متواتر فائدہ اٹھاتے رہے گو اس دوران میں ہم نے اپنا طریقہء تعلیم بھی رائج کرنا شروع کر دیا تھا پھر جوں ہی ایک نسل اس نئے طریقہ کے ماتحت پیدا ہو گئی۔ ہم نے مسلمانوں کے پرانے طریقہ کو خیرباد کہہ دیا جس سے مسلمان نوجوانوں پر ہر قسم کی سرکاری ملازمت کا دروازہ بند ہو گیا۔"

صفحہ ۲۱۲ پر لکھتا ہے کہ :۔

"لیکن اس میں شک نہیں کہ بڑے افسروں سے لے کر چھوٹے افسروں تک (موجودہ وائسرائے سے زیادہ کسی نے بھی مسلمانوں کے ساتھ ناانصافیوں پر زیادہ غور نہیں کیا۔) ہر شخص کو یقین ہو گیا ہے کہ ہم نے ملکہ کی مسلمان رعایا کے حقوق پورے نہیں کئے اور ہندوستان کی آبادی کا ایک بہت بڑا حصہ جس کی تعداد تین کروڑ کے لگ بھگ ہے اپنے آپ کو برطانوی حکومت کے ماتحت تباہ و برباد دیکھ رہا ہے اس کو شکایت ہے جو لوگ کل تک اس ملک کے فاتح اور حکمران تھے۔ آج نان جویں کے روکھے سوکھے ٹکڑوں کو بھی ترس رہے ہیں اس کے جواب میں یہ کہنا کہ یہ سب کچھ نتیجہ ہے ان کے اپنے انحطاط کا عذر گناہ بدتر ازگناہ کا مصداق ہو گا۔ کیونکہ ان کا انحطاط بھی تو ہماری ہی سیاسی غفلت اور لاپروائی سے مترتب ہوا۔ جب تک اس ملک کی عنان حکومت ہمارے ہاتھ نہیں آئی تھی تب بھی مسلمانوں کا یہی مذہب تھا۔ وہ ایسا ہی کھانا کھاتے اور جملہ ضروریات زندگی میں ویسا ہی طرز بود و ماند رکھتے تھے جیسا کہ اس زمانہ میں، وہ اب بھی وقتاً" فوقتاً" اپنے احساسِ قومیت اور جنگی

اولوالعزمیوں کا مظاہرہ کرتے رہتے ہیں۔ باین ہمہ یہ وہ قوم ہے جسے برطانوی حکومت کی ماتحت تباہ و برباد کر دیا گیا ہے۔"

صفحہ ۲۱۴ پر لکھتا ہے :۔

"انہیں یہ رنج نہیں کہ حکومت کی نوازشوں سے حسب دستور سابق انہیں کوئی حصہ نہیں ملتا بلکہ یہ کہ وہ اس سے بتدریج خارج کئے جا رہے ہیں وہ اس بات کا گلہ نہیں کرتے کہ اب، زندگی کی دوڑ میں انہیں ہندوؤں کا مقابلہ درپیش ہے۔ انہیں گلہ ہے تو یہ کہ اور کہیں نہیں تو کم از کم بنگال میں عرصہء حیات تنگ ہو چکا ہے۔ مختصرا" یوں کہئے کہ یہ وہ قوم ہے جس کی روایات بہت شاندار ہیں مگر جس کا اس کے باوجود کوئی مستقبل نہیں۔ اگر اس قوم کی تعداد تین کروڑ ہے تو یہ محض اس قوم کے لئے ہی نہیں بلکہ اس کے حاکموں کے لئے بھی ایک بہت ہی اہم سوال ہے۔"

ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر موصوف جنوبی بنگال کے مسلمانوں کے اعلیٰ خاندانوں کی دلخراش بربادی اور افلاس میں انگریزوں کے مبتلا کر دینے کے مفصل احوال لکھ کر صفحہ ۲۲۰ میں مندرجہ ذیل عبارت لکھتا ہے۔

"میں نے بنگال کے مسلمان نوابوں اور کاشتکاروں کے حالات ذرا وضاحت سے بیان کئے ہیں تاکہ انگریزوں کے سامنے ان لوگوں کا نقشہ کھینچ دوں جن کی شکایات کا بیان اس باب میں کیا جائے گا۔ میں یہ بتلا دوں کہ میرے بیانات کا تعلق جنوبی بنگال سے ہے کیونکہ یہ وہ صوبہ ہے جسے میں اچھی طرح جانتا ہوں اور جہاں تک مجھے علم ہے مسلمانوں نے برطانوی حکومت کے ماتحت سب سے زیادہ یہیں نقصان اٹھایا ہے پھر اگر میں دوسروں کو یہ یقین دلاؤں اور خود میرا بھی خیال ہو کہ یہ بیانات تمام مسلمانان ہند پر راست آتے ہیں تو مجھے اس پر معاف فرمایا جائے۔"

صفحہ ۲۴۱ میں لکھتا ہے :۔

"آج سے ڈیڑھ سو سال پہلے بنگال کے خاندانی مسلمانوں کے لئے ناممکن تھا کہ وہ غریب ہوں لیکن آج کل یہ ناممکن ہے کہ وہ بدستور امیر رہیں۔ !"

الغرض برطانوی پالیسی ہمیشہ سے اسلام دشمنی اور مسلمانوں کو ہر طرح کمزور اور

نادار بنانے کی رہی ہے اور بالخصوص ملازمتوں اور دفتروں سے ان کو ہر طرح نکالا گیا ہے ابتداء میں وہ ہر صیغہ ملازمت میں اور ہر دفتر میں چھائے ہوئے تھے مگر اس مسلم کش پالیسی کی بناء پر ان کو فوجی' مالی' قانونی' تعلیمی اور دیگر جملہ صیغوں سے آہستہ آہستہ نکالا گیا۔ حتیٰ کہ ۱۸۷۱ء تک تمام اعلیٰ عہدوں سے وہ تقریباً" صفر رہ گئے اور ادنی عہدوں میں بھی برائے نام ان کا وجود رہا۔ اس کے بعد صرف زبانی جمع خرچ سے ان کی اشک شوئی کی جانے لگی اور بمنزلہ نمک ان کو کہیں کچھ عہدے دئے گئے مگر کیا فائدہ جبکہ مسلمانوں کو ہر طرح فنا کے گھاٹ اتار دیا گیا اور دوسری اقوام ہندوؤں عیسائیوں اینگلوانڈین کو تقریباً" ایک صدی تک ابھارا جا چکا۔ وہ زمینیں جو تعلیمگاہوں کے لئے وقف تھیں اور جن کی مقدار تمام صوبہ کی چوتھائی کے قریب تھی وہ سب ضبط کر لی گئیں۔ آفسوس کے دروازے علانیہ طور پر اعلانات کے ذریعہ سے بند ہو گئے بیکاری اور غربت و افلاس کی وجہ سے استعدادیں فنا ہو گئیں غرض جبکہ مسلمان ہر طرح پس چکے تو زبانی جمع خرچ یا بالفرض واقعی ہمدردی سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے ان معاملات پر پوری طرح ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر نے اپنی کتاب ہمارے ہندوستانی مسلمان کے باب چہارم صفحہ ۲۰۴ سے ۲۹۴ تک روشنی ڈالی ہے۔ بخوف طوالت ہم زیادہ نہیں لکھتے۔ یہی معاملہ پنجاب اور دوسرے صوبوں میں جاری کیا گیا (دیکھو روشن مستقبل فصل چہارم سرکاری تعلیم اور ملازمت میں مسلمانوں کی پسماندگی صفحہ ۱۴۴ ایڈیشن ۴)

ہم نے اس باب میں قدرے تفصیل اس وجہ سے کی ہے کہ عموماً" مسلمان ملازمتوں کے جھگڑوں اور حق تلفیوں وغیرہ کا ہندوؤں ہی کا قصور اور ان کی تنگدلی اور تعصب قرار دیتے ہیں اور حقیقت الامر کی طرف آنکھ نہیں اٹھاتے حالانکہ پہلے بھی اور آج بھی یہ سب انگریزوں اور ان کی ملعون پالیسی کا کیا ہوا ہے حقیقت میں وہی مسلمانوں کے ہر طرح برباد کرنے والے ہیں اور ہر شعبۂ زندگی میں ہندوؤں کو مسلمانوں پر تفوق دینے اور ان سے مسلمانوں کو کچلوانے والے ہیں۔ انہیں دفاتر میں اینگلو انڈین اور ہندوستانی عیسائی بھی ہیں مگر ان کو کوئی ہندو ملازم خواہ کتنا ہی بڑا عہدہ کیوں نہ رکھتا ہو کسی طرح تنگ نہیں کر سکتا۔ اور نہ پیچھے ہٹا سکتا ہے۔ اس سے ہمارا مطلب یہ نہیں ہے کہ موجودہ کشمکش اور آزاد واقعات میں برادران وطن کی تنگدلیوں اور ان کے متعصبانہ منحوس جذبات کا کوئی دخل نہیں ہے یقیناً" ہے مگر

وہ اس میں بمنزلہء آلات اور ہتھیار ہیں۔ حقیقت میں تصور ارباب عقل کے ہاں تلوار چلانے والے کا ہے تلوار کا نہیں ہے بلکہ ہمارا مطلب یہ ہے کہ اس قسم کی حق تلفیاں پاکستان سے دور نہیں ہو سکتیں۔ ہر دو حلقہ ہائے پاکستان میں غیر مسلم اقلیت اس قدر موثر اور قوی ہے کہ وہ اپنا فطری اور انسانی حق ہی نہیں بلکہ اس سے بدرجہا زائد حاصل کر سکے گی جیسا کہ بنگال میں مشاہدہ ہے کہ یورپین گروپ اور اینگلو انڈینس اور عیسائیوں نے اپنے حق سے پچیس گنا زائد حاصل کر رکھا ہے اور اکتیس سے زائد سیٹیں حاصل کر رکھی ہیں حالانکہ آبادی میں وہ ایک فیصدی بھی نہیں ہیں۔ پنجاب میں سکھ آبادی کی حیثیت سے ۱۱ فیصدی ہیں مگر حق رائے دہندگی ۲۴ فیصدی اور نشستیں ۳۰ فیصدی ہیں جو کہ باعتبار اوسط ہندوؤں سے بدرجہا زیادہ ہے۔ ہندوؤں کی آبادی ۳۳ فیصدی ہے مگر حق رائے دہندگی ۳۲ اور نشستیں ۳۰ فیصدی رکھتے ہیں۔ ڈسٹرکٹ بورڈوں میں باعتبار آبادی اور رائے دہی ۱۴۱ کے مستحق تھے مگر ان کو (۱۸۶) حاصل ہوا۔

بہرحال پاکستان قائم ہو جانے کے بعد وہ اپنی موثرہ اور زوردار حالت کی بنا پر اپنی آبادی سے زیادہ سیٹیں لیجسلیچر میں' ملازمتوں میں اور دیگر صنعتوں میں ضرور حاصل کر لیں گے اور اگر بالفرض یہ چیزیں تناسب آبادی کی ہی حیثیت سے دی گئیں تو موجودہ احوال سے صرف پانچ یا چھ فیصدی کی زیادتی ہو گی مگر اس کے برعکس اقلیت والے صوبوں کو انتہائی تکالیف کا سامنا ہو جائے گا۔ ان کا ویج جاتا رہے گا۔ ان کو جو چیزیں تناسب آبادی سے زیادہ ملی ہوئی ہیں وہ سب چھن جائیں گی۔ ان کی اقلیت اس قدر کمزور اور قلیل التعداد ہے کہ کسی چیز کو منوانے کی طاقت نہ رکھے گی اور نہ کچھ حاصل کرے گی۔

(ج)۔ مسٹر جناح اور زعماء لیگ پاکستان میں مسلمانوں کو اعلیٰ عہدے اور بالائی اختیارات ہرگز نہ دیں گے۔ کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ مسلمان نااہل ہیں حکومت نااہلوں کو ہرگز نہ ملنی چاہئے۔ ڈان کہتا ہے۔ "مذہبی حکومت کے پیشرو مسلمان ہوں گے اور وہ قابل نہیں ہیں۔"

(مدینہ ۲۱ نومبر ۱۹۴۴ء بحوالہء ایمان)

۵ ستمبر ۱۹۳۱ء کو ایک ایٹ ہوم کے سلسلہ میں تقریر کرتے ہوئے مسٹر جناح نے فرمایا۔

"حکومت ایسی چیز نہیں ہے کہ ہر کس و ناکس کے سپرد کر دی جائے۔ حکومت کو پہلے سے چند ضروری امور کے متعلق غور کر لینا چاہئے مثلاً" انسان اتنے متمدن ہو جائیں اور اس محبت اور پیار سے رہنے سہنے لگیں کہ انتہائی مشکلات اور نہایت برے حالات کے وقت میں بھی درپیش مسائل کو خود حل کرنے کی اہلیت رکھتے ہوں۔"

(مدینہ بجنور ۹ ستمبر ۱۹۳۱ء جلد ۲۰ نمبر ۶۴ صفحہ ۶)

اور اسی بناء پر انہوں نے اکثریت والے صوبوں کو ۱۹۱۶ء میں آبادی کے تناسب سے سیٹیں نہیں دیں بلکہ دونوں صوبوں میں سیٹیں گھٹا دیں اور ۱۹۲۰ء میں جب کہ گورنمنٹ نے حسب ذیل آبادی سیٹیں دینی چاہیں تو پر زور طریقہ پر گورنمنٹ سے اسی کمی کو منوایا۔ چنانچہ مسٹر جناح ۱۹۲۵ء میں دہلی میں تقریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"میثاق لکھنؤ کس طرح وجود میں آیا۔ پنجاب اور بنگال میں مسلمان اکثریت میں تھے۔ بنگال میں ۵۶ فیصدی تھے اور پنجاب میں ۵۴ فیصدی مسلمانوں کی عام پستی دیکھ کر یہ دلیل بیان کی جاتی تھی کہ اگر مسلمانوں کو آبادی کے تناسب سے حکومت میں حصہ دیا گیا۔ تو ایسا ہی ہے جیسے کہ اس کو اس کی جہالت اور نااہلیت پر انعام دیا جائے۔"

پھر فرماتے ہیں کہ "جب یہ طے ہو گیا کہ نااہلیت پر انعام نہ دیا جائے تو اس پر معاملہ طے ہو گیا کہ پنجاب کے مسلمانوں کو ۵۰ فیصدی اور بنگال کے مسلمانوں کو ۴۰ فیصدی نشستیں دی جائیں جب پارلیمنٹ میں ریفارم بل پر بحث ہوئی تو گورنمنٹ آف انڈیا نے بنگال کی نشستوں کے بارے میں میثاق لکھنؤ کی مخالفت میں ایک تحریر بھیجی کیونکہ اس میثاق کی رو سے بنگال کی ۵۶ فیصدی آبادی کو صرف ۴۰ نشستیں ملی تھیں۔ لیکن ہندو اور مسلمان قابل تعریف طریقہ پر میثاق لکھنؤ پر اڑے رہے اور جوائنٹ پارلیمنٹری کمیٹی نے بھی اس کی تصدیق کر دی۔"

(انڈین کوارٹرلی (سہ ماہی) رجسٹر ۱۹۲۵ء جلد ۱ صفحہ ۶۸)

جو خیال زعماء لیگ کا پہلے سے مسلمانوں کے متعلق تھا۔ آج بھی ان کا یہی عمل اور خیال ہے ڈان اخبار کے عملہ کے متعلق مندرجہ ذیل تفصیل ملاحظہ کیجئے۔

ڈان کا پاکستان

نام	عہدہ	مذہب	مشاہرہ
جوزف پوتھن	چیف ایڈیٹر	عیسائی	۱۲۵۰
پی ابراہیم	اسسٹنٹ ایڈیٹر	"	۴۵۰
مسٹر شرما	نیوز ایڈیٹر	ہندو	۲۰۰
مسٹر راؤ	سب ایڈیٹر	"	۱۵۰
مسٹر سلہری	"	قادیانی	۱۰۰
مسٹر بیگ		مسلمان	۱۰۰
مسٹر داسو	کارٹونسٹ	ہندو	۲۰۰
مسٹر جونز	سب ایڈیٹر	یہودی	۱۰۰
مسٹر شکلا	پی اے ایڈیٹر	ہندو	۹۰
مسٹر نیلکنٹھ	ٹائپسٹ	"	۸۰
مسٹر دوگل	نائب مہتمم اشتہارات	ہندو	۱۰۰
مسٹر ضیاء	کلرک	مسلمان	[illegible]
مسٹر محمود	جنرل مینجر	مسلمان	۱۰۰

ہیغہ اشتہارات کے جنرل مینجر محمد حسین زماں چونکہ مسلمان تھے۔ اس لئے ان کو علیحدگی پر مجبور کیا گیا۔ ماہواری خرچ ۳۲۹۰ ہے۔ اس میں سے مسلمانوں کو ۴۷۰ دیا جاتا ہے تیرہ ملازمین سے تین مسلمان ہیں۔ باقی غیر مسلم ہیں۔ ان کو ۲۸۲۰ دیا جاتا ہے۔"

(مدینہ بجنور مورخہ ۵ جولائی ۱۹۴۳ء)

اسی طرح لیگی وزارتوں نے سرحد، سندھ، آسام، بنگال وغیرہ میں بڑے بڑے ذمہ داری کے کام ہندوؤں بالخصوص مہا سبھائیوں کے سپرد کئے۔ مندرجہ ذیل بیان ملاحظہ فرمائیے جو کہ "سرحد کی لیگ وزارت" کے عنوان سے مدینہ بجنور ۹ اکتوبر ۱۹۴۵ء نمبر ۷۴ جلد ۴۳ میں شائع ہوا ہے۔

"پشاور ۴ اکتوبر۔ آغا مظفر شاہ نے ایک پبلک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے

فرمایا کہ سابقہ پاکستانی وزارت کی فضیلت یہ ہے کہ اس کے عہد حکومت میں کپڑے کا ٹھیکہ رائے بہادر چنارام کو دیا گیا پشاور کے کپڑے کا ٹھیکہ بابو حکم چند کھنہ کے حصہ میں آیا۔ گیہوں کا ٹھیکہ رائے صاحب اچرج لال کو ملا۔ پھلوں کا ٹھیکہ رائے صاحب امرناتھ مہرہ کو ملا۔ اسی طرح گڑ کی سپلائی بھی انہیں رائے صاحب کو اور چینی کا تمام معاملہ دھرم سنگھ رام سنگھ کے سپرد کیا گیا۔ ہندو دشمنی کے اعلان کے ساتھ ہندو پروری کی وجہ یہ تھی کہ وہ اندرونی نفع جو مطلوب تھا کسی مسلمان سے حاصل نہ ہو سکتا تھا۔"

مدینہ بجنور لیگ کے مشہور اخبار "خلافت" بمبئی کے ایک مختصر نوٹ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"معاصر خلافت بھی لیگ کے سرگرم حامیوں میں سے ہے۔ اس لئے اپنی سابقہ اشاعت میں مسلم لیگ سے سخت شکایت کی ہے کہ وہ ہندو سبھا جیسی مسلم کش اور معاند جماعت کے ساتھ تعاون کر رہی ہے معاصر مذکور رقم طراز ہے۔"

"ہمیں اس بات پر ہمیشہ تعجب رہا ہے کہ مسلم وزارتوں کے معاملہ میں مہاسبھائیوں کے ساتھ تعاون کیوں کر رہی ہے جبکہ یہ حقیقت آفتاب نصف النہار کی طرح روشن ہے کہ مہاسبھائی مسلمانوں کے بدترین قسم کے دشمن ہیں اور ان سے مسلمانوں کے لئے نقصان کے سوا کوئی فائدہ ہو ہی نہیں سکتا۔ وزارت سازی میں مسلم لیگ ان کے ساتھ تعاون کر کے اپنی آستین میں سانپ پال رہی ہے جو نہ معلوم کس وقت کاٹ لے۔ اسی طرح مسلم لیگ مہاسبھا کے اثر کو بھی بڑھا رہی ہے اور یہ صورت حال مسلمانوں کے لئے مفید نہیں ہو سکتی مسلم لیگ کا فرض ہے کہ وہ مہاسبھائیوں کے ساتھ جن کا راستہ ہمارے راستہ کے بالکل الٹا جاتا ہے کسی قیمت پر بھی تعاون نہ کرے۔ وزارتوں سے مسلم صوبوں اور مسلم سیاست کو تھوڑا سا فائدہ اور معمولی طاقت ضرور حاصل ہو سکتی ہے لیکن یہ فائدہ اور طاقت اتنی اہمیت نہیں رکھتی کہ اس کی وجہ سے دشمنوں کے ساتھ تعاون کیا جائے اور ان لوگوں کی امداد حاصل کی جائے جن کے اصول سے ہمارے اصول اسی طرح مختلف ہیں جس طرح دن سے رات مسلم لیگ کو اپنی پالیسی پر نظر ثانی کرنی چاہئے ہم اس حقیقت کو

ہرگز فراموش نہیں کر سکتے کہ وزارتیں ہرگز اس قدر ضروری اور مفید چیز نہیں کہ اُن کی وجہ سے مسلم مفاد کو ذرا سی بھی ٹھیس لگائی جائے حکومت سے اگر کوئی یہ توقع رکھے کہ وہ اس وجہ سے کہ ہم نے اس کے آڑے وقت میں وزارتیں بنا کر اس کا کام ہلکا کیا تھا ہمارے ساتھ کوئی رعایت کرے گی تو یہ کھلی سے تیل نکالنے اور ریگستان میں کنواں کھودنے کے مترادف ہو گا۔"

سطور بالا میں خلافت نے شکوہ اور فہمائش کا جو انداز اختیار کیا ہے وہ سرتاسر نیک فہمی اور خوش عقیدگی پر مبنی ہے وہ پوری درد مندی اور اخلاص کے ساتھ موجودہ روش بد کے نتائج بد کی طرف اشارے کر کے قائدین لیگ کو متنبہ کر رہا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس دردمندی کے مظاہرہ کے ساتھ حیرت و استعجاب کا جو اظہار کیا گیا ہے اس میں لیگ کے قائدین کے عمل و اعتقاد کی تکذیب و تغلیط کے ساتھ لیگ کے رہنمائے اعظم کی قیادت کی مذمت کے پہلو بھی پوری طرح نمایاں ہو گئے ہیں اور زبان و قلم نے عام لیگی مسلمانوں کے قلب کی بے ساختہ ترجمانی کر کے لیگ کے چہرہ کے خدوخال کو بڑی حد تک عریاں کر دیا ہے۔ اب سوال صرف یہ ہے کہ کیا مسلم لیگ کے قائدین کرام اس حسن ظن کے مستحق ہیں جو خلافت نے قائم کر رکھا ہے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص یہ باور کر سکتا ہے کہ ہندو مہاسبھا ملک کی سیاسی جماعتوں میں قابل وقعت جماعت ہے اور اس کا نصب العین و نظام العمل مسلمانوں کے ساتھ عناد و نفرت پر مبنی نہیں ہے تو بلاشبہ لیگ کے رہنماؤں کے متعلق بھی حسن ظن سے کام لیا جا سکتا ہے اور لیگ مہاسبھا کے "حیرت زا" اشتراک عمل کی کوئی نہ کوئی تاویل کی جا سکتی ہے۔ لیکن بحالات موجودہ جبکہ یہ حقیقت بالکل عالم آشکارا ہے کہ لیگ و مہاسبھا دونوں میں مقاصد کے لحاظ سے بعد المشرقین ہے اور مہاسبھا کا وظیفۂ حیات صرف یہ ہے کہ وہ ملک کے کونہ کونہ میں ہندو مسلم منافرت کی آگ مشتعل کرتی رہے تو لیگ کے صدر اور مہاسبھا کے پردھان کے ایسے "گٹھ جوڑ" کو جیسا آج کل نظر آرہا ہے کوئی باشعور انسان سبہ سے بالاتر نہیں سمجھ سکتا۔ بلکہ اگر ذرا گہری نظر سے دیکھا جائے تو یہ حقیقت صاف نظر آسکتی ہے کہ دونوں جماعتیں متضاد دعووں کے باوجود اقتدار کے سامنے بہم سجدہ ریز اسی لئے نظر آتی ہیں کہ ان کا باطن ایک ہے اور یہ تمام ہنگامہ و شور اور اختلاف و عناد کسی تیسری پارٹی کے مقاصد کو پورا کرنے کے لئے ہے۔ کیا خلافت "عالم حیرت

سے "عالم ہوش" میں آنے کی جرات کر سکتا ہے۔"

(مدینہ بجنور ۲۱ جولائی ۱۹۴۰ء جلد ۳۲ نمبر ۵۳ صفحہ ۲)

اس موقعہ پر مدینہ۔ مورخہ یکم اپریل ۴۰ء جلد ۲۹ نمبر ۲۳ صفحہ ۷ کی مندرجہ ذیل اطلاع بھی خاصی اہمیت رکھتی ہے۔

سندھ کے ہندوؤں نے مسلم لیگ سے ۲۱ مطالبے کئے تھے جس کو لیگ نے منظور کیا اور نتیجہ کے طور پر مسلم لیگ کی وزارت وجود میں آئی ہم ذیل میں چار مطالبے درج کرتے ہیں :۔

(الف) (مطالبہ نمبر ۲) مفصلات میں زائد پولیس کافی تعداد میں رکھی جائے چونکہ محکمہ پولیس میں ہندو کم ہیں اس لئے ایسا انتظام کیا جائے کہ اس محکمہ میں ان کی اقلیت کی نمائندگی چالیس فیصدی ہو۔

(ب) (مطالبہ نمبر ۱۳) اقلیت کے فرقوں کے جو افسر جوڈیشنل پولیس اور مالیات کے محکمہ میں ہیں انہیں مفصلات میں کثیر تعداد مقرر کیا جائے اور چالیس فیصدی جگہیں ان کے قبضہ میں ہوں۔ ضروری تبدیلیاں فوراً کی جائیں

(ج) (مطالبہ نمبر ۱۸) اقلیتوں کے تمام جائز مفادا کا تحفظ کیا جائے پبلک ملازمتوں میں اقلیتوں کی نمائندگی چالیس فیصدی ہو۔

(د) (مطالبہ نمبر ۲۱) لوکل جماعتوں، میونسپل بورڈ، ڈسٹرکٹ بورڈ وغیرہ میں مشترکہ انتخاب جاری کیا جائے۔"

(اخبار مدینہ مذکور الصدر)

مختصر یہ کہ ایک طرف اندرونی طور پر مختلف عناصر جو پوری طرح قوی اور منظم دوسری جانب برطانیہ کے سامراجی اغراض کا خوں خوار دیو۔ مزید برآں تحریک پاکستان کے ذریعہ سے لازمی اور فطری طور پر ہندو اور مسلمانوں کا دوامی نزاع اور منافرت، یہ وہ تمام چیزیں ہیں جن کی موجودگی میں پاکستان کو ایک انصاف پسند انسان کسی طرح بھی مفید نہیں سمجھ سکتا۔ سندھ اور بنگال میں وزارتوں کا عدم استقلال ایک نمایاں دلیل ہے۔ گذشتہ دور میں ان صوبوں کی وزارتوں میں آئے دن تبدیلیوں کا باعث کیا ہے۔

اس قسم کی وزارتوں کا نفرت انگیز پہلو یہ ہے کہ یہ ہندوؤں یا سرکاری گورنروں

کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنی رہیں گی۔ بنگال میں ہیبت ناک قحط، جس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ صوبہ سندھ میں حروں کا قتل عام، پنجاب میں بے پناہ فوجی بھرتی اور خاکساروں پر گولیوں کی بارش، لیگی وزارت کے مبارک دور میں ہوئی۔ کیا انگریزوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنے رہنے کا کوئی ثبوت اس سے نمایاں اور بھی ہو سکتا ہے۔

ان انسانیت سوز، رسواء عالم ہنگاموں کے وقت یہ وزارتیں مستعفی کیوں نہیں ہو گئیں مگر استعفاء تو درکنار ایک طرف یہ خونچکاں واقعات ظہور پذیر ہو رہے تھے اور دوسری جانب مسٹر جناح فخر و ناز کر رہے تھے کہ ہندوستان کے پانچ صوبوں میں لیگ کی وزارتیں قائم ہیں۔ اور ان تمام درندگیوں کو دیکھتے ہوئے یہ جاہ پسند انسان وزارت کے پامال ٹاٹ کا پیوند بنے ہوئے تھے۔

ضروری تنبیہہ

مُتّحدہ قومیّت کی توَضیح و تفَسیر

اس رسالہ میں بھی دو ایک جگہ متحدہ قومیت کا لفظ آیا ہے۔ عیب جو، ہنر پوش نگاہیں یقیناً" اس مضمون کی تمام خوبیوں کو نظر انداز کر کے متحدہ قومیت کو غلط معنی پہنائیں گی اور غلط پروپیگنڈہ کریں گی۔ لہٰذا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم متحدہ قومیت کے متعلق خود حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی کی تصریحات بھی اس موقع پر درج کر دیں۔

حضرت موصوف اپنی مشہور تصنیف متحدہ قومیت اور اسلام میں تحریر فرماتے ہیں

قومیّت مُتّحدہ کے مجوّزہ معنیٰ

ہماری مراد قومیت متحدہ سے اس جگہ وہی قومیت متحدہ ہے جس کی بناء رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلیہ وسلم نے اہل مدینہ میں ڈالی تھی۔ یعنی ہندوستان کے باشندہ خواہ کسی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں بحیثیت ہندوستانی اور متحد الوطن ہونے کے ایک قوم ہو جائیں اور اس پردیسی قوم سے جو کہ وطنی اور مشترک مفاد سے محروم کرتی ہوئی سب کو فنا کر رہی ہے جنگ کر کے اپنے حقوق حاصل کریں کوئی مذہب والا کسی دوسرے سے کسی مذہبی امر میں تعرض نہ کرے بلکہ ہندوستان میں بسنے والی تمام قومیں اپنے مذہبی اعتقادات، اخلاق، اعمال میں آزاد رہیں۔ اپنے مذہبی رسم و رواج، مذہبی اعمال و اخلاق پر آزادی کے ساتھ عمل پیرا رہیں اور جہاں تک ان کا مذہب اجازت دیتا ہو امن و امان قائم رکھتے ہوئے اپنی اپنی نشرو اشاعت بھی کرتے رہیں۔ اپنے اپنے پرسنل لا اور کلچر (تہذیب) کو محفوظ رکھیں نہ کوئی اقلیت کسی دوسری اقلیت یا اکثریت سے ان امور میں دست و گریباں ہو اور نہ اکثریت اس کی جدوجہد کرے کہ اقلیتوں کو اپنے اندر ہضم کر لے۔ (متحدہ قومیت مطبوعہ کمال پریس صفحہ ۵۳، ۵۲)

اس کے بعد جونپور کے سالانہ اجلاس کے خطبہء صدارت میں جمعیت علماء ہند کے صدر کی حیثیت سے حضرت مولانا نے تصریح فرما دی تھی کہ :۔

"ہم باشندگان ہندوستان بحیثیت ہندوستانی ہونے کے ایک اشتراک رکھتے ہیں جو کہ اختلاف مذاہب اور اختلاف تہذیب کے ساتھ ہر حال میں باقی رہتا ہے جس طرح ہماری صورتوں کے اختلاف، ذاتوں اور صنعتوں کے تبائن، رنگتوں اور قامتون کے افتراقات سے ہماری مشترکہ انسانیت میں فرق نہیں آتا۔ اسی طرح ہمارے مذہبی اور تہذیبی اختلافات ہمارے وطنی اشتراک میں خلل انداز نہیں ہیں۔ ہم سب وطنی حیثیت سے ہندوستانی ہیں اور وطنی منافع کے حصول اور مضرات کے ازالہ کا فکر اور اس کے لئے جدوجہد مسلمانون کا بھی اسی طرح فریضہ ہے جس طرح دوسری ملتوں اور غیر مسلم قوموں کا ------- اس کے لئے سب کو مل کر پوری طرح کوشش کرنی ازبس ضروری ہے اگر آگ لگنے کے وقت گاؤں کے تمام باشندے مل کر آگ نہ بجھائیں گے سیلاب آنے کے وقت گاؤں کے تمام بسنے والے بند نہ باندھیں گے تو تمام گاؤں برباد ہو جائے گا۔ اور سب ہی کے لئے زندگی وبال ہو جائے گی۔ اسی طرح ایک ملک کے باشندوں کا فرض ہے کہ خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان، سکھ ہوں یا پارسی کہ ملک پر جب کوئی عام مصیبت پڑ جائے تو مشترکہ قوت سے اس کے دور کرنے کی جدوجہد کریں اس اشتراک وطنی کے فرائض سب پر یکساں عائد ہوتے ہیں۔ مذاہب کے انقلاب سے اس میں کوئی رکاوٹ یا کمزوری نہیں ہوتی۔ ہر ایک اپنے مذہب پر پوری طرح قائم رہ کر ایسے فرائض انجام دے سکتا ہے یہی اشتراک میونسپل بورڈوں، ڈسٹرکٹ بورڈوں، کونسلوں اور اسمبلیوں میں پایا جاتا ہے اور مختلف المذاہب ممبر فرائض شہر یا ضلع یا صوبہ یا ملک کو انجام دیتے ہیں اور اس کو ضروری سمجھتے ہیں یہی معنی اس جگہ متحدہ قومیت کے ہیں۔ اس کے علاوہ دوسرے معانی جو لوگ سمجھ رہے ہیں وہ غلط اور ناجائز ہیں اس معنی کی بنا پر کانگرس نے فنڈامینٹل میں ہر مذہب اور ہر تہذیب اور ہر زبان و رسم و رواج کے تحفظ کا التزام کیا ہے۔ دھوکہ نہ کھانا چاہئے اور بیوقوفوں کی بات پر نہ جانا چاہئے اس

کے خلاف یورپین لوگ، قومیت متحدہ کے معنی جو مراد لیتے ہوں اور جو کانگریسی افراد انفرادی طور پر کانگریس کے فنڈامینٹل کے مفہوم کے خلاف معانی بیان کرتے ہوں۔ ان سے یقیناً" جمعیت العلماء بیزار ہے اور تبری کرنے والی ہے۔"

(خطبۂ صدارت جونپور)

ایک ضروری وضاحت

حضرت مدظلہ العالی نے اپنے تمام مشاغل اور روز و شب کے سفر اور دوروں کے طویل سلسلہ میں ۲۶ دسمبر ۴۵ء کے ۲ بجے شب تک ان صفحات کو قلمبند فرمایا۔ اس طوالت کے باوجود پاکستان کے مختلف گوشے تشنہ رہ گئے۔ مگر چونکہ ۲۷ دسمبر کو ۵ بجے ہوائی جہاز کے ذریعہ حضرت موصوف صوبہ آسام کے دورے کے لئے تشریف لے جا رہے تھے اور اس کے بعد مسلسل دوروں کا پروگرام تھا اور انتخابی مقاصد کے پیش نظر زیادہ تاخیر مناسب نہیں تھی۔ لہٰذا اس ناتمام مضمون پر ہی اکتفا کیا گیا اور اسی کو شائع کیا جا رہا ہے۔

بہرحال جن گوشوں پر روشنی پڑ سکی ہے وہ اپنی افادیت کے لحاظ سے مکمل ہیں۔ ہمیں توقع ہے کہ مسلمان اس انتخاب کی نزاکت اور اہمیت کو سامنے رکھتے ہوئے سنجیدگی کے ساتھ اس مضمون کا مطالعہ کریں گے اور ٹھنڈے دل سے غور فرما کر جمعیت علماء ہند کے فیصلہ کی تائید فرما دیں گے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر ایک صوبہ مکمل طور پر آزاد ہو۔ جملہ اختیارات صوبہ کو حاصل ہوں اور اپنی آزاد مرضی سے تمام صوبے ایک مرکز بنائیں۔ مرکز کو صرف وہی اختیارات دئے جائیں جن پر تمام صوبے متفق ہوں۔ باقی جملہ مصرفہ اختیارات صوبوں کے ہوں۔ ملاحظہ ہو جمعیت علماء ہند کا فیصلہ۔

محمد میاں عفی عنہ

مسلم لیگ کیا ہے؟

(ایک خط کا جواب)

مولوی محمد اسمٰعیل ناظم انجمن چشتیہ گوجر خاں ضلع راولپنڈی کا مکتوب

بخدمت جناب حضرت مولانا صاحب! دامت اظلالکم

اَلسَّلامُ عَلَیکُمْ وَرَحْمَۃُ اللہِ وَبَرَکَاتُہٗ۔

عرض آنکہ ہم گنہگار بفضل خدا علمائے دین بالخصوص حضرات دیوبند و فقراء کرام مقتدر کے خادم ہیں۔ حضور والا کی مقتدر ہستی ہمارے دلوں میں بہت ہی معزز و قابل احترام ہے۔ سخت مجبوری سے جناب کی خدمت میں یہ عریضہ پیش کیا جاتا ہے کہ فی زمانہ خلق خدا میں ایک شور و غوغا بپا ہو گیا ہے۔ کہ حضور والا (معاذاللہ) اہل ہنود سے مل گئے۔ استغفراللہ۔ معاذاللہ۔ نقل کفر کفرنباشد ہم گنہگار حیران ہیں۔ اس لئے چند معروضات پیش خدمت ہیں۔ للہ ہم گنہگاروں کی دستگیری کیجئے اور اپنے مافی الضمیر سے مطلع کیجئے۔ ممکن ہے کہ جناب کا مافی الضمیر ہمیں نہ پہنچا ہو۔ (یہی صحیح معلوم ہوتا ہے) یا کسی نے نہ پہنچایا ہو۔ یا پہنچا مگر ہم نے نہیں سمجھا۔ سو معروضات مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱)۔ مسلم لیگ کی تعریف حضور سمجھائیں۔

(۲)۔ مسلم لیگ کا کیا فائدہ ہے کہ عوام دھڑا دھڑ اس کو اچھا سمجھتے ہیں۔

(۳)۔ مسلم لیگ میں کیا نقصان ہے کہ حضور والا کی مقتدر ہستی اس کو اچھا نہیں سمجھتی اور مورد طعن عند المخلوق مشہور ہو رہی ہے۔

(۴)۔ کانگریس کا کیا مطلب ہے۔ یعنی کانگریس کسے کہتے ہیں۔

(۵)۔ کانگریس میں کیا فائدہ ہے۔ کہ حضور والا اس کو اچھا سمجھ رہے ہیں۔

ہم کو جناب کا مافی الضمیر نہیں پہنچا۔ اگر پہنچا تو یہ کہ معاذ اللہ حضور اہل ہنود سے مل گئے۔ قسمیہ بات ہے کہ یہ بات لکھتے ہوئے قلب شرمسار ہے کہ کیا بکواس

لکھ رہا ہوں۔ فقط سمجھنا مطلوب ہے۔ جناب کی مقتدر اور رحم کنندہ ہستی سے ہم امیدوار ہیں کہ حضور ہم بچوں کے سر پر دست شفقت رکھ کر میٹھے پیار سے سمجھائیں گے۔ ہم بہت حیران ہیں کہ یہ کیا اندھیر مچ گیا۔

(۶)۔ کانگریس میں کیا نقصان ہے کہ خلق خدا اس کو اچھا نہیں سمجھتی۔ یہ معروضات ہم نے اپنی عقل کے مطابق لکھے ہیں اگر حضور والا کے نزدیک کوئی اور مضمون دریں باب ضروری ہو۔ تو اس کی بھی رہنمائی فرمائیں۔ بشرطیکہ حضور کو تکلیف نہ ہو۔

نوٹ

ہم اپنی موٹی عقل کے مطابق یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ مسلم لیگ کی جماعت اور کانگریس کی جماعت یہ دو طاقتیں ہیں جو انگریزوں سے ملک ہندوستان کی آزادی چاہتے ہیں۔ جس سے اپنے ملک کو دنیوی فائدہ پہنچائیں اور اپنی رائے کے موافق قانون بنائیں۔ مگر حضور کی رائے مبارک اس کے خلاف ہے بلکہ حضور کی یہ رائے ہے کہ مسلم لیگ کے مقابلہ میں علمائے اسلام کی قوت ہو اور جماعت مسلم لیگ نہ ہو اور اس کے بدلہ جماعت علمائے اسلام اور کانگریس کی قوت سے آزادی ملے۔ کیونکہ علمائے اسلام قوانین شریعت سے واقف ہیں۔ سو جو قانون علمائے اسلام کے دماغ اور ہاتھوں سے بنے گا۔ وہ شرعی ہو گا۔ سو اس میں فائدہ اسلام ہے۔ اور مسلم لیگ کے رہنما شریعت سے بے خبر ہیں۔ سو ان کی قوانین ساختگی اسلامی نہیں ہو گی۔ لہٰذا مسلم لیگ کی جماعت شریعت کو مضر ہے اور جناب کی رائے مبارک میں اسلامی فائدہ ہے۔

یہ مضمون میرا اپنا خیال ہے۔ خدا جانے صحیح ہے۔ یا جناب کا کوئی دوسرا مضمون مراد ہو جو میرے مضمون سے ہزار درجہ اعلیٰ ہو۔

حضور کے پاس ہزاروں خط آتے ہوں گے۔ اکثر بندہ تنگ ہو جاتا ہے۔ مگر اس خط کا جواب حضور ضرور ارشاد فرمائیں۔ کیونکہ ہمیں سخت ضرورت خلقت میں جناب کے حق میں بہت سی بدظنی پھیلائی جا رہی ہے۔ جو سن سن کر طبیعت تنگ آ رہی ہے اگر حضور سے جواب نہ آیا تو پھر ہم عاجز سائل کس سے پوچھیں گے۔ للہ دستگیری کی ضرورت ہے۔ فقط والتسلیم۔

مضمون مرسلہ از انجمن چشتیہ گوجر خاں ضلع راولپنڈی

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی صدر جمعیّت علماء ہند و صدر مسلم پارلیمنٹری بورڈ کا جواب

محترم المقام! زید مجدکم

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ' -------- مزاج شریف؟

والانامہ باعث سرفرازی ہوا۔ مضامین مندرجہ سے تعجب نہیں ہوا۔ کیونکہ آج عام مسلمان غلط پروپیگنڈہ کے یا تو خود شکار ہیں۔ یا دوسروں کو شکار کرنے کے لئے دام تزویر پھیلانے میں دن رات لگے ہوئے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں

"فی زمانہ خلق خدا میں ایک شور و غوغا بپا ہو گیا ہے کہ حضور والا (معاذاللہ) اہل ہنود سے مل گئے استغفراللہ' معاذاللہ۔ نقل کفر کفر نباشد ہم گہنگار حیران ہیں۔"

محترما! اس شور و غوغا سے آپ اس قدر متاثر کیوں ہوتے ہیں؟ مسلمان تو ہندوؤں سے اس وقت سے ملے ہوئے ہیں جب سے کہ ہندوستان میں آکر آباد ہوئے اور میں تو اس وقت سے ملا ہوا ہوں جب سے کہ میں پیدا ہوا۔ کیونکہ میری ولادت ہندوستان ہی میں ہوئی۔ اور یہیں پرورش پائی جب ایک ملک اور ایک شہر یا آبادی میں رہیں گے تو ضرور ایک دوسرے کو دیکھے گا۔ ساتھ رہے گا۔ ساتھ چلے گا۔ معاملات لین دین اور ہر قسم کے خرید و فروخت اجارہ' وکالت۔ عاریت' تعلیم و تعلم وغیرہ وغیرہ ہوں گے۔ ایک دوسرے سے باتیں کرے گا' ہاتھ ملائے گا' وغیرہ وغیرہ کیا کیا نہیں ہو گا؟ لہٰذا میں اور تمام مسلمان جب تک ہندوستان میں ہیں۔ ہندوؤں سے ملے ہوئے ہیں۔ بازاروں میں ملے ہوئے ہیں مکانوں میں ملے ہوئے ہیں ریلوں میں ٹراموے میں' بسوں میں اور لاریوں میں' اسٹیمروں میں' اسٹیشنوں میں' کالجوں میں' ڈاکخانوں میں' تھانوں اور پولیس کے اداروں میں' کچہریوں میں کونسلوں میں' اسمبلیوں میں' ہوٹلوں میں وغیرہ وغیرہ آپ ہی بتلایئے کہ ملنا کہاں اور کب نہیں ہے؟ آپ زمیندار ہیں آپ کے کاشتکار کیا ہندو نہیں ہیں؟ آپ تاجر ہیں کیا آپ کے خرایدار اور معاملہ والے جن سے آپ کو خریدنا ہوتا ہے ہندو نہیں ہوتے؟ آپ

وکیل ہیں کیا آپ کے مؤکل یا آپ کے وہ حکّام جن سے مقدمہ کے معاملات کا تعلق ہے ہندو نہیں ہوتے۔ کیا ان سے ملنا نہیں پڑتا۔ آپ میونسپل بورڈ، ڈسٹرکٹ بورڈ، لوکل بورڈ، کونسل، اسمبلی۔وغیرہ کے ممبر ہیں کیا ہندو ممبروں اور سیکرٹری پریذیڈنٹ سے ملنا، بحث کرنا، انسانی تہذیب اور آداب کو بجا لانا نہیں پڑتا۔ پھر بتلایئے اور غور کیجئے کہ کون اس سے بچا ہوا ہے ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں کو گردن زدنی قرار دے دیجئے۔

میں ابتدائی عمر میں اردو مڈل اسکول میں پڑھتا تھا تو ہندو طلبہ بھی ساتھ ساتھ پڑھتے تھے۔ چنانچہ کئی سال تک متعدد کلاسوں میں ساتھ رہا۔ اور بعض بعض کلاسوں کے مدرس بھی ہندو تھے۔ ان سے پڑھنا ہوا۔ اور اگر آپ یہ کہیں کہ ملنے سے مراد افسری اور ماتحتی کا تعلق ہے تو حضور جب آپ کسی محکمہ میں ہوں اور آپ کا افسر ہندو ہو تو اس کی تابعداری روزانہ بلکہ ہر گھنٹہ میں کیا آپ کو کرنی نہیں پڑتی۔ جس صیغہ میں بھی غیر مسلم کی گنجائش ہو گی۔ اس میں بسا اوقات ہندو افسر ہو گا۔ اور اس کے ماتحت مسلمان ہوں گے۔ اس سے نجات کب ہو سکتی ہے۔ (اگرچہ میں تو کسی ایسے شعبہ کا ملازم بھی نہیں ہوں) اور اگر آپ یہ فرمائیں کہ اس سے یہ مراد ہے کہ ہندو مسلمان لڑائی اور جنگ ہو رہی تھی، تو اس زمانہ جنگ میں مسلمانوں کو شکست دینے کے لئے ہندوؤں سے مل گیا ہے کیونکہ یہ لفظ عرف میں ایسے ہی مقام پر بولا جاتا ہے تو حضور یہاں کب سے اور کون سی جنگ ہو رہی ہے اور میں کب مسلمانوں کو شکست دینے اور ان کو دشمنوں سے پامال کرانے کے لئے میدان میں اتر گیا ہوں۔ یہ محض خیالی اور وہمی امور ہیں العیاذ باللہ ایسے جھوٹ اور افتراء کو آپ بلا سوچے اور سمجھے کس طرح قبول فرما رہے ہیں اور اگر یہ مراد ہے کہ میں کانگریس کا ممبر ہوں تو حضور میں کانگریس کا اس وقت سے ممبر ہوں۔ جب کہ مالٹا سے ہندوستان آیا۔ اس سے پہلے میں انقلابی تشدد آمیز خیالات کے ساتھ برطانوی موجودہ اقتدار اور شہنشاہیت کا مخالف تھا اور اسی بناء پر مالٹا کی چار برس کی قید ہوئی تھی۔ اور واپسی مالٹا کے بعد عدم تشدد کی پالیسی کے ساتھ برطانوی اقتدار شہنشاہیت کا مخالف اور ہندوستان کی آزادی کا حامی ہو گیا ہوں۔ ۱۹۲۰ء سے برابر سالانہ فیس ممبری اس میں اور جمعیّت العلماء میں ادا کرتا ہوں۔ خلافت کا بھی اسی وقت سے ممبر ہوں مگر خلافت فنا ہو گئی۔ اس لئے اب اس میں کوئی حصہ نہیں رکھتا۔ اور میں

ہر اس انقلابی جماعت میں شریک ہونے کے لئے تیار ہوں جو برطانوی اقتدار اور شہنشاہیت کو ہندوستان سے ختم کرنے یا کم کرنے کی سچائی سے کوشش کرتی ہو اور اپنی پالیسی عدم تشدد کی رکھتی ہو۔

غرضیکہ میں ۲۵ برس سے کانگریس کا ممبر ہوں جلسوں میں شریک ہوتا ہوں تقریریں کرتا ہوں۔ فیس ممبری ادا کرتا ہوں۔ عہدوں کو قبول کرتا ہوں جیل میں جاتا ہوں اور اسی طرح سے جمعیت العلماء کا بھی ممبر ہوں' ہاں کسی مذہب یا فرقہ وار غیر مسلم (ہندو' سکھ' عیسائی' یہودی) جماعت کا نہ ممبر ہوں اور نہ ان کے جلسے وغیرہ میں شریک ہوتا ہوں۔ یہ واقعی حیثیت ہے۔ وَاللّٰہُ عَلٰے مَا نَقُوْلُ وَکِیْل ـ

آپ فرماتے ہیں۔

(ا)۔ مسلم لیگ کی تعریف حضور سمجھائیں۔

الجواب :۔ اس مقام پر اسی شخص کا مقالہ مختصراً" پیش کر دینا کافی سمجھتا ہوں جو کہ نہ صرف لیگ میں شریک تھا بلکہ بمنزلہ روح رواں لیڈری کرتا تھا اور آج کل کی کشمکش سے وہ بالکل علاحدہ تھا یعنی مولانا شبلی مرحوم جن کی زمانہ جنگ عظیم اول میں وفات ہو گئی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

----"ہم خود کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا چاہئے۔ ہم کو اپنا راستہ آپ متعین کرنا چاہئے ہماری ضروریات ہندوؤں کے ساتھ مشترک بھی ہیں اور جداگانہ بھی۔ اس لئے ہم کو ایک جدا پولٹیکل اسٹیج کی ضرورت ہے۔ اس موقع پر پہنچ کر ہمارے سامنے ایک چیز نمودار ہوتی ہے مسلم لیگ -- یہ عجیب الخلقت کیا چیز ہے؟ کیا یہ پالیٹکس ہے؟ خدانخواستہ نہیں' انٹی کانگریس ہے؟ نہیں۔ کیا ہاؤس آف لارڈز ہے؟ ہاں سوانگ تو اسی قسم کا ہے۔" (حیات شبلی صفحہ ۶۱۷)

دوسری جگہ مولانا مرحوم فرماتے ہیں :۔

---"لیگ کا سنگ اولین شملہ کا ڈیپوٹیشن تھا اور اب یا آئندہ جو کچھ اس کا ترکیبی نظام قرار پائے۔ ڈیپوٹیشن کی روح اس میں موجود رہے گی ڈیپوٹیشن کا مقصد سراپا یہ تھا اور یہی ظاہر بھی کیا گیا تھا کہ جو ملکی حقوق ہندوؤں نے اپنی سی سالہ جدوجہد سے حاصل کئے ہیں اس میں مسلمانوں کا حصہ متعین کر دیا جائے۔" حیات شبلی صفحہ ۶۱۸

ایک جگہ مولانا مرحوم فرماتے ہیں۔

---"سب سے آخری بحث یہ ہے کہ مسلم لیگ کا نظام ترکیبی کیا ہے؟ اور کیا وہ قیامت تک درست ہو سکتا ہے؟ پہلا سوال یہ ہے کہ کیا مسلم لیگ اس خصوصیت کو چھوڑ دے گی کہ اس کو سب سے پہلے دولت اور اجارہ کی تلاش ہے اور اس کو اپنے صدر انجمن کے لئے نیابت صدر کے لئے۔ سیکریٹری شپ کے لئے ارکان کے لئے اضلاع کے عہدیداروں کے لئے وہ مُہرے مطلوب ہیں جن پر طلائی رنگ ہوں۔ لیکن پولیٹیکل بساط میں ان مُہروں کی کیا قدر ہے؟ کیا ایک معزز رئیس، ایک بڑا زمیندار، ایک حکام رس دولت مند اپنی فرضی آبرو کو نقصان پہنچانا گوارا کر سکتا ہے۔ ہندوؤں کے پاس زمینداری دولت اور خطاب کی کمی نہیں۔ لیکن کیا انہوں نے تیس برس کی وسیع مدت میں کسی بڑے زمیندار یا تعلقہ دار کو پریسیڈنسی کا کرسی نشین کیا؟ کیا اس کے پریسیڈنسوں میں کسی کا سر خطاب کے تاج سے آراستہ ہے۔"

حیات شبلی صفحہ ٦١٩) — دوسری جگہ فرماتے ہیں

"اس بناء پر پالٹیکس کی بحث میں سب سے بڑا اور مقدم کام یہ ہے کہ یہ سمجھا دیا جائے کہ مسلم لیگ نہ آج بلکہ ہزار برس کے بعد بھی پالٹیکس نہیں بن سکتی۔ مسلم لیگ کیونکر قائم ہوئی، کب قائم ہوئی کس نے قائم کی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ وحی (بقول سرسید مرحوم) خود دل سے یا کوئی فرشتہ آسمان سے لایا تھا الخ ----" (حیات شبلی صفحہ ٦١٨)

ان مختلف اقتباسات سے (جو کہ مولانا شبلی مرحوم کے ان مضامین سے جن کو انہوں نے اخبار مسلم گزٹ ١٩١٠ء میں شائع فرمائے تھے اور ان مضامین کے چیدہ چیدہ کلمات (حیات شبلی میں) مندرج ہیں) پوری حقیقت اجمالی طور پر سمجھ میں آ گئی ہو گی اور اگر آپ کو اس سے زیادہ واضح تفصیل کی ضرورت ہے تو روشن مستقبل صفحہ ٣١٤ سے سلسلہء مضامین کا مطالعہ فرمایئے۔ نیز نواب وقار الملک مرحوم اولین سیکریٹری مسلم لیگ کے خطبہ مارچ ١٩٠٧ء سے معلوم کیجئے نواب صاحب فرماتے ہیں

---"ہماری تعداد بمقابلہء دوسری قوم کے ہندوستان میں ایک خمس ہے اب اگر ہندوستان میں خدانخواستہ انگریزی حکومت نہ رہے تو ہمیں ہندوؤں کا محکوم ہو کر رہنا پڑے گا۔ اور ہماری جان، ہمارا مال، ہماری آبرو، ہمارا

مذہب سب خطرہ میں ہو گا۔ اور اگر کوئی تدبیر ان خطروں سے محفوظ رہنے کی ہندوستان کے مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے تو وہ یہی ہے کہ انگریزی حکومت ہندوستان میں قائم رہے۔ ہمارے حقوق کی حفاظت تب ہی ہو سکتی ہے۔ جب کہ ہم گورنمنٹ کی حفاظت پر کمربستہ رہیں، ہمارا وجود اور گورنمنٹ کا وجود لازم و ملزوم ہیں.................. انگریزوں کے بغیر ہم اس عزت و آسودگی کے ساتھ نہیں رہ سکتے.................. اگر مسلمان دل سے انگریزوں کے ساتھ ہیں تو ہندوستان سے کوئی ان کو نکال نہیں سکتا.............. ان کو اس عمدہ خیال کی تلقین کی جائے گی کہ وہ اپنے تئیں مثل ایک انگریزی فوج کے تصور کریں اور تاج برطانیہ کی حمایت میں اپنی جانیں قربان کرنے اور اپنا خون بہانے کے لئے تیار رہیں اور گورنمنٹ سے اپنے حقوق نہایت ادب اور متانت کے ساتھ طلب کریں کہ اس طریقہ پر جس پر ہمارے دیگر ابنائے وطن کا عمل ہے اور اس سے میری مراد ایجی ٹیشن کے طریقہ سے ہے پس تمہارے دل میں یہی ایک خیال موجزن رہنا چاہئے کہ اس سلطنت کی حمایت کرنا تمہارا قومی فرض ہے............ تم اپنے تئیں انگریزی فوج کے سولجر خیال کرو۔ تم تصور کرو کہ انگریزی پرچم تمہارے سر پر لہرا رہا ہے تم یقین کرو کہ تمہاری یہ دوڑ و دھوپ اسی لئے ہے کہ تم ایک دن تاج برطانیہ پر (اگر اس کی ضرورت ہو) اپنی جانیں نثار کرو اور انگریزی سپاہیوں کے ساتھ مل کر اس سلطنت کے مخالفوں اور دشمنوں کے ساتھ کلہ بکلہ لڑو۔ اگر یہ خیال تم نے ذہن نشین رکھا تو مجھ کو امید ہے کہ تم اپنی قوم کے لئے باعث فخر ہو گے اور آئندہ نسلیں تمہاری شکر گزار ہوں گی اور تمہارا نام ہندوستان کی انگریزی حکومت کی تاریخ میں سنہرے حروف میں لکھا جائے گا.........."

(روشن مستقبل صفحہ نمبر ۳۳۰ ماخوذ از نواب وقارالملک کی اسپیچ مسلمانان ہند کے پالیٹکس پر جو ۲۳ مارچ ۱۹۱۷ء کو مدرستہ العلوم علی گڑھ میں طالبعلموں کے روبرو کی گئی۔)

محترم المقام! مذکورہ بالا اقتباسات صحیحہ سے مسلم لیگ کے اصلی معنی آپ سمجھ گئے ہوں گے۔ بقول مولانا شبلی مرحوم وہی روح لیگ میں آج بھی کام کر رہی ہے

جو ابتدا میں تھی یعنی برطانیہ کی مدد کرنا' ان کو اپنے لئے مدار زندگی سمجھنا اور اپنے جان و مال' عزت کو انگریزی راج کی ہندوستان میں بقا کے لئے قربان کرنا اور اس کی تلقین مسلمانوں میں کرنا اور ہندوؤں کو عظیم الشان دشمن اور ان کی حکومت کو انتہائی مضر اور مہلک خطرہ سمجھنا اور ان سے ہر وقت ڈرانا اور ڈرنا اور کانگریس سے جو کہ ملکی اور سیاسی جماعت ہے۔ ہر طرح باز رکھنا وغیرہ۔ آپ آج بھی قائد اعظم کے خطبات اور لیگ کے کارکنوں کے خطبات لیگی پریس کے مضامین ڈان اور منشور کے روزانہ آرٹیکلوں کو ملاحظہ کریں اور اسی روح اور حقیقت کا مشاہدہ کریں۔

زمیندار ۲۵ مارچ ۱۹۴۱ء صفحہ ۸ کالم ا کو دیکھئے فرماتے ہیں

ہم اعلان کرتے ہیں کہ مسلمان ہند اسلامی قومیت کا ہی حصہ ہیں۔ ہم بابانگ دہل کہتے ہیں کہ ہم اسی ملت عظیم کا ایک جز ہیں جو بحر اوقیانوس سے بحرالکاہل تک پھیلی ہوئی ہے ترکی بھی اسی ملت کا ایک حصہ ہے اور افغانستان اور عراق بھی۔ مجھے خوشی ہے کہ اس جنگ میں یہ طاقتیں برطانیہ کے ساتھ ہیں اور ہم ہندی مسلمان بھی (خواہ ماضی میں کتنا ہی اختلاف کیوں نہ رہا ہو) انگریزوں کے ساتھ ہیں اور اس وقت بھی ہم تمہاری امداد کرنا چاہتے ہیں۔ ...."

اس سے پہلے صفحہ ۷ کالم ۸ میں فرما چکے ہیں۔

"مسلم لیگ ایسے وقت میں برطانیہ کو پریشان کرنا نہیں چاہتی جبکہ وہ زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہے اور نہ فوجی بھرتی میں رکاوٹ بننا چاہتی ہے اور نہ اس نے سول نافرمانی کا حربہ استعمال کیا بلکہ وہ غیر جانبدار ہے۔ اگرچہ اس کی غیر جانبداری بھی جارحانہ رنگ کی نہیں ہے۔ اس نے اپنے کچھ ارکان کو اجازت دے دی ہے کہ اگر وہ چاہیں تو برطانیہ کی مصیبت کے وقت کام آ سکتے ہیں۔ سر سکندر حیات خان وزیراعظم پنجاب نے جو مسلم لیگ کے ایک سربر آوردہ رکن ہیں اتنی زبردست فوجی امداد کی ہے کہ جس کی مقدرت کسی اور شخص کو نہیں ہو سکتی۔..................."۔

اس سے پہلے صفحہ ۲ کالم ۵ میں فرما چکے ہیں۔

"ہم مسلم لیگی بھی اس ملک کی دوسری جماعتوں کی طرح برطانیہ ہی کی فتح چاہتے ہیں۔ ہم انگلستان کو مظفر و منصور دیکھنا چاہتے ہیں۔"

تیج ۱۳ مارچ ۱۹۴۱ء میں مندرجہ ذیل فقرہ دیکھئے۔

یہی آواز نواب زادہ لیاقت علی خاں نے اسمبلی میں فنانس بل پر تقریر کرتے ہوئے اٹھائی انہوں نے کہا کہ

"حکومت ان کی بات پوچھتی ہے جو اس کی پیٹھ پر چھرا مارتے ہوں اور جو اس کی طرف تعاون کا ہاتھ بڑھاتے ہوں ان کی جانب سے بے رخی سے پیش آتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ لیگ کا اولین سنگ بنیاد آج تک محفوظ ہے لیگ برطانیہ ہی کی معین اور مد ہے اس کو ہی اپنا مدار زندگی سمجھتی ہے اور جان و مال و عزت و آبرو مذہب سب کو برطانیہ پر قربان کرنا ضروری جانتی ہے اور اسی کی تلقین مسلمانوں کو مختلف پیراؤں اور پروپیگنڈوں سے کرتی رہتی ہے۔ اور ہندوؤں سے نفرت پھیلانا مسلمانون کو ان سے ہر وقت ڈرانا ان کو اور ان کی جماعتوں کو نہایت خطرناک دشمن دکھلانا اور کانگریس سے متنفر کرنا اس کا آج بھی نہایت اہم مسئلہ ہے۔

لیگ کی مسلمانوں سے سیاسی اور مذہبی دشمنی اور انگریزوں کی حمایت اور امداد

(۱) نیز دیکھئے آرمی بل پاس کیا گیا۔ (جس کے خلاف کراچی کیس اور سزائیں اور پانچ سو سے زائد علماء کا فتوی جگہ جگہ شائع کیا گیا تھا اور فوجی بھرتی میں رکاوٹ ڈالنے والے کو مجرم اور ایک سال کی سزا کا مستحق بنایا گیا۔ کیا یہ محض برطانیہ کی امداد نہ تھی حالانکہ تمام کانگریسی اور غیر کانگریسی ہندوؤں نے اس کی مخالفت کی تھی۔

(۲) قائداعظم اور دوسرے مسلم ممبران نے اسمبلی میں اس وقت تقریر زوردار الفاظ میں کی کہ یہ فوجیں ممالک اسلامیہ میں نہ جائیں گی وائسرائے کے وعدہ کا یقین دلایا اور کہا اس کے خلاف ہوا تو ہم یہ کر ڈالیں گے وہ کر ڈالیں گے۔ مگر یہی فوجیں ایران' عراق' شام' مصر کو بھیجی گئیں۔ پھر لیگ نے کیا کیا کوئی پروٹسٹ کیا یا عملی کاروائی برطانیہ کے

خلاف ظاہر کی۔
(۳) لیگ اگرچہ غیر جانبدار رہی مگر انفرادی اعانت کی اجازت دی جس کی بناء پر چھوٹے اور بڑے مسلم لیگیوں نے برطانیہ کی امداد و اعانت جنگ میں بیش از بیش یہاں تک حصہ لیا کہ کسی سے اس کی مثال نہیں ہو سکتی۔ دیکھو زمیندار ۲۵ مارچ ۱۹۴۱ء
(۴) لیگ پاکستان انگریزوں سے مانگتی ہے اور کہتی ہے کہ ڈیفنس اور فارن پالیسی بعد از آزادی بھی انگریزوں کے ہاتھ میں رہے گی جب تک پاکستان کی حکومت امن و امان پوری طرح قائم رکھنے کے لئے حسب رائے برطانیہ قابل نہ ہو جائے (برخلاف اس کے کانگریس آزادی کامل کا مطالبہ کر رہی ہے) ظاہر ہے کہ ڈیفنس برطانیہ کے قبضہ میں ہونے پر پوری امداد و استمداد مسلمانوں ہی سے اس کی ہوتی رہے گی اور خدا جانے کب تک ہوتی رہے گی۔ انگریزوں اور یورپین اقوام کے قبضہ کی تاریخ کا مطالعہ کیجئے۔
مدینہ بجنور جلد ۱۳ نمبر ۱۷، ۹ ربیع الاول ۶۳ھ مطابق ۵ مارچ ۱۹۴۴ء بعنوان "پاکستان کے قیام کے بعد برطانوی غلبہ ضروری ہے۔"
قائد اعظم کا ۲۹ فروری کا بیان جو کہ نیوز کرانیکل لندن کی دعوت پر انہوں نے پاکستان کے مسئلہ پر دیا ہے اس کا مندرجہ ذیل اقتباس ملاحظہ ہو۔
"اگر برطانوی حکومت ملک کے دو ٹکڑے کر دے تو تھوڑے عرصہ کے بعد جو ۳ ماہ سے زیادہ نہ ہو گا ہندو لیڈر خاموش ہو جائیں گے اور جب تک دونوں ٹکڑے آپس میں امن سے نہ رہیں تب تک برطانوی حکومت کا فوجی اور خارجی کنٹرول ضروری ہے اس صورت میں مصر کی طرح کم از کم ہم اندرونی طور پر تو آزاد ہوں گے۔ آج بھی اصولاً" پانچ صوبوں میں پاکستانی حکومتیں مسلم لیگ کے ماتحت کام کر رہی ہیں۔"
اسی بیان پر ڈاکٹر سید عبداللطیف صاحب حیدر آبادی (جو کہ حسب دعوی خود پاکستان کا خیال اولاً" ہی پیش کرنے والے ہیں اور لیگ میں عرصہ دراز تک رہے ہیں کلچرل یا تہذیبی منطقوں میں ہندوستان کی تقسیم کے متعلق ایک اسکیم کے ترتیب دینے والے ہیں اور اپنی ایک تصنیف میں اس کو پیش بھی کر چکے ہیں) نہایت

مضطرب اور بے قرار ہو کر مسلمانوں اور بالخصوص مسلم لیگ کے ممبروں کو تنبیہہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"اب مسلمانوں کو دیکھنا چاہئے کہ ان کے قائداعظم ان کو کدھر لئے جا رہے ہیں میں ابتدا ہی سے جانتا تھا کہ مسٹر جناح پاکستان کے لئے سنجیدہ نہیں ہیں اب انہوں نے ظاہر کر دیا ہے کہ وہ قطعی آزاد پاکستان کے خواہشمند نہیں ہیں۔ وہ والی ملک کے بغیر ایک ایسی ریاست کے خواہشمند ہیں اور چاہتے ہیں کہ زیر سایہ برطانیہ ایک طویل مدت میں یہ علاقے مصر کی حقیقت تک پہنچ جائیں جو قانونی طور پر تو آزاد ہے مگر اپنے ہر کام میں برطانیہ کے چشم و ابرو کا منتظر ہے۔ انہوں نے کراچی میں تقسیم کرو اور ہندوستان سے چلے جاؤ کا نعرہ لگایا تھا۔ مگر وہ اب کہہ رہے ہیں کہ اس سے ان کا مقصد "تقسیم کرو اور رہو" تھا۔ وہ چاہتے ہیں کہ برطانوی طاقت ہندوستان اور پاکستان دونوں جگہ رہے اور دفاع و خارجی مسائل کی مالک بنی رہے یہ ہے مسٹر جناح کا آئینی ترقی کے متعلق نظریہ! کیا کوئی انگریز اس کے لئے ان کا شکریہ ادا کرے گا! میرے خیال میں برطانوی رجعت پسند بھی اس پالیسی پر افسوس ظاہر کریں گے برطانیہ نے کرپس اسکیم کی رو سے وعدہ کیا ہے کہ جنگ کے بعد ہندوستان کو متحدہ طور پر یا علاقوں کی تقسیم کے بعد مکمل آزادی حاصل ہو جائے گی بجائے اس کے مسٹر جناح اس موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دوسری جماعتوں سے اتحاد کرتے وہ موجودہ غلامی ہی پر قانع ہیں۔ کیا مسلم لیگ کے عام ممبران اس روش کی تائید کریں گے۔"

(اجمل بمبئی مورخہ ۶ مارچ ۱۹۴۴ء جلد ۱۷ زیر عنوان "مسلمانوں دیکھو تمہارے قائداعظم تم کو کدھر لئے جا رہے ہیں)

(۵) لیگ نے شریعت بل فیل کیا۔ جس کی اہمیت اور ضرورت مذہب اسلام اور مسلمانوں کے لئے محتاج بیان نہیں۔

(۶) لیگ نے خلع بل کو بالکل خلاف شریعت اور ناکارہ کر دیا۔

(۷) لیگ نے قاضی بل کی مخالفت کی اور اس کو فیل کر دیا۔ حالانکہ اسلامی ضرورتیں اور اسلامی تاریخ اس کی متقاضی تھیں۔

(۸) شاردا بل کو پاس کرانے کی کوشش سے قائداعظم کی مذہبی دشمنی ظاہر ہے۔

(۹) لیگ کی موجودہ حکومتوں نے برطانیہ کی پوری امداد کرتے ہوئے ہندوستانی عوام اور بالخصوص مسلمانوں کو برباد کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا صوبہ بنگال میں لیگی حکومتوں ہی نے لاکھوں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ مسٹر ایمری ۱۹ لاکھ تک قرار دیتے ہیں اخباروں سے ۹۰ لاکھ یا اس سے زائد کا پتہ چلتا ہے یہ وہ صوبہ ہے جس میں مسلم آبادی تمام صوبوں سے عدد میں زائد اور سب سے زیادہ غریب ہے اور وہی عموماً" مرتے ہیں (دیکھو وڈہیڈ کمیشن کی رپورٹ دوبارہ قحط بنگال)

(۱۰) مسلم لیگ کی وزارتوں نے لیگیوں اور اپنے رشتہ داروں اور احباب اور وزراء کو ٹھیکے دے کر ان کو مالامال اور عوام کو کنٹرول وغیرہ کے ذریعہ سے فنا اور مفلس کر دیا نفع اندوزی میں وہ کام کیا جس کی نظیر نہ کانگریسی حکومت کے زمانہ میں ملتی ہے اور نہ ان صوبوں میں ہے جہاں براہ راست گورنروں کی حکومت رہی۔

روزنامہ اجمل مورخہ ۱۰ جنوری ۱۹۴۵ء نمبر ۱۳ جلد ۱۸ زیر عنوان (مسلم لیگ کی مجلس عامہ کے ایک رکن کا سنسنی پھیلانے والا بیان)

بعض لیگی وزارتوں نے غلہ کی خریداری کے سنڈیکیٹ جیسے اجارہ داری کے ادارے قائم کر دیئے ہیں جن سے خود وزارتوں کا تعلق ہے اور ان لیگی وزارتوں کے عہد میں نظام حکومت کی اندرونی خرابیاں اور رشوت کی گرم بازاری کا یہ حال ہو گیا ہے کہ اس کی کوئی مثال اس سے پہلے کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ ان تباہ کن اثرات نے عام لیگیوں کو پریشان اور متنفر کر دیا ہے۔ اور وہ خطرہ محسوس کرتے ہین کہ اگر اس چیز کی بہت جلد روک

تھام نہ ہوئی تو آئندہ عام انتخابات میں مسلم لیگ کو بڑی سخت دشواریوں کا سامنا ہو گا اور مسلمانوں کے اتحاد کی ضرورت کا نعرہ بھی اپنے اندر کوئی اثر باقی نہ رکھ سکے گا۔" مگر کوئی روک تھام آج تک نہیں ہوئی اور معاملات بدستور ہیں۔

(۱۱) خود قائداعظم اور لیگ ہائی کمان نے ۱۹۱۶ء میں لکھنؤ پیکٹ کر کے مسلم اکثریت

والے صوبوں کا گلا گھونٹ دیا یہ معاہدہ کیا کہ پنجاب میں مسلم نشست میں ۵۵ فیصدی سے گھٹا کر ۵۰ فیصدی کر دی جائیں اور صوبہ بنگال میں ۵۳ فیصدی سے گھٹا کر ۴۰ فیصدی کر دی جائیں اگرچہ اس کے بدلہ میں مسلم اقلیت والے صوبوں میں مسلمانوں کی نشستیں زیادہ کی گئیں مگر اس زیادتی کی وجہ سے وہاں کے مسلمانوں کو کوئی فائدہ نہ ہو سکا۔ کیونکہ اس میں مسلم میناریٹی اتنی زیادہ تھی کہ اس وییج کے ہوتے ہوئے بھی بڑے درجہ کی اقلیت باقی رہ گئی۔ اگرچہ صوبہ بمبئی میں ۱۳ کی زیادتی کی گئی اور جملہ ۳۳ فیصدی ہو گئی اسی طرح یو' پی میں ۱۶ فیصدی زیادتی کر کے ۳۰ فیصدی اور بہار مین ۱۹ فیصدی زیادہ کر کے ۲۹ فیصدی' مدراس میں ۸ فیصدی زیادہ کر کے ۱۵ فیصدی اور صوبہ متوسط اور برار میں ۱۱ فیصدی زیادہ کر کے ۱۵ فیصدی بنا دی گئی مگر کیا فائدہ ہوا۔ دوسری مسلم اکثریت والے صوبے ایسے نقصان میں مبتلا کر دیئے گئے کہ آج تک ان کو خمیازہ بھگتنا پڑ رہا ہے۔ مانٹیگو چیمسفورڈ اسکیم میں اسی میثاق پر عمل درآمد ہوا اور مسلمان ہر جگہ بے دست و پا ہو کر رہ گئے۔

(۱۲) ۱۹۲۹ء میں کلکتہ کے اجلاس کنونشن میں صاف اور واضح الفاظ میں مسٹر جناح نے فرمایا تھا کہ اکثریت کے صوبوں میں مسلمان ممبران کی تعداد بڑھانے کے یہ معنی ہوں گے کہ امیر لوگوں کو زیادہ امیر بنایا جائے۔ بہتر یہ ہو گا کہ مسلم اقلیت والے صوبوں میں مسلمان ممبروں کی تعداد زیادہ بڑھا دی جائے۔

(روشن مستقبل صفحہ ۴۳۴)

(۱۳) ۱۹۳۱ء میں قائداعظم اور دیگر لیگیوں نے لندن میں یوروپین ایسوسی ایشن سے (جو کہ ہندوستان میں ملکی آزادی کی سب سے بڑے دشمن ہے) عہد و پیمان کر لیا (اس کو اس قدر سیٹیں ان کے حق سے زیادہ دے دیں کہ جب یونٹی بورڈ الہ آباد میں پارٹیوں کے سمجھوتہ کے وقت میں مسلمانوں کے لئے ۵۱ فیصدی بنگال میں پورا کرنے کا ارادہ کیا گیا تو بجز اس کے کوئی چارہ نہ ہو سکا کہ یوروپین ایسوسی ایشن سے ۳ ½ سیٹیں لے لی جائیں مگر وہ کیوں راضی ہوتے) ان کی یعنی یوروپین اور عیسائیوں کی ۳۱ سیٹیں مسٹر میکڈانلڈ وزیراعظم نے رکھ دیں اور ہمیشہ کے لئے مسلمانوں اور ہندوؤں کے لئے اقلیت کی مہر بنگال میں لگ گئی ذرا غور فرمائیے کہ یہ لوگ۔ مسلمانوں کے ہمدرد اور وفادار ہیں یا غدار اور ناقابل اعتماد۔ اور جو نعرے لگائے جاتے ہیں ان کی حقیقت کیا ہے۔

مسلم لیگ برطانیہ کی منظور نظر ہے

نیو اسٹیٹس مین اینڈ نیشن لندن مورخہ ۱۴ دسمبر ۱۹۴۰ء اپنی قوم اور ملک کو نصیحتیں کرتا ہوا ایک طویل آرٹیکل لکھتا ہے جس کے مندرجہ ذیل اقتباسات قابل غور ہیں۔

"لارڈ لنلتھگو نے مسلم لیگ کو ہندوستان کے تمام مسلمانوں کا واحد نمائندہ جماعت تسلیم کر لیا............. اس کا دعوی ہے کہ اب کچھ مہینوں سے اس کے ممبروں کی تعداد بہت زیادہ بڑھ گئی ہے یہ بالکل صحیح ہو سکتا ہے کیونکہ وائسرائے کی ممتاز جماعت بن گئی ہے"............ "اگر ہماری یہ پیش کش مخلصانہ ہے کہ صلح کے بعد ہندوستان کو درجہء نو آبادیات عطا کر دیا جائے گا تو ہمیں اس قسم کا کوئی قدم اٹھانا پڑے گا لیکن اگر ہم مسٹر جناح کو محض اپنا آلہ کار بنا رہے ہیں جو ہر وقت بھونڈی اور ناکارہ عہدنامہ کو بھر کر ہمیں اخلاقی ذمہ داری سے سبکدوش کرنے کے لئے تیار ہیں تو ہم ایسا نہیں کریں گے۔ اگر ہمارے متعلق یہ شبہات بڑھتے رہے اور ہم نے ان کے دور کرنے کی کوشش نہیں کی کہ ہم تقسیم کرو اور حکومت کرو کا پرانا کھیل کھیل رہے ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم مستقبل قریب ہی میں ہندوستان کو کھو بیٹھنے کا خطرہ مول لے رہے ہیں۔"

(مدینہ بجنور نمبر ۱۸ جلد ۳۰ - ۱۳ مارچ ۱۹۴۱ء)

(ب) مسٹر چمن لال مشہور ہندوستانی جرنلسٹ امریکہ سے ہندوستان واپس ہوتے ہوئے سندھ سیکریٹریٹ کے ریسٹورنٹ کراچی میں تقریر کرتے ہوئے ایک طویل بیان دیتے ہیں جس کے مندرجہ ذیل اقتباسات قابل غور ہیں۔

علاوہ بریں امریکہ کا برطانوی سفارت خانہ پاکستان کے حق میں انگلینڈ میں پمفلٹ وغیرہ لٹریچر چھپواتا ہے اور اسے ہوائی جہازوں کے ذریعے امریکہ مفت تقسیم کرنے کی خاطر بھیجا جاتا ہے اس کے علاوہ امریکہ میں ایک مسلم لیگ بھی کھولی گئی ہے مسٹر احمد اس کے انچارج ہیں برطانوی سفارت کی طرف سے انہیں تنخواہ دی جاتی ہے۔" (رپورٹر) ملاپ روزانہ جلد ۲۲ نمبر ۲۴۴ - ۱۶ جنوری ۱۹۴۵ء

(ج) قائداعظم کی وہ خط و کتابت جو وائسرائے سے شملہ کانفرنس کے سلسلہ میں ہوئی

اس کا مندرجہ ذیل اقتباس قابل غور ہے۔

۱۷ جولائی۔ ڈیر لارڈ ویول ! میں نے کانفرنس کے آخری اور آپ کی طرف سے پیش کردہ تجویز ورکنگ کمیٹی کے سامنے رکھی بعد از غور فیصلہ کیا گیا کہ کمیٹی کا نظریہ آپ کے روبرو رکھا جائے جو حسب ذیل ہے (ا) اگست ۱۹۴۰ء میں جبکہ آپ کے پیش رو لارڈ لنلتھگو نے ایک ایسی ہی پیشکش کی تھی اور ورکنگ کمیٹی نے اسے نامنظور کر کے اس کے خلاف اعتراضات روانہ کئے تھے تو لارڈ لنلتھگو نے ان اعتراضات کو درست تسلیم کرتے ہوئے اپنی پہلی پیش کش کو واپس لے لیا اور اس کے بجائے نئی تجویز کرتے ہوئے ایک مراسلہ لکھا جس کا اقتباس حسب ذیل ہے۔

میں آپ کی طرف سے پیش کردہ اعتراضات اور آپ کی بیان کردہ مشکلات کا احساس کرتا ہوا اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ جہاں تک مسلم لیگ کا تعلق ہے اسے ایگزیکٹو کونسل کے ممبران کی فہرست پیش کرنے کی ضرورت نہیں ،بلکہ اس کی فہرست کا معاملہ اس کے صدر اور میرے درمیان خفیہ بات چیت میں طے ہونا چاہئے۔

مسلم لیگ نے یہ نعم البدل منظور کر لیا اب بھی کمیٹی کی رائے ہے کہ جہاں تک مسلم لیگ کا تعلق ہے اس کے ساتھ فہرست کے متعلق اسی قاعدے سے عمل کیا جانا چاہئے جو آپ کے پیش رو بنا گئے ہیں۔"

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ سابق وائسرائے اور مسٹر جناح میں خفیہ سازباز ہوتا رہتا تھا۔

محترما! اب آپ کے سوال کا جواب یہ ہے کہ مسلم لیگ ایک ایسی جماعت ہے جو کہ برطانیہ کی محبوبہ ہے دوسرے الفاظ میں وہ برطانیہ کی ہے اور برطانیہ اس کا ہے۔

اس کے مؤثر کارکن عافیت پسند' اقتدار طلب' آزادی ہند کے دشمن' برطانوی اقتدار کے مضبوط کرنے والے مذہب اسلام سے بیگانہ بلکہ مخالف' ذاتی اغراض کے متوالے عام مسلمانوں کو دھوکہ دینے والے حضرات ہیں۔

سوال دوم (۲) مسلم لیگ کا کیا فائدہ ہے کہ عوام الناس دھڑا دھڑ اس کو اچھا سمجھتے ہیں؟

جواب۔ جبکہ ہائی کمانڈ اپنی تقریر و تحریر میں عوام کو دھوکہ دیتے ہوئے اسلام اور مسلمانوں کو صرف ہندوؤں اور کانگریس سے انتہائی خطرہ میں ظاہر کرتا ہے برطانیہ کی عداوتوں اور برباد کرنے کی پالیسی کا ذکر تک نہیں کرتا اور برطانیہ کی خفیہ اور ایک درجہ تک ظاہری امداد اس میں شامل ہے تو طبعی تقاضا ہے کہ عوام الناس (جن کو حقائق پر غور کرنے کے مطلق عادت نہیں اور جذبات میں جلد بہ جانے کے عادی ہیں۔ لڑائی ان کے خمیر میں ہے۔ ہندوستان سے لڑنے میں وہ خطرے بھی نہیں ہیں جو انگریز سے لڑنے میں ہیں۔) اس کو اچھا سمجھیں اور دھڑا دھڑ اس دعوت میں شامل ہوں۔ یہی عوام خلافت تحریک میں دوسری حالت میں تھے۔

سوال سوم (۳) مسلم لیگ میں کیا نقصان ہے کہ حضور والا کی مقتدر ہستی اس کو اچھا نہیں سمجھتی۔ اور مورد طعن عند المخلوق ہو رہی ہے۔

جواب۔ مندرجہ بالا مختصر مضامین سے ہر خبردار حقیقت شناس و واقف احکام شرعیہ قطعی نتیجہ نکال لے گا کہ مسلم لیگ کی شرکت نہ صرف غیر مستحسن ہے بلکہ معصیت ہے۔ خوبی خودداری کے بھی منافی ہے مصالح سیاسیہ اور دینیہ اور دنیوی کے سراسر خلاف ہے۔ احکام شرعیہ یقیناً" اس کے اجتناب ہی کا فیصلہ کریں گے۔

سوال چہارم (۴) کانگریس کا کیا مطلب ہے یعنی کانگریس کسے کہتے ہیں

جواب۔ کانگریس ہندوستان کے تمام بسنے والوں کی بلاتفرقہ مذہب و نسل و رنگ و زبان و وطن ایک جماعت ہے جو کہ اہل ہندوستان کے فطری اور ملکی حقوق سلب شدہ کو واپس لانا اپنا فریضہ سمجھتی ہے ہندوستان کو انگریزی اقتدار سے آزاد کرانا اس کا نصب العین ہے۔ ہر ہندوستانی اس کا ممبر ہو سکتا ہے۔ اب تک اس کے ۹ صدر مسلمان ہو چکے ہیں ۶ عیسائی ۴ پارسی باقی ہندو۔ ۱۸۸۵ء میں قائم ہوئی۔ اس کو ساٹھ برس گزر چکے ہیں۔ مسلمان اس میں ابتداء سے شریک ہیں۔ مولانا عبدالقادر صاحب مرحوم لدھیانوی نے رسالہ نصرۃ الابرار میں

اس میں شرکت کے جواز و استحقاق کے متعلق اس زمانہ کے تمام ہندوستان کے علماء کے فتاوی شائع کر دیئے ہیں۔ مولانا مفتی محمد نعیم صاحب لدھیانوی سے یہ رسالہ مل سکے گا۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز کا فتوی دربارۂ اباحت شرکت کانگریس اس میں درج ہے۔

سوال (۵) کانگریس میں کیا فائدہ ہے کہ حضور والا اس کو اچھا سمجھ رہے ہیں ہم کو جناب کا مافی الضمیر نہیں پہنچا۔ اگر پہنچا تو یہ کہ معاذ اللہ حضور اہل ہنود سے مل گئے۔ قسمیہ بات ہے کہ یہ بات لکھتے ہوئے قلب شرمسار ہے کہ کیا بکواس لکھ رہا ہوں۔ فقط سمجھنا مطلوب ہے جناب کی مقتدر اور رحم کنندہ ہستی سے ہم امیدوار ہیں کہ حضور ہم بچوں کے سر پر دست شفقت رکھ کر میٹھے پیار سے سمجھائیں گے ہم حیران ہیں کہ یہ کیا اندھیر مچ گیا۔

جواب۔ محترما! آپ کو معلوم ہے کہ ہم ہندوستان کے باشندے ہیں اس ملک کے تمام شہری اور وطنی حقوق ہمارے بھی ویسے ہی ہیں جو کہ انگریزوں کو انگلینڈ میں' فرانسیسیوں کو فرانس میں' امریکیوں کو امریکہ میں' جاپانیوں اور چینیوں کو جاپان اور چین میں اور ہر قوم کو اپنے وطن میں حاصل ہیں۔ خواہ وہ تجارت سے تعلق رکھتے ہوں یا زراعت سے۔ حکومت سے تعلق رکھتے ہوں یا مالیات سے۔ تعلیم سے تعلق رکھتے ہوں یا قومی طاقت سے خواہ داخلی حقوق ہوں یا خارجی اور بیرونی۔ خواہ وہ دوکانوں سے تعلق رکھتے ہوں یا کاشت وغیرہ سے۔ مگر برطانیہ نے ہم پر تسلط کر کے ہم کو غلامی کی زنجیروں میں اس طرح جکڑ دیا کہ ہم بالکل مجبور و نادار' فاقہ کش اور بھوک سے نیم مردہ بلکہ مردہ ہو گئے۔ اس کی پالیسی یہ ہے کہ ہندوستان آغاز سے لے کر انجام تک' سر سے لے کر پیر تک برطانیہ کے لئے ہے۔ ہر چیز ہندوستان کی برٹش ایمپائر پر قربان ہو گی۔ اگر کچھ اس سے بچ رہے تو برٹش قوم پر قربان کی جائے گی۔ اگر اس سے کچھ بچے تو یوروپین قوم پر قربان ہو گی۔ پھر بھی اگر کچھ بچے تو اینگلو انڈین پر

قربان کی جائے گی۔ اگر ان سے بھی کچھ بچ جائے تو ہندوستانیوں کو دی جائے گی۔ اس پالیسی اور استبداد پر آج سے نہیں بلکہ برطانوی شہنشاہیت ابتداء سے عمل کرتے ہوئے تمام ہندوستان کو بد سے بدترین حالت کو پہنچا چکی ہے۔

سر ولیم ڈگبی اپنی کتاب پراسپرس برٹش انڈیا میں لکھتا ہے۔

جو کمی ۱۹۰۱ء میں ہمارے طریقہء حکومت ہند میں دکھائی دے رہی ہے جہاں تک کہ ہندوستانیوں کا تعلق ہے اور جو کچھ غیر معمولی غربت ہندوستانی براعظم میں پھیل رہی ہے۔ وہ ہمارے اس طریقہء حکومت کا نتیجہ ہے جو نیک نیتی سے مگر غلطی سے پہلے سے شروع کی گئی۔ اور اب تک بحال رکھی گئی وہ اصول حکومت تین قسم کے ہیں (۱) تسلط بذریعہ تجارت۔ ہندوستان کی دولت علانیہ سمیٹنا ننگے طور سے ۱۷۰۰ء سے ۱۷۵۷ء تک۔

نوٹ۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائرکٹروں کی ایک یادداشت کے الفاظ سے مندرجہ تحریر کی تشریح ہوتی ہے۔

"ہمارے خیال سے یہ بڑی دولت جو ہم نے ہندوستانی تجارت سے حاصل کی ہے ظالمانہ اور جابرانہ دستور العمل سے مہیا ہوتی ہے۔ ایسا دستور العمل جس کی نظیر نہ کسی ملک میں ملتی ہے نہ کسی زمانہ میں ملے گی۔

(۲) تسلط بذریعہ اطاعت بالجبر! ہندوستان کے لئے ہے۔ آغاز سے انجام تک ۱۷۵۸ء سے ۱۸۳۲ء تک۔

(۳) خوش معاملگی کا دکھاوا اور زور کے ساتھ ہندوستانی قوم کو ادنٰی حالت میں لازمی طور پر قائم رکھنا۔

۱۸۳۳ء سے ۱۹۰۱ء تک.................. مگر اس میں شبہ نہیں کہ آج ہندوستان اس سے زیادہ شرمناک طور پر لوٹا جا رہا ہے جتنا اس سے پہلے کبھی لوٹا گیا تھا۔ ہماری ابتدائی حکومت کے باریک چابک اب آہنی زنجیر بن گئی ہے۔ کلایو اور ہسٹنگس اس نکاس کے مقابل ہیچ ہے جو روز افزوں ترقی کے ساتھ ایک ملک کو دوسرے ملک کا خون جان بہا کر مالا مال کر رہا ہے (خوشحال برطانوی ہند ترجمہ از پراپرس انڈیا صفحہ ۴۳)

الغرض برطانیہ نے وہ زہریلی پالیسی ہندوستان میں ابتداء سے قائم کی اور آج تک اسی کو چلا رہا ہے جس سے جنت نشان ہندوستان جہنم نشان بن گیا۔ قحط اور افلاس کا مرکز، بھوکوں اور ننگوں کا گھر کروڑوں بھوک مرنے والوں کا مقبرہ، جہالت اور نادانی کا اڈّہ، پستی اور ذلت کا گڑھا، بے ہنری اور بے کاری کا میدان ہو گیا۔ اس سے فطری حقوق چھین لئے گئے۔ اس کو جانوروں سے بھی زیادہ بے بس، مجبور و معذور کر دیا گیا۔ یہ تو عام ہندوستانیوں کے لئے ہوا۔ مسلمانوں کی ایک ہزار برس سے زیادہ یہاں حکومت تھی۔ یہ ملک دارالاسلام تھا۔ اسلام کا پرچم بلند تھا۔ اور کفر و شرک کا جھنڈا سرنگوں تھا۔ انگریز نے دھوکے دے کر، تفرقہ ڈال کر آہستہ آہستہ مسلمان بادشاہوں اور نوابوں کو قتل و غارت کیا۔ دارا لکفر بنایا۔ اسلام کے پرچم کو سرنگوں اور کفروالحاد کے پرچم کو سربلند کیا۔ یہی نہیں بلکہ ہندوستان کی غلامی کے لئے ہندوستان کی ہی طاقتوں سے اسلامی ممالک کو یکے بعد دیگرے برباد کیا۔ اور وہاں کی مسلم فوجوں کو قتل اور مسلم اقتدار کو زائل اور مسلم اموال وغیرہ پر قبضہ کیا۔ اور پھر ہر ہر فرقہ اور شعبہ ہائے حکومت سے مسلمانوں کو خارج کرنے اور ہندوؤں کو بڑھانے کی پالیسی جاری کی۔ (دیکھئے رسالہ ہندوستانی مسلمان مصنفہ ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر اور رسالہ حکومت خود اختیاری وغیرہ)

اب غور کی بات یہ ہے کہ اسلام اور مسلمانوں اور ہندوستانیوں کا روئے زمین پر دشمن سب سے زیادہ کون ہے اس کو سمجھئے اور کیا ہر مسلمان اور پھر ہندوستانی پر عقلاً" نقلاً" سیاستاً"۔ دیانتاً" فرض اور لازم نہیں ہے کہ ایسی غلامی اور بے بسی اور ہلاکت سے جلد از جلد نجات حاصل کرے اور جس قدر بھی آگے بڑھ سکے اس میں کوتاہی نہ کرے یہی چیز کانگریس کی نصب العین ہے اور اس کے لئے دن و رات اس کی جدوجہد جاری ہے۔ آج جو کچھ بھی کامیابی عہدوں اور جمہوری اسکیموں وغیرہ کی حاصل ہے اور جو ادارے کم و بیش آزادی کے ہیں۔ سب کانگریس ہی کی کوششوں کے نتائج ہیں اگر آپ تھوڑا سا غور کریں گے تو پتہ چلے گا کہ یہ فریضہ مسلمانوں کا ہندوستان میں بہ نسبت ہندوؤں اور دیگر اقوام کے بدرجہا زائد ہے جس کی وجوہات مخفی نہیں۔ مگر کانگریس کی جدوجہد خواہ کتنی ہی دھیمی کیوں نہ ہو۔ برطانوی اقتدار و شہنشاہیت کے لئے زہر ہلاہل سے زیادہ عام برطانویوں اور بالخصوص استبداد و قدامت پسندوں کی نظروں میں ہے۔ اس لئے وہ ہر طرح کانگریس کے

خلاف ہیں ابتداء سے کوششیں کرتے رہے۔

پہلے پہل مسٹر بیک (پرنسپل علی گڑھ کالج نے انفرادی کوششیں کیں۔ علیحدہ علیحدہ لوگوں کو مخالف بنایا۔ بالخصوص سر سید مرحوم کو سخت متنفر کیا۔ پھر سر آکلینڈ کالون گورنر یو،پی کو کانگریس کے بالمقابل لا کھڑا کیا مگر جب اس کام کو چلتا نہ دیکھا گیا تو اجتماعی کوششیں عمل میں لائی جانے لگیں چنانچہ اگست ۱۸۸۸ء میں علی گڑھ میں یونائیٹڈ انڈین پٹریاٹک ایسوسی ایشن قائم کی اور اس کے مندرجہ ذیل مقاصد ذکر کئے گئے۔

(الف) ممبران پارلیمنٹ اور انگلستان کے لوگوں کو بذریعہ رسائل و اخبارات کے مطلع کرنا کہ ہندوستان کی کل قومیں اور رؤسا اور والیان کانگریس میں شریک نہیں ہیں۔ اور کانگریس کی غلط بیانیوں کی تردید کرنا۔

(ب)مسلمانوں اور ہندوؤں کی انجمنوں کے خیالات سے جو کانگریس کے خلاف ہیں ممبران پارلیمنٹ اور انگلستان کو اطلاع دینا۔

(ج) ہندوستان میں امن و امان اور برٹش گورنمنٹ کے استحکام کی کوششیں کرنا اور کانگریس کے خیالات لوگوں کے دلوں سے دور کرنا۔ ایک ریزولیوشن پاس کیا گیا جس کے الفاظ حسب ذیل تھے۔

دیسی زبان میں فساد اور بغاوت خیز تقریر اور تحریر کا انسداد کرنے کے لئے گورنمنٹ سے درخواست کی جائے۔ ۱۸۹۰ء میں ایک عرض داشت بیس ہزار سات سو پینتیس دستخطوں سے مسٹر بیک نے انگلستان میں پارلیمنٹ میں بھجوائی جس کا مضمون تھا "اس ملک میں انتخاب باطریق جمہوریت کا جاری ہونا اس وجہ سے خلاف مصلحت ہے کہ یہاں مختلف اقوام کے لوگ بستے ہیں۔" یہ اس وجہ سے تھا کہ کانگریس نے ہندوستان میں جمہوری طریقہء حکومت کا مطالبہ کیا تھا۔ اس پر دستخط کرانے کے لئے خود مسٹر بیک دہلی گئے اور جامع مسجد کے دروازہ پر خود بیٹھے اور آنے جانے والے نمازیوں سے بذریعہ طلباء یہ کہہ کر دستخط کروائے گئے کہ ہندو گاؤ کشی بند کرانا چاہتے ہیں۔

۱۸۹۳ء میں محمڈن اینگلو اورینٹیل ڈیفنس آف اپر انڈیا قائم کی گئی کیونکہ ہندوؤں نے پیٹریاٹک ایسوسی ایشن سے آہستہ آہستہ کنارہ کشی اختیار کر لی تھی اور وہ مقاصد کو بھانپ گئے تھے اس لئے اب خصوصی پر مسلمانوں کو آلہ کار بنانا ضروری سمجھا

گیا۔ ایسوی ایشن مذکور کے مقاصد حسب ذیل تھے۔

(الف) مسلمانوں کی رائیں انگریزوں اور گورنمنٹ ہند کے سامنے پیش کر کے مسلمانوں کے سیاسی حقوق کی حفاظت کرنا۔

(ب)عام سیاسی شورش کو مسلمانوں میں پھیلنے سے روکنا۔

(ج) ان تدابیر میں امداد دینا جو سلطنت برطانیہ کے استحکام اور سلطنت کی حفاظت میں ممد ہوں ہندوستان میں امن قائم رکھنے کی کوشش کرنا اور لوگوں میں وفاداری کے جذبات پیدا کرنا۔ مسٹر بیگ اس ایسوی ایشن کے قائم کرنے کے بعد انگلستان گئے اور وہاں انجمن اسلامیہ لندن میں ایک لیکچر دیا جو نیشنل ریویو میں شائع ہوا اور علی گڑھ کالج میگزین نے اس کا ترجمہ مارچ اپریل ۱۸۹۵ء کے پرچوں میں شائع کیا۔ جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

(الف) اینگلو مسلم اتحاد ممکن مگر ہندومسلم اتحاد ناممکن۔ آپ نے فرمایا کہ ہندوستان کے لوگ مذہب کی بنا پر آپس میں لڑتے ہیں۔ یہاں ہندو مسلم کے مذہبی انہماک میں کوئی علامت زوال کی نہیں پائی جاتی بلکہ جو لوگ ان مذہبوں کے ماننے والے ہیں ان میں عداوت روز افزوں ہے۔ مسلمان اورنگزیب پر ناز کرتے ہیں۔ لیکن گرو گوبند سنگھ اور سیوا جی کے ماننے والوں کو اس نام سے نفرت ہے دونوں قوموں میں ازدواج باہمی ناممکن ہے اور اس وقت ہندوؤں کی ہزارہا ذاتیں ہیں جو اس بات کو گنہ جانتی ہیں ہندوستان کے لوگوں کے لئے یہ امر ناممکن ہے کہ وہ اتفاق کر کے جمہوری طرز سلطنت اپنے اوپر خود حکمران بنیں۔"

حالانکہ مسٹر بیگ نے جو ہندو مسلم نفاق کا گیت گایا ہے وہ بالکل غلط ہے وہ انگریزوں ہی کا پیدا کیا ہوا پھل ہے جو کہ اپنی مستبدانہ حکومت کے بقا کے لئے ہندوستان میں بویا اور پھر ان کو کھلایا گیا ہے۔ ان کے اقتدار و حکومت سے پہلے یہ تفارق نہ تھا۔ چنانچہ ڈبلیو ایم ٹارانس اپنی کتاب (ایشیا میں شہنشاہیت) میں لکھتا ہے۔

---"سیوا جی کو متعصب اور سلطان ٹیپو کو کٹر مذہبی کہا جاتا ہے لیکن جس وقت ہم نے جنوبی ہند کی ریاستوں میں دخیل ہونا شروع کیا اس وقت ان کے یہاں اس قسم کے مذہبی تنفر کا کہیں نام تک نہ تھا............ ٹھیک اس وقت ہندوستان کے اندر ہر شہر اور شاہی دربار

میں ہندو مسلمان عزت اور سرمایہ کمانے میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے میں آزاد تھے۔"

(روشن مستقبل صفحہ ۲۸)

اسی طرح سر جان مینارڈ اور دوسرے مورخین بتلاتے ہیں کہ انگریزوں سے پہلے ہندو مسلمانوں میں جذبہائے نفرت و جنگوئی موجود نہ تھے یہ پھل برطانوی کاشت تعلیم کا نتیجہ ہے۔ مسٹر بیک نے اس ایسوسی ایشن کے افتتاح کے وقت جو تقریر کی تھی اس کا اقتباس بھی قابل غور ہے۔

----"چند سال سے دو قسم کے ایجی ٹیشن (شورشیں) ملک میں زور و شور پر ہیں۔ ایک نیشنل کانگریس اور دوسرے گاؤکشی کے انسداد کی تحریک، ان میں سے تحریک اول صریحاً" انگریزوں کے خلاف ہے اور تحریک ثانی مسلمانوں کے برخلاف ہے نیشنل کانگریس کے مقاصد یہ ہیں کہ پولٹیکل حکومت گورنمنٹ انگریزی سے ہندو رعایا کے بعض فرقوں کی طرف منتقل کر دی جائے حکمراں جماعت کمزور کر دی جائے لوگوں کو ہتھیار دے دیئے جائیں اور فوج اور سرحد کو کمزور کر کے فوج کا خرچہ گھٹایا جائے۔.....................

ان دونوں شورشوں کی وجہ سے مسلمان اور انگریز دونوں نشانہ بنے ہوئے ہیں اس لئے مسلمانوں اور انگریزوں کو اتحاد کر کے ان تحریکوں کا مقابلہ کرنا چاہئے اور جمہوری سلطنت کے اجراء کو اس ملک میں روکنا چاہئے جو اس ملک کے حسب حال نہیں ہے اس لئے ہمیں حقیقی وفاداری اور اتحاد عمل کی تبلیغ کرنی چاہئے۔"

(روشن مستقبل صفحہ ۲۷۳)

مسٹر بیک نے مسلمانوں کو کانگریس کے خلاف کرنے میں ہمیشہ اپنی سرگرم اور انتہائی جدوجہد جاری رکھی جس کا عظیم الشان اثر خود سرسید اور تمام کارکنان علی گڑھ کالج اور عام تعلیم یافتہ مسلمانوں پر ہوا۔ اور وہ بڑی چیف جسٹس ہائیکورٹ (جو کہ کنسرویٹو اینگلو انڈین جماعت کے ممبر تھے۔) مسٹر بیک کی وفات پر ایک مضمون شائع کرتے ہیں جس کے فقرات ذیل قابل غور ہیں۔

---"ایک ایسے انگریز کا انتقال ہوا ہے جو دور دراز ممالک میں سلطنت

کی تعمیر میں مصروف تھا اس نے مثل ایک سپاہی کے اپنا فرض انجام دیتے ہوئے جان دی ہے مسلمان ایک شکی قوم ہے اس لئے جب مسٹر بیک اول آئے تو ان کا طریقہ مخالفانہ تھا۔ ان کا پہلا خیال یہ تھا کہ مسٹر بیک گورنمنٹ کی طرف جاسوس مقرر ہو کر آئے ہیں۔ مگر ان کی سادہ دلی اور بے نفسی کا یہ اثر ہوا کہ وہ رفتہ رفتہ ان پر اعتبار کرنے لگے۔

(علی گڑھ منتھلی ۱۸۹۹ء روشن مستقبل صفحہ ۲۹۶)

مسٹر بیک کے انتقال کے بعد جو کہ ۱۸۹۹ء میں ہوا۔ مسٹر ماریس پرنسپل علی گڑھ کالج مقرر ہوئے موصوف پہلے ہی سے کالج میں پروفیسر تھے جب علی گڑھ میں کانگریس کے خلاف انڈین پیٹریاٹک ایسوسی ایشن قائم ہوئی تھی تو انہوں نے انگلستان میں مسلمانوں کا سیاسی پروپیگنڈہ کرنے کے لئے اپنے مکان پر اس کی شاخ قائم کی تھی۔ اس کے بعد وہ مسلمانوں کے تعلیمی اور سیاسی کاموں میں مسٹر بیک کے شریک کار رہے۔ مسٹر بیک نے پرنسپل رہ کر چونکہ پندرہ سال تک مسلمانوں کی سیاسی رہنمائی کی تھی۔ اس لئے ان کے بعد مسٹر ماریس نے بھی کالج کے پرنسپل ہو کر سیاسی کام میں مسٹر بیک کی قائم مقامی کی اور پانچ برس تک کام کرتے رہے ان کے بعد مسٹر آرچ بولڈ پرنسپل ہوئے۔ یہی مسٹر آرچ بولڈ ہیں جن کی اور کرنل ڈنلاپ اسمتھ پرائیویٹ سیکریٹری وائسرائے کی سعی سے سر زمین شملہ پر وفد بلایا گیا جس میں مسلمان رؤسا اور اہل خطاب و ثروت تقریباً پینتیس آدمی شریک تھے۔ سر آغا خان صدارت کرنے کے لئے سیدھے ولایت سے آئے اور شملہ پہنچ کر لارڈ منٹو کے سامنے فرائض صدارت انجام دیتے ہوئے وہ ایڈریس پیش کیا جس کا مسودہ کرنل ڈنلاپ نے تیار کیا تھا اور یہی ڈیپوٹیشن لیگ کا سنگ بنیاد تھا۔

مندرجہ بالا مختصر واقعات سے آپ بخوبی اندازہ کر سکیں گے کہ کانگریس سے دور رکھنے اور متنفر کرنے کے لئے حکومت برطانیہ کے کھلاڑیوں نے مسلمانوں کے ساتھ کیا کیا کھیل کھیلے ہیں جن کا سلسلہ برابر جاری ہے انہیں کھیلوں میں سے مسلم لیگ بھی ہے جس کی سرپرستی آج تک حضور وائسرائے لارڈ لنلتھگو اور وزیر ہند وغیرہ فرما رہے ہیں خلاصہ یہ ہے کہ کانگریس کا قصور یہ ہے کہ وہ ہندوستان میں اقتدار شہنشاہیت کو ختم کرنا چاہتی ہے اور ہندوستان کو مکمل آزاد دیکھنا چاہتی ہے۔ اس میں بلا شبہ رجعت پسندان انگلستان کی موت ہے جو قدم بھی کانگریس کا آگے بڑھے گا

انگلستان کو اس سے ضرور کچھ نہ کچھ نقصان پہنچے گا۔ مگر چونکہ برطانیہ کانگریس کو علانیہ طور سے ہر زمانہ اور ہر حالت میں انٹرنیشنل وجوہ اور آزادی پسند کے دعاوی وغیرہ اور سابقہ مواعید کی بنا پر بالکل کچل ہی نہیں سکتی اس لئے مختلف قسم کی تدابیر عمل میں لائی جاتی ہیں انہیں میں سے مسلم لیگ ہندو مہاسبھا کا بھی قیام ہے جو کہ متوازی طور پر ۱۹۰۶ء میں ہی لیگ کے ساتھ ساتھ ظہور پذیر ہوا۔

اور آپ اس کو بھی بخوبی سمجھ گئے ہوں گے کہ لیگ میں نوابوں، سروں، تعلق داروں، خانبہادروں، خانصاحبوں وغیرہ اور ان کے تمام اذناب اور پرستاران حکومت جوق در جوق داخل ہونے کا سبب کیا ہے انہیں پروپیگنڈوں سے عام مسلمان بھی دھوکہ میں ڈالے گئے اور ڈالے جا رہے ہیں۔ ان بیچاروں کو نہ حقیقت کی خبر ہے نہ پرانی باتیں یاد ہیں۔

ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ بادشاہ وقت اگر دن کو رات کہنے لگے تو لوگ اس کو نہ صرف سچ کہیں گے بلکہ اس کے لئے ستارے اور چاند وغیرہ بھی دکھلانے کے لئے تیار ہو کر کہنے لگیں گے (اینک ماہ و پرویں مشہور ہے)

عرصہء دراز سے برطانیہ کی طرف سے دنیا میں بھی ڈھنڈورہ پیٹا جا رہا ہے کہ ہم جمہوریت اور آزادی کے ہی دلدادہ ہیں مگر کیا کریں کہ ہندوستانیوں میں آپس میں سخت اختلافات ہیں نہ ان کے پاس کوئی متفقہ پروگرام ہے نہ ان کے آپس میں ایک دوسرے پر اعتمادات ہیں نہ اقلیتوں کو اکثریت سے کوئی اطمینان ہے اس لئے اگر ہم ہندوستان چھوڑ کر چلے ہی آئیں تو یقیناً" مسلم اقلیت برباد ہو جائے گی اور ہندو مجارٹی اس کو بالکل فنا کر دے گی۔ جس کی پیہم صدا عرصہ سے مسلم لیگ اور اس کے قائداعظم اٹھا رہے ہیں کیا آپ واقعات حاضرہ سے یہ پتہ نہیں چلا سکتے کہ مسلم لیگ نے آزادی ہند میں سنگ گراں اور عظیم الشان رکاوٹ بن کر برطانوی امپیریلزم کو کس قدر نفع پہنچایا ہے اور آزادی ہند میں کس قدر نقصان پہنچا رہی ہے نیز آئندہ کے لئے بھی ہندوستان کی آبادی کے لئے غلامی کس قدر سامان مہیا کر رہی ہے۔

سوال (٦) کانگریس میں کیا نقصان ہے کہ خلق خدا اس کو اچھا نہیں سمجھتی؟

جواب۔ اس کا جواب مندرجہ بالا معروضات سے صاف ظاہر ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس میں نقصان یہ ہے کہ وہ برطانوی شہنشاہیت کی ایک ایک کڑی کو

ہندوستان سے ہٹا اور مٹا دینا چاہتی ہے رجعت پسند انگریز اس کو اپنی قوم اور شہنشاہیت کی موت دیکھتا ہے اس لئے اپنے تمام طاغوتوں اور پرستاروں کے ذریعہ وہ عام ہندوستانیوں کو اس سے متنفر کرنا چاہتا تھا مگر اس میں کامیابی نہ ہوئی تو مسلمانوں پر جادو کیا اور یہاں یہ جادو چل گیا جس کا نتیجہ ظاہر ہے۔

سوال (نوٹ) آپ فرماتے ہیں کہ ہم اپنی موٹی عقل کے مطابق یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ مسلم لیگ کی جماعت اور کانگریس کی جماعت یہ دو طاقتیں جو انگریزوں سے ملک ہندوستان کی آزادی چاہتے ہیں جس سے اپنے ملک کو دنیوی فائدہ پہنچائیں اور اپنی رائے کے موافق قانون بنائیں مگر حضور کی رائے اس کے خلاف ہے۔

جواب آپ کی رائے دربارہ کانگریس صحیح ہے اور دربارہ لیگ غلط ہے مذکورہ بالا تصریحات سے اس غلطی کی وضاحت ہوتی ہے بلکہ یہ امور بتلا رہے ہیں جو بیان رائزو یکلی نے اپنی ہفتہ وار ڈائری میں شائع کیا تھا کہ "مسٹر جناح ہندوستان کی آزادی نہیں چاہتے" بالکل صحیح اور سچ ہے اخبار مذکور نے ایک امریکی نامہ نگار کی ایک کتاب کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ نامہ نگار نے گاندھی جی سے ملاقات کے دوران میں کہا

"یہ کتنا افسوس ناک ہے کہ کانگریس اور مسلم لیگ سر اسٹیفورڈ کرپس سے تو باتیں کرنے کو تیار ہیں لیکن آپس میں ان کی گفتگو نہیں۔ اس پر گاندھی جی نے کہا کہ افسوس ناک نہیں شرمناک ہے اور اس میں قصور لیگ کا ہے جب جنگ شروع ہوئی تو لارڈ لنلتھگو نے ہمیں بلایا۔ میں اور راجن بابو کانگریس کے نمائندوں کی حیثیت سے گئے۔ اور مسٹر جناح لیگ کے نمائندے کی حیثیت سے ہم نے مسٹر جناح کو تجویز پیش کی جس میں ہندوستان کے لئے آزادی کا مطالبہ کرنا چاہا لیکن مسٹر جناح نے صاف جواب دیا کہ "مجھے آزادی کی ضرورت نہیں۔"

(مدینہ بجنور مورخہ ۱۳ اپریل ۱۹۴۴ء)

خود مسٹر جناح بار بار یہ تصریح فرما چکے ہیں کہ برطانیہ سے ڈائرکٹ ایکشن اسلامی مفاد کے خلاف ہے دیکھو اجمل بمبئی مورخہ ۱۷ جنوری ۱۹۴۵ء حکومت کی طرف سے ان کے مطالبات کی یکے بعد دیگرے بے شمار مخالفتیں اور بے پروائیاں ہوتی رہی ہیں مگر کوئی ایسا قدم لیگ نے آج تک نہیں اٹھایا جس میں عافیت اور راحت کو خطرہ

ہو۔ نہ آج تک قائداعظم نے کوئی ایسی قربانی کی۔ کیا ایسی جماعت آزادی حاصل کر سکتی ہے صرف دھمکیوں سے دنیا میں کوئی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ آئینی احتجاجات سے اگر کام نکلا تو یہ عظیم الشان جنگوں کے ظہور کی نوبت نہ آتی۔ کیا لات کا بھوت بات سے مان سکتا ہے۔

سوال بلکہ حضور کی یہ رائے ہے کہ مسلم لیگ کے مقابلہ میں علمائے اسلام کی قوت ہو اور جماعت مسلم لیگ نہ ہو۔ اور اس کے بدلے میں جماعت علماء اسلام کی قوت اور کانگریس کی قوت سے آزادی ملے۔ کیونکہ علمائے اسلام قوانین شریعت سے واقف ہیں۔ سو جو قانون علمائے اسلام کے دماغ سے بنے گا وہ شرعی ہو گا سو اس میں فائدہ اسلام ہے اور مسلم لیگ کے رہنما شریعت سے بے خبر ہیں سو اس کی قوانین ساختگی اسلامی نہیں ہو گی للذا مسلم لیگ جماعت شریعت کو مضر ہے اور جناب کی رائے مبارک میں اسلامی فائدہ ہے۔ یہ مضمون میرا خیال ہے الخ

جواب۔ محترما! یہ خیال غیر واقعی ہے ہم کو کوئی ذاتی عناد لیگ سے نہیں اور نہ کسی دوسری مسلم جماعت سے۔ ہم تمام مسلمانوں کو بھائی بھائی دیکھتے ہیں اور اپنی طاقت کے مطابق ان کی خدمت کرنا اپنا فریضہ سمجھتے ہیں۔ یہ دستور ہمارا شخصی اور اجتماعی دونوں طریقوں پر رہا ہے اور آج تک جاری ہے خلافت کمیٹی قائم کی گئی ہم نے اس میں بطیب خاطر شرکت کی۔ ہم نے صدارت' نظامت' عہدے وغیرہ اور تفوق کا مطالبہ نہیں کیا۔ اگر کوئی عہدہ دیا گیا' اس کے فرائض انجام دیئے۔ نہیں دیا گیا' تو شکایت نہیں کی۔ خلافت کی تاریخ دیکھئے۔ بیشک ہم لیگ سے ہمیشہ علیحدہ رہے تھے۔ صرف اس لئے کہ وہ پرستاران برطانیہ اور رجعت پسندوں اور خودغرضوں کی جماعت تھی۔ مگر جبکہ ۳۶ ۔ ۱۹۳۷ء میں ہم کو بلایا گیا اور آزاد خیالی کا دعوی کرتے ہوئے یہ ضمانت دی گئی کہ شرعی امور اور ان قوانین میں جن کا تعلق مذہب سے ہو گا ان میں جمعیت العلماء کی رائے کا اتباع کیا جائے گا تو ہم سچا وعدہ سمجھ کر مطمئن ہو گئے اور لیگ کے ساتھ اشتراک عمل پوری جدوجہد کے ساتھ کرنے لگے جس کی نظیر خود لیگ کے اعلیٰ اور ادنیٰ کارکنوں میں بھی پائی نہیں گئی۔ مگر جب ہم نے دیکھا کہ وہ وعدے بالکل بھلا دیئے گئے۔ بلکہ قصداً" اور علاناً" توڑ دیئے گئے تو ہم کو بجز علاحدگی کوئی چارہ نظر نہیں آیا۔ تاہم ہم نے کوئی مخالفانہ یا جارحانہ یا رکاوٹوں کا معاملہ نہیں قائم کیا۔ نہ ہم نے سب و شتم افتراء پردازی' بدگوئی یا بے عزتی کرنے

کا طریقہ اختیار کیا۔ بلکہ سکوت اور اطمینان اور سلیقوں کے ساتھ اپنا کام جاری رکھا۔ ہم پر ہر قسم کے تشدد کیئے گئے اور چھوٹے رسالے مضامین، پمفلٹ شائع کیئے گئے۔ تقاریر اور تدابیر ہر قسم کی عمل میں لائی گئیں۔ سب و شتم، افتراء پردازی اور جھوٹ بولنے کی تذلیل و توہین کی جدوجہد کی گئی۔ مگر ہم نے کوئی جواب دینا یا مقابلہ کرنا درست نہ سمجھا۔ یہ سب خلاف تہذیب اسلامی اور اسلامی شرافت کے منافی باتیں ہیں۔

آپ گذشتہ معروضات میں سے جو کہ واقعات میں سے بہت تھوڑی ہیں اندازہ کر سکے ہوں گے کہ کس طرح قانون بنانے میں عمداً" اسلام اور مذہب کے خلافت کاروائیاں ہوئیں اور ہو رہی ہیں اگر اسمبلیاں اور کونسلیں صرف دنیاوی انتظام تک محدود رہتیں تو ممکن تھا کہ چشم پوشی روا رکھی جاتی۔ مگر ان حضرات نے امور مذہبیہ قدسیہ کے متعلق بھی بل پیش کیئے اور پاس کرائے۔ ہم نے احتجاجات کیئے مگر کوئی توجہ نہیں کی گئی۔ اگرچہ بعض امور میں ہم کو کامیابی بھی ہوئی اور بعض امور میں نصف یا چوتھائی کامیابی ہوئی۔ مگر بہت سے امور میں بالکل کامیابی نہیں ہوئی۔ جیسے شاردا بل، شریعت بل، خلع بل خوراک حجاج بل وغیرہ وغیرہ

یہ حضرات نہ صرف ناواقف ہیں بلکہ صراحتہ" فخر کرتے ہیں کہ ہم نے علماء کے اقتدار کو مٹا دیا مذہب اور مذہبی لوگوں کو جب تک مٹا نہ دیا جائے گا مسلمانوں کی ترقی نہیں ہو سکتی ہم پردہء مستورات کو مٹا دیں گے وغیر وغیرہ۔ اب آپ ہی فرمائیں کہ اب ہمارے لئے چارہء کار کیا ہے

ع چیست یاران طریقت بعدازیں تدبیرما

پھر اس پر طرہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کی واحد نمائندگی کا دعوی کیا گیا۔ اس لئے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ جمعیّت علماء بھی سیاسی اور مذہبی رہنمائی مسلمانوں کی کرے۔ مسلمان مذہب کو مضبوط پکڑے بغیر ترقی نہیں کر سکتے۔ اگر مذہب کو چھوڑ کر ترقی پذیر ہوں اور آسمان پر پہنچ جائیں تو اسلام کی ترقی نہ ہو گی۔ ہم مسلمانوں کی زندگی اور ترقی بغیر آزادی ہند نہیں دیکھتے۔ چنانچہ ظاہر ہے غلامی ان کو، اور بیرون ہند کے مسلمانوں کو برباد کر رہی ہے آپؑ فرماتے ہیں کہ خلقت میں جناب کے حق میں بہت ہی بدظنی پھیلائی جا رہی ہے جس کو سن سن کر طبیعت تنگ آرہی ہے جناب عالی! یہ تو سنت انبیاء علیہم السلام ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلیہ وسلم سے کیا

کیا نہیں کیا گیا مجھ سے یا میرے رفقاء سے بدظنی پھیلانے کی کوشش یہ سب برطانوی پروپیگنڈہ ہے جو کہ (Divide and role) (لڑاؤ اور حکومت کرو) کے ماتحت مدتوں سے جاری ہے۔ البتہ اس کے عنوان اور رنگ بدلتے رہے کاش سادہ لوح مسلمان سمجھیں اور دوست دشمن کی تمیز کریں۔وعلی اللہ التکلان

میں نہایت عدیم الفرصت ہوں۔ اس لئے جواب میں تاخیر ہوئی۔ معاف فرمائیں۔

والسلام

ننگِ اسلاف :۔ حسین احمد غفرلہٗ

۱۲ شوال ۱۳۶۴ھ ۱۸ ستمبر ۱۹۴۵ء

مسلم لیگ کی آٹھ مسلم کُش سیاسی غلطیاں

پہلی سیاسی غلطی

حامدً و مصلیاً۔ اَمّا بعد۔ جس طرز حکومت کے متعلق موجودہ احوال میں ہندوستان کے لئے وعدے ہو رہے ہیں اور اس کے سوا کسی دوسرے طریقہ کا بظاہر کوئی سامان نہیں ہے۔ وہ آئینی جمہوری حکومت ہے۔

یہ طرز حکومت صرف ووٹوں کی اکثریت اور سروں کے گننے اور ان کے زیادہ ہونے پر موقوف ہے۔ سروں کے کاٹنے سے فیصلہ کرنا تو اقلیت کو کامیاب بنا سکتا ہے۔ گر سروں کے گننے کا فیصلہ کرنا' بجز اکثریت کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ جس جماعت کی اکثریت ہو گی' وہی کامیاب ہو گی۔ چاہے وہ اکثریت صرف ایک ہی کی زیادتی پر موقوف ہو۔

اس لئے اس طرز حکومت میں اکثریت بنانی اشد ضروری ہے۔ ہندوستانی تاریخ بتلاتی ہے کہ اس ملک میں کبھی بھی اکثریت کی حکومت آج تک نہیں رہی ہے مگر برطانیہ اسی طرز حکومت کو ہندوستان میں چلانا چاہتا ہے۔ اور اسی کی داغ بیل اس نے عرصہ سے ڈال رکھی ہے۔ زعماء ہندوستان بھی خواہ ہندو ہوں یا مسلمان سکھ ہوں یا پارسی۔ اسی کو سراہ رہے ہیں اور بجز اس کے ہندوستان میں اور کوئی طریقہ کامیاب نہیں دیکھتے۔ یہی طریقہ انگلستان میں رائج ہے چونکہ کوئی قوم اور پارٹی جو کہ ملک میں عددی اکثریت رکھنے والی ہو۔ اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ اس کی آئینی اکثریت بھی تسلیم نہ کر لی جائے۔ اس لئے ہر جماعت کے لئے اپنی آئینی نشستوں کو زیادہ سے زیادہ کرانا اور اقلیت میں آنے سے محفوظ ہونے کی کوشش کرنا از بس ضروری ہے۔

یہ کھلی ہوئی بات ہے کسی غور و خوض کی ضرورت نہیں اور نہ پیچیدہ مسئلہ ہے مگر ۱۹۰۶ء میں لکھنؤ کے اجلاس کانگریس زیر صدارت امبکا چرن مزدار اور اجلاس مسلم لیگ بصدارت مسٹر محمد علی جناح میں معاہدہ ہوا۔ جس کو میثاق ملی کے نام سے مشہور کیا گیا۔ اس میں منجملہ دیگر شرائط دفعہ ۴ حسب ذیل تھی۔

نام صوبہ	مسلمانوں کی فیصدی آبادی	کونسل میں مسلمان ممبروں کی فیصدی تعداد	آبادی کی نسبت سے مسلمانوں کی کمی یا بیشی
پنجاب	۵۵ فیصدی	۵۰ فیصدی	۵ -
بنگال	۵۳ "	۴۰ "	۱۳ -
بمبئی	۲۰ "	۳۳ "	۱۳ +
یوپی	۱۴ "	۳۰ "	۱۶ +
بہار	۱۰ "	۲۹ "	۱۹ +
مدارس	"	۱۵ "	۸ +
صوبہ متوسط		۴ "	۱۵ " ۱۱ +

اس میثاق میں مسلمانوں کو صوبہ بنگال و پنجاب میں (جہاں پر ان کی تعداد اُس زمانہ میں تین کروڑ انچاس لاکھ چار سو چالیس (۳۴۹۰۰۴۴۰) تھی اور بہ نسبت باقی ماندہ پانچ صوبوں کی مجموعی تعداد کے بھی' بہت زیادہ تھی) بالکل فنا کے گھاٹ اتار دیا گیا اس وقت مسلمانوں کی تعداد ہندوستان میں چھ کروڑ چھیاسٹھ لاکھ سینتالیس ہزار دو سو ننانوے (۶۶۶۴۷۲۹۹) تھی۔

اگرچہ اقلیت والے صوبوں کو زیادہ نشستیں بہ نسبت آبادی کے دی گئیں تھیں مگر وہ تقریباً فضول اور بے اثر تھیں۔ کیونکہ ان زیادہ سیٹوں کی وجہ سے وہ اقلیتوں سے نہیں نکلتے اور نہ ان کی اقلیت اس زیادتی کے ساتھ بھی تہائی فیصدی تک پہنچتی ہے ان کو بہرحال کسی فیصلہ میں کامیابی کے لئے دوسروں کے سہارے کی ضرورت رہتی ہی۔

صوبہ بنگال اور پنجاب کے مسلمان اپنی اپنی اکثریت کھو دینے کی وجہ سے ہر امر میں دوسروں کے محتاج ہو جاتے ہیں۔ کوئی فیصلہ بھی اپنے استقلال سے نہیں کر سکتے۔ مسٹر جناح جو کہ اس ظلم و ستم اور مسلم اکثریت کشی کے بڑے ذمہ دار ہیں (کیونکہ وہ ہی اس وقت پیش پیش اور لیگ کے اجلاس کے صدر تھے) آل پارٹیز کے اجلاس منعقدہ ۲۴ جنوری ۱۹۲۵ء بمقام دہلی اس بے عنوانی اور مسلم کشی کی وجہ مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان فرماتے ہیں۔

"میثاق لکھنؤ کس طرح وجود میں آیا۔ پنجاب اور بنگال میں مسلم اکثریت میں تھے۔ بنگال میں ۵۶ فیصدی تھے اور پنجاب میں ۵۴ فیصدی مسلمانوں کی عام پستی دیکھ

کر یہ دلیل بیان کی جاتی تھی کہ اگر مسلمانوں کو آبادی کے تناسب سے حکومت میں
حصہ دیا گیا تو ایسا ہی ہے۔ جیسے کہ کسی کو اس کی جہالت اور نااہلیت پر انعام دیا
جائے۔ اس لئے یہ تجویز ہوئی تھی کہ ان دونوں صوبوں میں انتخاب مشترکہ کر دیا
جائے۔ مگر مسلمانوں نے شکایت کی کہ اگر مشترکہ انتخاب رکھا گیا تو ان کی ووٹ
دینے کی قوت ختم ہو جائے گی۔ اور وہ دس پانچ فیصدی نشستیں بھی نہ حاصل کر
سکیں گے۔ اس جگہ مسٹر جناح نے متوجہ کیا کہ اس ترقی کے باوجود جو دونوں قوموں
نے کی ہے یہ واقعہ ہے کہ پولنگ کے وقت زیادہ تر جذبات کی کارفرمائی ہوتی ہے۔
اور ووٹر اپنے ہم مذہب ہی کو ووٹ دیتے ہیں جب یہ طے ہو گیا کہ نااہلیت پر انعام
نہ دیا جائے تو اس پر معاملہ طے ہو گیا کہ پنجاب کے مسلمانوں کو ۵۰ فیصدی اور
بنگال کے مسلمانوں کو ۴۰ فیصدی نشستیں دی جائیں۔ جب پارلیمنٹ میں ریفارم بل
پر بحث ہوئی تو گورنمنٹ آف انڈیا نے بنگال کی نشستوں کے بارے میں میثاق لکھنؤ
کی مخالفت میں ایک تحریر بھیجی کیونکہ اس میثاق کی رو سے بنگال کی ۵۶ فیصدی
آبادی کو صرف ۴۰ فیصدی نشستیں ملی تھیں۔ لیکن ہندو اور مسلمان قابل تعریف
طریقہ پر میثاق لکھنؤ پر اڑے رہے اور جوائنٹ پارلیمنٹری کمیٹی نے بھی اس میثاق
کی تصدیق کر دی۔"

(انڈین کوارٹرلی سہ ماہی رجسٹر ۱۹۲۵ء جلد ۱ صفحہ ۶۸)

یہ تقریر مسٹر جناح کی نہایت مہمل اور غیر معقول تھی۔ ایسی ہی غیر معمول باتیں
تو انگریز بھی ہندوستانیوں کو آزادی نہ دینے میں کہتا ہے۔

(الف) ہر قوم کا اور ہر ملک کا حق ہے کہ وہ آزاد رہے اور اپنے لئے خاطر خواہ
دستور بنائے جیسا کہ ابراہیم لنکن بانی جمہوریت امریکہ کا مشہور مقالہ ہے "کسی
دوسری قوم کو کسی کی آزادی چھیننے کا اور اپنے دستور پر لوگوں کو مجبور کرنے کا حق
نہیں ہے۔ خواہ وہ تعلیم یافتہ ہوں یا غیر تعلیم یافتہ۔" اس لئے حکومت برطانیہ جو کہ
غاصب اور ظالم اور ڈاکو ہے ہندوستانیوں کو حکومت دینے میں انعام دینے والی نہیں۔
بلکہ ان کے حق کو واپس دینے والی ہے۔ غصب کرنے والے اور ظالم کا فریضہ ہے
کہ غصب کی ہوئی چیز کو جس سے غصب کیا ہے جلد واپس کر دے خواہ مغصوب
منہ اہل ہو یا نااہل۔ اور اگر اہل ہونا ہی شرط ہو تو غاصب کو کیا حق ہے کہ اس کی
اہلیت کا فیصلہ کرے۔ بہرحال یہ نظر اصل سے ہی غلط ہے کہ اپنے ملک پر حکومت

میں کوئی حصہ دینا انعام ہے۔ اس لئے اس کو صرف اہل ہی کو دینا چاہئے۔
(ب) اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ انعام ہے اور اہل ہی کو ملنا چاہئے غیر تعلیم یافتہ اہل نہیں ہے تو چاہئے کہ سارے ہندوستان کو نہ سلف گورنمنٹ دی جائے، نہ آزادی کامل نہ ڈومینین اسٹیٹس نہ اور کسی قسم کی حکومت کیونکہ ہندوستان کی تمام آبادی میں تعلیم یافتہ دس فیصدی بھی نہیں ہیں۔ اور انگریزی تعلیم یافتہ تو جن کو مسٹر جناح اور ان کے ہم خیال تعلیم یافتہ سمجھتے ہیں۔ ۲ فیصدی بھی نہیں ہیں اس لئے جب تک کہ یہ لوگ کم از کم نوے فیصدی تعلیم یافتہ نہ ہو جائیں، ان کو کسی قسم کی حکومت نہ ملنی چاہئے اور پھر جس مقدار سے تعلیم یافتوں کی ترقی ہو رہی ہے زمانہ سابق کے معیار کو دیکھیں تو تقریباً" ایک ہزار سال کی ضرورت ہے جب کہیں یہ ملک یوروپین ممالک کی طرح تعلیم یافتہ ہو سکے گا۔ اس لئے کئی سو برس تک انتظار کرنا چاہئے۔
(ج) اگر یہ بات صحیح ہے تو پھر بنگال اور پنجاب کو پاکستان بھی نہ ملنا چاہئے اس کی ذمہ داریاں تو بہت ہی زیادہ ہیں۔
(د) اپنے ہم مذہبوں یا رشتہ داروں کو ووٹ دینا کیا مسٹر جناح کے تسلیم کردہ ممالک میں نہیں پایا جاتا۔
(ہ) اہلیت اور نااہلیت کا اندازہ کرنا بھی مسٹر جناح اور ان کے ہمنواؤں کے قول پر نہیں ہے۔ الغرض یہ تقریر اور وجہ بالکل غلط اور پوچ تھی جو کہ اپنی غلطی یا خیانت کے چھپانے کے لئے بیرسٹرانہ طریقہ پر (جن کا کام ہمیشہ جھوٹے کو سچا اور سچے کو جھوٹا بنانا ہے) تھی۔ یقیناً مسلمانان بنگال و پنجاب پر اس میثاق سے سخت ظلم ہوا۔ یہ بھی غلط بات ہے کہ اگر مخلوط انتخاب ہو تو مسلمانوں کے ووٹ کی قوت ختم ہو جائے گی۔ اور پانچ فیصدی نشستیں نہ حاصل کر سکیں گے۔ یہ خطرہ تو جب ممکن ہے کہ ان کی اکثریت آبادی میں نہ ہو۔ نیز یہ خطرہ نشستوں کی تعین کے وقت میں بالکل نہیں رہتا۔

الحاصل اس منحوس میثاق کی بناء پر مسلمان تمام ہندوستان میں آئینی اقلیت میں آگئے۔ کہیں بھی ان کا استقلال باقی نہیں رہا۔ اسی بناء پر صاحب روشن مستقبل لکھتا ہے کہ۔

"اگر مسلمانوں کو پنجاب اور بنگال میں مردم شماری کے مطابق نشستیں مل جاتیں

تو ان دونوں صوبوں کی کونسلوں میں ان کی اکثریت ہو جاتی اور اس وقت سے پچیس سال قبل ہی پاکستان کی بنیاد قائم ہو جاتی۔ اور چونکہ ان دونوں صوبوں میں مسلمانوں کی تعداد ہندوستان کے باقی ماندہ تمام صوبوں کے مسلمانوں سے زیادہ تھی۔ اس لئے مسلمانوں کی زیادہ آبادی کو کونسلوں میں اکثریت حاصل ہو جاتی۔"

لیکن براہو کج فہمی اور نفسانی اغراض اور تکبر کا کہ یہ دھوکا کھایا گیا کہ مسلمانوں کی ہر صوبہ میں اتنی تعداد ہونی چاہئے کہ وہ پاسنگ ہو جائیں۔ اگر برادران وطن کے ساتھ ہو جائیں تو حکومت کو اور حکومت کے ساتھ ہو جائیں تو برادران وطن کو شکست دے سکیں۔ مگر یہ پالیسی بالکل غلط پالیسی تھی۔ اتنی اقلیت کے ساتھ وہ ہر صوبہ میں اس کو بھی حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ متعدد صوبوں میں وہ حکومت کے ساتھ بھی مل کر برادران وطن سے اکثریت میں نہیں آ سکتے تھے اور نہ ان کو شکست دے سکتے تھے پھر بااین ہمہ ان کی پالیسی ڈانواڈول پالیسی ہو کر رہ جاتی ہے کوئی مستقل پالیسی باقی نہیں رہتی۔

یہ آئینی غلطی معمولی غلطی نہ تھی جس کے مرتکب لیگ کے زعماء ہوئے تھے۔ مولانا محمد علی جوہر مرحوم اور مولانا ابوالکلام آزاد اور دوسرے سمجھ دار اور مخلص لیڈر اس زمانہ میں جیل میں تھے ورنہ یقیناً اس غلطی کا ارتکاب نہ ہوتا۔ جب ۱۹۲۰ء میں مانٹیگو چیمسفورڈ اصلاحات دی گئیں تو یہی منحوس دفعہ مسلمانوں پر عائد کر دی گئی اور اکثریت والے صوبوں کو اقلیت والے صوبوں پر قربان کر دیا گیا۔ تجربہ نے بتایا کہ لکھنؤ کے میثاق ملی نے ان کو اپنے یہاں بھی اور باہر بھی زنجیروں میں جکڑ دیا ہے بغیر غیروں کی مدد کے وہ ادنیٰ سے ادنیٰ امر کو بھی اپنے مفاد مذہبی یا معاشی و سیاسی کے موافق پاس نہیں کر سکتے اور نہ اپنی وزارت بنا سکتے ہیں۔ یہ کوئی معمولی مصیبت نہیں ہے۔ اسی بناء پر تمام ہندوستان کے کسی صوبہ میں بھی مسلم وزارتیں اس زمانہ میں نہ بن سکیں اور آج بھی جبکہ صوبہ سرحد کو ریفارم اور صوبہ سندھ کو علیحدہ کیا جا چکا ہے اور وہاں پر مسلم اکثریت آئینی طور پر تسلیم کی جا چکی ہے۔ صوبہ بنگال اور پنجاب مجبور ہے کہ مسلم وزارت اپنی آئینی اقلیت کی بناء پر بغیر دوسروں کے ملائے ہوئے نہیں بنا سکتا۔ ہر دو صوبوں میں دوسرے کو اپنے ساتھ ملا کر بالخصوص گورنمنٹوں کو ساتھ لے کر اگر کسی ملی مفاد کو پاس کرنا چاہتے ہیں تو نہایت گرانبار مہر دینا پڑتا ہے۔ جس میں ملک اور وطن کو بھاری سے بھاری قربانی

دینی پڑتی ہے۔ اسی وجہ سے لیگ کی مجلس عاملہ کے ایک حالیہ جلسہ میں جب لیگی وزارتوں کا جائزہ لیا گیا تو بنگال کے مسلم لیگی وزیر سر ناظم الدین نے خود ہی یہ خیال ظاہر کیا۔ سر ناظم الدین نے اس جلسہ میں کھلم کھلا اعتراف کیا کہ میں اپنی وزارت کو باقی رکھنے اور سنبھالنے کے لئے ایسے ذرائع استعمال کر رہا ہوں جو مناسب نہیں ہیں اور مجھے یوروپین گروپ کی تائید کی بہت زیادہ قیمت ادا کرنی پڑ رہی ہے۔ کیونکہ اس گروپ کی تائید کے بغیر میری وزارت ایک دن بھی زندہ نہیں رہ سکتی۔"

(اجمل بمبئی ۱۵ جنوری جلد ۸ نمبر ۱۳ از روزنامہ ہندوستان ٹائمز)

مولانا محمد علی صاحب مرحوم کو اخیر تک اس کا افسوس رہا اور بارہا مجالس میں اس کا ذکر فرماتے رہے۔ خلاصہ یہ کہ یہ غلطی اگر دانستہ کی گئی ہے تو یقیناً" لیگ اور اس کے اس وقت کے زعماء انتہائی درجہ میں غداران اسلام ہیں اور اگر نادانستہ کی گئی ہے تو انتہائی درجہ کے بھولے اور احمق ہیں۔ جن پر اعتماد کرنا سخت غلطی ہو گی۔

دوسری سیاسی غلطی

(۲) ۱۹۲۹ء میں کنونیشن کانفرنس کلکتہ میں جبکہ مخلوط انتخاب کے متعلق بحث ہو رہی تھی اور یہ مسئلہ درپیش تھا کہ مخلوط انتخاب میں مسلمانوں کو فائدہ ہے یا نہیں تو سر تیج بہادر سپرو نے کہا کہ ایسی صورت میں اقلیت والے صوبوں میں مسلمانوں کی نشست متعین ہو جائے۔ اور اکثریت والے میں متعین نہ ہو۔ مخلوط انتخاب سے مسلمانوں کو نفع ہی نفع ہے کیونکہ :۔

> آل پارٹیز کانفرنس کی تجویز کے مطابق مسلم اقلیت کے صوبوں میں مسلمانوں کی آبادی کی نسبت سے ان کے ممبروں کی تعداد مقرر کر دی جائے گی۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کو اختیار ہو گا کہ وہ عام مخلوط انتخاب میں شریک ہو کر مزید نشستیں حاصل کر لیں اور بنگال و پنجاب میں دکھایا کہ مخلوط انتخاب کے اجراء سے مسلمانوں کو بقدر سات یا آٹھ نشستوں کے اور زیادہ مل جائیں گی جس کی وجہ سے ان دونوں صوبوں میں مسلم ممبران

کی تعداد پنجاب میں ساٹھ فیصدی اور بنگال میں اٹھاون فیصدی کے قریب ہو جائے گی۔"

تو اس کے جواب میں مسٹر جناح نے حسب ذیل ارشاد فرمایا :۔

پنجاب اور بنگال کے مسلمانوں کو ان کی آبادی کی نسبت سے سات یا آٹھ مزید نشستیں دینے کے یہ معنی ہوں گے جو صوبے پہلے سے امیر ہیں انہیں اور زیادہ امیر بنایا جائے۔ بجائے اس کے اگر مسلم اقلیت والے صوبوں مثلاً" مدراس اور بمبئی یا صوبہ متحدہ کو یہ مزید نشستیں دے دی جائیں تو ان کا کچھ بھلا بھی ہو جائے گا۔"

ان کی یہ رائے غلط تھی پنجاب اور بنگال کی اکثریت نہایت تھوڑی اکثریت ہے اگر ان کو آبادی کی حیثیت سے سیٹیں دے بھی دی جائیں تو اجلاسوں میں ہمیشہ اکثریت کا پایا جانا عادۃ" محال ہے۔ کیونکہ بوقت اجلاس اتنے بڑے ایوان میں دو چار کا بیمار ہوجانااور دو چار ممبروں کا اپنے خصوصی اعذار کی وجہ سے غیر حاضر ہو جانا عادتاً" ضروری ہے جیسا کہ ہمیشہ مشاہدہ میں آتا رہتا ہے۔ ہاں اگر اکثریت بڑے پیمانہ پر ہو تو یہ احتمال نہیں رہتا۔ صوبہ بنگال کی اکثریت صرف تین سے اور پنجاب کی اکثریت صرف پانچ سے ہوتی ہے جس کا اجلاسوں میں کم ہو جانا ہرگز مستبعد نہیں ہے۔ بہرحال "اس وقت مسٹر جناح نے بنگال و پنجاب کی کونسلوں اور اسمبلیوں میں مسلم اکثریت ہونے کی صاف الفاظ میں مخالفت کر کے ان صوبوں کو پاکستان بنائے جانے سے روکا۔"

(روشن مستقبل)

کیا یہ صریح سیاسی غلطی نادانستہ یا دانستہ نہیں ہوئی۔ حالانکہ خود مسٹر جناح مخلوط انتخاب کے حامی تھے جیسا کہ آئندہ آئے گا۔

تیسری سیاسی غلطی

جو لوگ لیگ اور مسلم کانفرنس کی طرف سے راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں شرکت کے لئے منتخب کئے گئے تھے اور جن میں مسٹر جناح صاحب بھی تھے اور ان کو تاکید

کر دی گئی تھی کہ وہ مسلم کانفرنس کے مطالبات پاس کردہ یکم جنوری ۱۹۲۹ء اور ۵ اپریل ۱۹۳۱ء کا ہی اتباع کریں جن میں یہ بھی تھا کہ بنگال و پنجاب میں مسلم نشستیں باعتبار آبادی ہونی ضروری ہیں اور اسی کی یاددہانی اور تاکید مجلس عاملہ آل انڈیا مسلم کانفرنس منعقدہ شملہ بتاریخ ۱۳ ستمبر ۱۹۳۱ء الفاظ ذیل کے ساتھ کی گئی تھی۔

> یہ مجلس پھر یاد دلاتی ہے کہ یکم جنوری ۱۹۲۹ء اور ۵ اپریل ۱۹۳۱ء کی مسلم کانفرنسوں میں مسلمانوں نے کم سے کم جو مطالبات منظور کئے ہیں ان میں سرمو کمی نہیں ہو سکتی۔ اب پھر ان کا اعادہ کیا جاتا ہے کہ جس دستور اساسی میں مسلمانوں کے ان مطالبات کو تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ وہ کسی صورت سے قابل قبول نہ ہو گا۔

(مدینہ بجنور ۲۱ اگست ۱۹۳۱ء جلد ۲۱ نمبر ۵۹ صفحہ ۵)

مگر ان حضرات نے وہاں جا کر صراحتاً" اس کی خلاف ورزی کی اور پنجاب و بنگال کے متعلق ۵۱ فیصدی کا مطالبہ پیش کیا چنانچہ ان کی اس خلاف ورزی اور بغاوت پر احتجاج کرتے ہوئے ۱۹ نومبر ۱۹۳۱ء بمقام دہلی مجلس عاملہ آل انڈیا مسلم کانفرنس میں حسب ذیل قرارداد پاس کی۔

> "آل انڈیا مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ مند و بین گول میز کانفرنس کی ان مبارک مساعی کی ستائش کرتی ہے جو انہوں نے دیگر مندوبین کے ساتھ مفاہمت کرنے اور اقلیتوں کے ساتھ باہمی سمجھوتہ اور اشتراک عمل کرنے کے سلسلہ میں کی ہیں لیکن ساتھ ہی یہ بھی ظاہر کرتی ہے کہ انہیں بنگال و پنجاب کی مجالس مقننہ میں مسلم نیابت کو ۵۱ فیصدی تک ہرگز کم کرنا نہیں چاہئے تھا۔ بلکہ ان صوبوں میں مسلم نیابت کو آبادی کے تناسب کے مطابق رکھنا چاہئے تھا۔"

ذرا غور کرنے کی بات ہے کہ ان نمائندوں کو بار بار تاکید کی گئی تھی کہ ہمارے مطالبات میں سرمو کمی نہ کریں اور منجملہ دیگر امور کے یہ بھی تھا کہ بنگال و پنجاب میں نشستیں حسب آبادی ہونی چاہئیں تو ان حضرات کا دونوں صوبوں میں ۵۱ فیصدی تک اتر آنا اگر دانستہ ہے تو کیا عظیم الشان غداری نہیں ہے اور اگر نادانستہ

ہے تو کیا عظیم الشان حماقت نہیں ہے اور کیا ایسے لوگوں پر اعتماد کرنا درست ہے۔
(نوٹ) واضح ہو کہ اس جماعت میں مسٹر جناح بھی شریک اور منتخب تھے چنانچہ رپورٹر ۳۰ اکتوبر میں لکھتا ہے۔

"اقلیتوں کا مسئلہ ابھی غیر تصفیہ شدہ ہے البتہ معلوم ہوا ہے کہ اس سلسلہ میں مسلمانوں نے دیگر اقلیتوں سے گفتگو شروع کر دی ہے اور ان لوگوں کا ایک جلسہ ہوا تھا جس میں آغا خاں، سر محمد شفیع، مسٹر غزنوی اور مولانا شوکت علی اور مسٹر جناح کو اختیار دے دیا گیا تھا کہ وہ سر ہیوبرٹ کار، سر ہنری گڈنی، ڈاکٹر ابیبد کار اور مسٹر نیپر سلویم سے ملیں اور اقلیتوں کے مسئلہ پر گفتگو کریں اور اس قسم کا کوئی حل تلاش کریں جس سے اقلیتوں کے مطالبات پورے ہو جائیں۔"

مدینہ بجنور ۵ نومبر ۱۹۳۱ء جلد ۲۰ نمبر ۷۹ صفحہ ۳

ان حضرات کو اپنی سادہ لوحی کی بناء پر یہ سمجھ میں آیا کہ ۵۱ فیصدی حاصل ہونے پر آئینی طور پر ہماری اکثریت تسلیم ہو جائے گی اور ہم اپنی مسلم وزارتیں دونوں صوبوں میں بنا سکیں گے۔ مگر یہ نہ خیال آیا کہ (الف) ہر اجلاس میں ایسی صورت میں کیا ہم اپنی اکثریت لا سکیں گے یا نہیں جبکہ دو چار کا کم ہو جانا عادتاً ضروری ہے۔ (ب) کیا مخالف کے سامنے اس قدر کمی کو پیش کرنا کامیابی کے لئے ذریعہ ہو سکتا ہے دنیا میں عموماً اور انگریزی سیاست میں خصوصاً جب تک زیادہ سے زیادہ مطالبہ نہیں کیا جاتا اس وقت تک کم سے کم بھی حاصل نہیں ہوتا۔ مشہور عالم ہے "بمرگش بگیر تا بہ تپ راضی شود۔" عربی کا مقولہ ہے خُذہُ بِالمَوتِ حَتّیٰ یَرضیٰ بِالحُمّیٰ اور یہی وجہ ہوئی کہ اقلیتوں نے اتنا بھی نہ مانا اور ان حضرات کو یہ معمولی اکثریت بھی کھو دینی پڑی۔

چوتھی سیاسی غلطی

لیگ اور مسلم کانفرنس نے اپنے نمائندوں کو راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں اس لئے بھیجا تھا کہ وہاں جا کر انگریزوں سے مسلمانوں کے مطالبات تسلیم کرائیں اس لئے

نہیں بھیجا تھا کہ وہ دوسری اقلیتوں اچھوت، پارسی، عیسائی، یوروپین وغیرہ کے حقوق کے محافظ بن کر ان سے معاہدہ کریں۔ انگریزوں اور بالخصوص وزیراعظم نے بار بار اعلان کیا تھا اور اب یہی اعلان ہے کہ ہندوستانی آپس میں جس نظام اور جن حقوق پر متفق ہو جائیں گے ہم اسی کے موافق عمل کریں گے۔

پہلی گول میز کانفرنس کے خاتمہ پر وزیراعظم نے دوسری گول میز کانفرنس کی دعوت دیتے ہوئے اطمینان دلایا تھا کہ کسی اکثریت کو اقلیت میں تبدیل نہیں کیا جائے گا۔ اس لئے ہندوستانیوں کے آپس میں سمجھوتہ کرنے کے لئے چونکہ ہندوستان میں سرگرم اور کارکن منتظم جماعت کانگریس تھی۔ اس سے سمجھوتہ اور معاہدہ ہو جانا ازبس ضروری اور کافی تھا۔ اگر وہ اور مسلمان نمائندے آپس میں سمجھوتہ کر لیتے تو نہ مہاسبھا نہ اچھوت نہ عیسائی وغیرہ کوئی بھی سر اٹھا سکتے اور اگر اٹھاتے بھی تو لیگ، مسلم کانفرنس، کانگریس سب مل کر ان سے صلح کرتے یا اپنے مقاصد کو منواتے اور جو کچھ بھی کرتے سب کی ذمہ داری ہوتی۔ مگر افسوس کہ مسلم نمائندے نہ سمجھے اور باوجود اس کے گاندھی جی نے ان کے تمام مطالبات مان لئے تھے جا کر یوروپین ایسوسی ایشن اور دیگر اقلیتوں سے مل بیٹھے اور ان سے نہایت ذلیل اور شرمناک معاہدہ کر کے دستاویز پر دستخط کر دئے خود مسٹر جناح مندرجہ ذیل بیان شائع فرماتے ہیں۔

> گاندھی جی اور مسلم مندوبین میں طویل گفت و شنید کے بعد حسب ذیل تجویزیں منظور ہو گئی تھیں جن سے گاندھی جی بالکل متفق تھے۔
>
> (۱) پنجاب و بنگال میں مسلمانوں کی ایک فیصدی اکثریت رہے گی۔ یعنی کل ایوان کے ۵۱ فیصدی اراکین مسلمان ہوا کریں گے۔ لیکن یہ سوال کہ یہ اکثریت اکیاون فیصدی نشستوں کے تعین کے ساتھ مخلوط انتخاب کے ذریعہ منتخب ہو یا جداگانہ کے ذریعہ۔ جدید دستور اساسی کے نفاذ سے پہلے مسلمان ووٹروں کی رائے سے طے ہو گا اور وہ جو فیصلہ کریں گے اسے سب قبول کریں گے۔
>
> (۲) اس کے علاوہ دیگر صوبوں میں جہاں مسلمان اکثریت میں

ہیں اور انہیں جس قدر نشستیں اس وقت حاصل ہیں وہ بدستور قائم رہیں گی اور ان صوبوں میں بھی اس سوال کو کہ آیا وہاں جداگانہ انتخاب ہی رائج رہے یا مخلوط طریق انتخاب مسلمان ووٹر ہی جدید دستور اساسی کے نفاذ سے پہلے طے کریں گے اور ان کا فیصلہ سب کے لئے قابل عمل ہو گا۔

(۳) اسی طرح مرکزی مجالس قانون ساز میں بھی (دونوں ایوانوں میں) مسلم اراکین کی تعداد ایک تہائی ہو۔ لیکن یہ تعداد رواج کے ذریعہ والیان ریاست اور برطانوی ہند کے مابین اس طرح طے ہو گی کہ ان نمائندوں میں بھی مسلمانوں کی جو تعداد ہے وہ برطانوی ہند کے مسلم نمائندوں میں سے کم کر دی جائے۔

(۴) محفوظ اور مخصوص اختیارات صوبوں کو تفویض ہوں گے۔

ان کے علاوہ دیگر امور کے متعلق سندھ کی علاحدگی صوبہ سرحد کو اصلاحات، ملازمتوں میں مسلمانوں کا تناسب، وزارت میں مسلمانوں کا حصہ، بنیادی حقوق، اور مذہب اور تمدن کا تحفظ اور کسی ملت کے خلاف قوانین کا عدم نفاذ وغیرہ بھی طے ہو گئے تھے۔ ان تجاویز کو رسمی طور پر گاندھی جی کے سامنے پیش کیا گیا اور گاندھی جی نے انہیں اس کے بے ضابطہ کانفرنس کے روبرو پیش کیا جس میں مختلف اقلیتوں کے نمائندے یعنی لبرل، غیر برہمن، اچھوت، یوروپین، او اینگلو انڈین وغیرہ موجود تھے چنانچہ یہ سب لوگ ان تجاویز کو قبول کرنے کے لئے تیار تھے جو جماعت مخالف تھی وہ صرف ہندو مہاسبھائی جماعت تھی۔ اس موقعہ پر میں اس کا ضرور اعتراف کروں گا کہ گاندھی جی نے اپنی پوزیشن بالکل صاف کر دی تھی وہ مسلمانوں کے ان مطالبات کو قبول کرنے کے لئے ہر طرح تیار تھے اور انہوں نے کانفرنس کے سامنے خود انہیں پیش کیا اور ان کا پورا یقین دلایا کہ وہ ان تجاویز کو کانگریس اور ڈاکٹر انصاری صاحب کی جماعت سے منوانے کی امکانی کوشش کریں گے بشرطیکہ ہندو

مہاسبھا اور سکھ اسے قبول کریں اور انہوں نے ان دونوں
جماعتوں کو منانے کی بھی انتہائی کوشش کی لیکن افسوس ہے کہ
وہ کامیاب نہ ہوئے۔

(مدینہ بجنور ۲۱ اکتوبر ۱۹۳۱ء جلد ۲۰ نمبر ۷۵ صفحہ ۷)

ڈاکٹر سید محمود صاحب کے ارشادات بھی ملاحظہ ہوں بعنوان "مسلم مطالبات اور
مہاتما گاندھی۔"

اس سوال کے جواب میں کہ حکومت کی طرف سے فرقہ وارانہ تصفیہ کے متعلق
آپ کا کیا خیال ہے آپ نے کہا تھا کہ :۔

مہاتما جی نے لندن میں مسلمانوں کے چودہ نکات بے کم و
کاست منظور کر لئے تھے لیکن ہمارے نمائندوں نے مہاتما
گاندھی کی کچھ پرواہ نہیں کی انہوں نے ناممکن مطالبات پیش
کئے جن کا مسلمانوں کے مطالبات سے کوئی تعلق نہیں تھا یہ
نمائندے لندن میں یوروپین ایسوسی ایشن کے حامی اور پشت پناہ
بن گئے مجھے یقین ہے کہ وزراء برطانیہ کسی نہ کسی حیلہ سے
پھر فرقہ وارانہ تصفیہ کو معرض التوا میں ڈال دیں گے کیونکہ
انہیں اب بھی مسلمانوں سے کچھ تھوڑا کام لینا باقی رہ گیا ہے
لیکن چھ مہینے کے بعد وہ انہیں دھکے دے کر الگ کر دیں گے
میں نہایت عاجزی اور خلوص کے ساتھ اپنے ہم مذہبوں سے
اپیل کرتا ہوں کہ مادر وطن کی خدمت میں دریغ نہ کریں مجھے
اس میں کچھ شک نہیں کہ مسلمان قربانی اور ایثار کر کے اس
سے زیادہ حاصل کر سکتے ہیں۔ جس کے وہ اس وقت خواہشمند
ہیں تحفظات اور معاہدات سے انہیں کچھ نہیں مل سکتا انہیں
بالکل غلط راستہ بتایا گیا ہے۔

(مدینہ بجنور یکم اگست ۱۹۳۲ء جلد نمبر ۲۱ نمبر ۵۴ صفحہ ۳)

انڈین اینویل رجسٹر ۱۹۳۱ء صفحہ ۶۱ میں ہے۔

لندن کے بعض نمائندوں نے اشارہ کیا تھا کہ ان لوگوں (فرقہ
وار لیڈروں) نے برطانیہ کے لیڈروں سے خفیہ سازش کر لی

تھی جن میں ممتاز ٹوڑی لیڈر لارڈ لائد' لارڈ بنفورڈ اور لارڈ سڈنہم اور دوسرے لوگ تھے جب کبھی کمزوری یا شکست کے آثار نمودار ہوتے تھے تو ٹوڑی فرقہ وار لیڈروں کی پوری پوری حمایت کرتے تھے۔ مثلاً" جبکہ فرقہ وار لیڈروں کی شکست کے آثار ظاہر ہونے لگے تو اس موقعہ پر اعانت کرنے کے لئے عین وقت پر جیسا کہ پہلے طے ہو چکا تھا سر غزنوی لندن پہنچ گئے۔

اس قسم کے معاہدہ کی کوئی حقیقت رہی ہو یا نہ رہی ہو لیکن ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مسلمان نمائندے اس پر اڑے رہے کہ جب تک ان کے تمام فرقہ وارانہ مطالبات منظور نہ کر لئے جائیں اور مفادات خصوصیہ کا تحفظ پورے طور پر نہ کر دیا جائے وہ فیڈریشن یا کسی مرکزی اختیارات سے کوئی تعلق نہ رکھیں گے۔ نیز وہ کسی حال میں بھی کسی ثالث کے سامنے یا جوڈیشنل ٹربونل کے سامنے اپنا قضیہ پیش کرنے کے لئے تیار نہیں ہوئے۔ جب مہاتما گاندھی جی نے سوائے مسلمانوں اور سکھوں کے باقی تمام اقلیتوں کو مخصوص نمائندگی دینے سے انکار کر دیا تو تمام اقلیتوں نے (مع مسلمانوں کے) جارحانہ اور مدافعتی اقدامات کرنے کے لئے آپس میں اتحاد قائم کر لیا۔ ان کے متفقہ بل آف رائٹس (حقوق کا بل) میں یہ بے سود اور مضحکہ انگیز کوشش کی گئی تھی کہ اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کر دیا جائے۔

خلاصہ یہ کہ یہ بیانات صاف طور پر بتلا رہے ہیں کہ ان لیگی اور مسلم کانفرنسی نمائندوں نے انتہائی غلطی کی کہ ان اقلیتوں سے معاہدہ کر لیا اور ان لوگوں کی پشت پناہی کرنے لگے جن کو ان سے کوئی سروکار نہ تھا اور نہ اس کے لئے بھیجے گئے تھے اور نہ ان سے منوانے پر وہ ہندوستان میں کوئی نمایاں کام کر سکتے تھے اور ان کی تائید و تقویت سے ان کو معتدبہ فائدہ حاصل ہو سکتا تھا اور گاندھی جی کی قبولیت کو جس کو وہ کانگریس اور نیشنلسٹ مسلمانوں سے منوا دینے کا وعدہ کر چکے تھے پس پشت ڈال بیٹھے۔ غور کیجئے کہ کس قدر عظیم الشان غلطی نادانستہ یا دانستہ انہوں نے (یعنی مسٹر جناح اور ان کے ساتھی لیگیوں اور مسلم کانفرنسیوں نے) کی ہے جو کہ کسی طرح قابل واگذاشت و درگذر نہیں ہے۔ اگر گاندھی جی اور کانگریس سے معاہدہ ہو جاتا اور جیسا کہ مسٹر جناح کا بیان ہے کہ "لبرل' غیر برہمن' اچھوت' یوروپین' انگلو انڈین سب لوگ ان تجاویز کو قبول کرنے کے لئے تیار تھے۔" تو صرف مہاسبھا کی

مخالفت کیا کر سکتی تھی۔ وہ کوئی اثر دار جماعت کانگریس کے مقابلہ میں نہیں ہے اس سے بڑھ کر غلطی کیا ہو سکتی ہے۔

پانچویں سیاسی غلطی

مسلمان مندوبین گول میز کانفرنس میں اس لئے بھیجے گئے تھے کہ وہ مسلمانوں کے چودہ مطالبات منوائیں۔ اور تاکیدی طریقہ پر عہد لیا گیا تھا کہ جب تک یہ مطالبات منظور نہ ہو جائیں وہ کسی بات میں حصہ نہ لیں۔ (دیکھو تجاویز مسلم کانفرنس منعقدہ ۱۹۲۹ء دہلی زیر صدارت ہزہائنس سر آغا خاں)

اس لئے ان کا فریضہ تھا کہ (الف) وہ اپنی پوری کوشش ان مطالبات کے منوانے میں صرف کریں۔ (ب) کسی قسم کی سستی یا بے توجہی یا ایسے مشاغل کو راہ نہ دیں جن سے ان کی کامیابی میں نقصان پڑے۔ (ج) وہ کوئی ایسی بات ہرگز قبول نہ کریں جو ان مطالبات کے خلاف اور مسلمانوں کے لئے ضرر رساں ہو۔ (د) جب تک مطالبات کی منظوری نہ ہو جائے شرکت کانفرنس اور بحث مباحثہ سے بالکل علاحدہ رہیں۔ (ہ) اگر مطالبات قبول نہ ہوں تو واپس آجائیں۔ (و) وہ کوئی ایسی بات نہ کہیں جس کی ان کو اجازت نہ تھی اور وہ مسلم مفاد یا ملک کے مفاد کے مخالف ہو

مگر افسوس کہ ایسا عمل درآمد نہیں کیا گیا بلکہ بالکل خلاف عمل میں لایا گیا اور وہ سب کچھ کیا گیا جو نہ ہونا چاہئے تھا۔ اور وہ سب کچھ کہا گیا جو نہ کہنا چاہئے تھا۔

روزنامہ انقلاب (جو کہ مسٹر جناح اور لیگ کا انتہائی شیدائی بلکہ دونوں کا پجاری ہے) اپنے مقالہ افتتاحیہ جلد ۶ نمبر۲۰۹ مورخہ ۳۰ جنوری ۱۹۳۲ء میں لکھتا ہے بعنوان مسلم مندوبین۔ مسٹر جناح کی موشگافی

> ۱۶ نومبر کو مسلمانوں نے یہ راستہ اختیار کیا کہ مسلم کانفرنس کے
> فیصلہ کے مطابق اگرچہ وہ مباحثہ میں حصہ نہیں لے سکتے۔
> لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ فیڈرل سٹرکچر کمیٹی کے اجلاس
> میں بیٹھ بھی نہیں سکتے۔ اس حد تک ہمیں یہ معلوم ہے یہ

موشگافی مسٹر جناح نے کی تھی۔ (۱۶ نومبر سے ۲۶ نومبر تک مسلم مندوبین کمیٹی میں جسماً" شریک رہے اور نطقاً" عدم شریک) ۲۶ ۔ نومبر کو مسلمانوں کی طرف سے مسٹر جناح نے ایک مختصر سی تقریر کی۔ "جس کا مفاد یہ تھا کہ مسلمان صوبجاتی خوداختیاری حکومت اور مرکزی ذمہ داری بیک وقت لیں گے۔" حالانکہ مسلم مندوبین کے طے کردہ اصولوں کے مطابق کسی مسلم مندوب کو اس قسم کا کوئی اعلان کرنے کا حق نہ تھا اور یہ اعلان اصولاً" مسلم کانفرنس کے بورڈ کی قرار داد کے صریح خلاف تھا لیکن جس حد تک ہمیں معلوم ہے مسلم مندوبین نے (جن میں سے علامہ اقبال، شفیع داؤدی، مولانا شوکت علی، چودھری ظفر اللہ خاں، سر سلطان احمد، سر علی امام کے سوا تمام اصحاب موجود تھے۔) مسٹر جناح کے اس اعلان سے براءت کا اظہار نہ کیا اور اس طرح سب نے مسلم کانفرنس کے بورڈ کی قرارداد کی مخالفت کی۔

مذکورہ بالا تحریر کے بعد مدیر انقلاب چند سیدھے سادھے سوالات کے زیر عنوان مندرجہ ذیل عبارت لکھتا ہے۔

(۱) کیا مسلم مندوبین کا فیصلہ درست تھا کہ جسماً" فیڈرل اسٹرکچر کمیٹی کے اجلاس میں شریک ہوں اور محض نطقاً" شریک نہ ہوں۔

(۲) اگر اس کا جواب نفی میں ہے تو مسلم مندوبین نے بورڈ کے فیصلہ کی خلاف ورزی کی اور ان کے اس فعل کی مذمت ضروری ہے۔

(۳) اگر یہ اجتہادی غلطی ہے تو اس کا اعلان ضروری ہے۔

(۴) ۲۶ نومبر کو مسٹر جناح وغیرہ نے جو اعلان کیا اس کے لئے کیا وجہ جواز پیش کی جا سکتی ہے۔

(۵) اگر مسٹر جناح کا اعلان مسلم مندوبین کے فیصلہ کے خلاف تھا تو کمیٹی کے حاضر ممبران ڈاکٹر شفاعت احمد خاں، مسٹر

اے۔ایچ غزنوی نے کیوں تردید نہ کی۔

(۶) ۲۶ نومبر کو مذکورہ بالا اعلان کے بعد مسلم ڈیلی گیشن کے باقی ممبروں نے کیوں اس کے خلاف اعلان نہ کیا۔

اگر ہمارے ڈیلی گیشن کو مسلم کانفرنس کے بورڈ کی قرارداد سے انحراف کرنا ہی تھا تو ضروری تھا کہ قوم کی کسی دوسری خواہش کے اتباع میں انحراف کیا جاتا لیکن ہمارے ڈیلی گیشن نے قومی فیصلہ سے بھی انحراف کیا اور ایک ایسے معاملہ میں انحراف کیا جسے مسلمان اپنے لئے ضروری سمجھتے تھے۔ یعنی ڈیلی گیشن نے دوہری غلطی کی۔ قومی حقوق کے تعلق میں دوہری معصیت سے کام لیا۔"

سر محمد اقبال مرحوم مسلم کانفرنس کے اجلاس لاہور مارچ ۱۹۳۲ء کے خطبہ صدارت میں ارشاد فرماتے ہیں۔ (گول میز کانفرنس میں مسلم ڈیلی گیشن کے کام کی مختصر سرگذشت)

جو چیز میرے لئے راز ہے اور جو شاید ہمیشہ راز رہے گی۔ وہ ہمارے رہنماؤں کا اعلان ہے جو ۲۶ نومبر کو فیڈرل سٹرکچر کمیٹی کے اجلاس میں کیا گیا۔ ۱۵ نومبر کو یعنی جس روز میں نے ڈیلی گیشن سے بے تعلقی اختیار کی۔ مسلمان مندوبین فیصلہ کر چکے تھے کہ وہ فیڈرل اسٹرکچر کمیٹی کے مباحث میں حصہ نہیں لیں گے۔ پھر انہوں نے اپنے فیصلہ کے خلاف مباحث میں کیوں حصہ لیا۔ کیا فیڈرل سٹرکچر کمیٹی کے مسلم مندوبین کے ترجمان کو ۲۶ نومبر والا اعلان کرنے کا مجاز بنایا گیا تھا میں ان سوالوں کا جواب نہیں دے سکتا۔ صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ مسلمان اس اعلان کو شدید غلطی سمجھتے ہیں۔ میرے پاس یہ یقین کرنے کے وجوہ موجود ہیں کہ بعض انگریز مدبروں نے ہمارے رہنماؤں کو یہ غلط مشورہ دیا تھا کہ وہ برطانوی ہند کے صوبوں میں ذمہ دار حکومتوں کے فوری نفاذ کی مخالفت کریں۔ اور مسلم ڈیلی گیشن سے علیحدگی اختیار کرنے سے چند روز پیشتر ہی میرے دل میں اس قسم کے شبہات پیدا ہو چکے تھے حال میں لیفٹیننٹ کمانڈر کنوردی نے بھی یہی رائے ظاہر کی ہے فرماتے ہیں مجھے

معلوم ہوا ہے کہ بعض انگریز سیاست دانوں نے لندن میں اعتدال پسند رہنماؤں (مسلمان) کو یہ خراب مشورہ دیا تھا کہ وہ صوبہ جاتی خودمختاری بڑی قسط کو مسترد کر دیں افسوس کہ یہ مشورہ بلاتاءمل قبول کر لیا گیا۔ اعتدال پسند رہنماؤں سے کمانڈر کنوردی کا اشارہ ہندو لبرلوں کی طرف نہیں بلکہ مسلمان اعتدال پسندوں کی طرف تھا۔"

(الجمعیتہ جلد ۱۵ نمبر ۴۳ مورخہ ۲۸ مارچ ۱۹۳۲ء)

نیز اس خطبہ صدارت میں ڈاکٹر اقبال مرحوم فرماتے ہیں :۔

انگریزوں نے ذمہ لیا تھا کہ اگر دوسری گول میز کانفرنس کے بعد مختلف قوموں کے نمائندے ہندوستان واپس جا کر فرقہ وار مسئلہ کا کوئی باہمی تصفیہ نہ کر سکے تو وہ اس کا ایک عارضی فیصلہ کر دیں گے چونکہ انگریز ہندوستان کی مخالف قوموں کے درمیان توازن قائم رکھنے کے لئے ایک ثالث کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لئے اس حیثیت سے ان کا وعدہ بالکل نامناسب تھا۔ لیکن حکومت برطانیہ کا موجودہ رویہ مظہر ہے کہ وہ ہندوستان میں غیر جانبدار ثالث کی حیثیت سے عامل رہنے کی نیت نہیں رکھتی۔ اور بالواسطہ گویا ہندوستانی اقوام یعنی ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک قسم کی خانہ جنگی کی طرف لے جا رہی ہے جو محض اس غرض سے انگریزوں نے اختیار کر رکھی ہے کہ ہندوستان میں اپنی پوزیشن کو سہولت کے ساتھ قائم رکھ سکیں مسلمانوں کے لئے اب دو ہی راستے ہیں اپنا فرض ادا کرو، یا مر جاؤ۔ مسلمانوں کی موجودہ حکمت عملی سے انگریزوں کی مشکلات تو دور ہو گئی ہیں لیکن مسلمان قوم کے لئے کوئی مفید نتیجہ مرتب نہ ہو سکا۔"

(الجمعیتہ ۲۸ مارچ ۱۹۳۲ء)

یہی اخبار انقلاب لاہور دوسری جگہ لکھتا ہے :۔

اولاً" وہ فیصلہ کرتے ہیں کہ گول میز کانفرنس کے کام میں

بلاتصفیہ حقوق حصہ نہیں لیں گے کم و بیش پندرہ دن تک
کانفرنس اس فیصلے کی پابندی کی وجہ سے ملتوی رکھتے ہیں پھر اس
فیصلہ کو بدل کر یہ راستہ اختیار کرتے ہیں کہ کانفرنس میں
جسماً" شریک ہوں گے نطقاً" شریک نہ ہوں گے۔ آخر میں
نطقاً" بھی شریک ہو جاتے ہیں اور اس وقت وہ باتیں کہتے ہیں
جو نہ کہنی چاہئے تھیں اور جو مقاصد اسلامی اور اقلیتوں کے
مقاصد کے منافی تھیں اور ہندوؤں کے مقاصد کے موافق۔

(مدینہ بجنور یک فروری ۱۹۳۲ء جلد ۲۱ نمبر ۹ از انقلاب لاہور)

مدینہ بجنور مورخہ ۲۱ جنوری ۱۹۳۲ء ڈیلی گیشن مذکور کی کاروائیوں پر بحث کرتا ہوا
لکھتا ہے :۔

"گول میز کانفرنس کے گذشتہ اجلاس میں زیادہ تر مسلم کانفرنس
کے ارباب اختیار کو شرف رکنیت حاصل ہوا تھا مسلم کانفرنس
نے گول میز کانفرنس کے متعلق یہ فیصلہ کیا تھا کہ جب تک
اس کے مطالبات کو حکومت تسلیم نہ کرے گی۔ اس وقت تک
مسلم نمائندے فیڈرل کمیٹی کے مباحث میں شریک نہ ہوں
گے۔ مسلم ارکان نے اپنی تقریروں اور تحریروں میں اس فیصلہ
کی پابندی کا وعدہ بھی کیا تھا۔ لیکن ہماری گردن شرم کے
مارے یہ خیال کر کے جھک جاتی ہے کہ ان ارکان نامدار نے
اپنے عہد کی پابندی کا نہایت مکروہ مظاہرہ کیا وہ نہ صرف یہ کہ
گول میز کانفرنس کی مجلس اقلیات اور مجلس وفاق میں شریک
ہوئے بلکہ انہوں نے حقوق اور مطالبات کو منظور کرانے کے
لئے کوئی موثر اور نتیجہ خیز کوشش بھی نہیں کی۔ انہوں نے
فیڈرل کمیٹی میں گونگوں کی حیثیت سے شرکت کی وزیراعظم کے
اعلانات کو ٹکر، ٹکر دیکھا۔ وزیر ہند کے ساتھ دعوتیں کھائیں
یورپیوں کے ہاتھ اسلامی حقوق کی پوری دستاویز بیچ دی اور ملت
اسلامیہ کے لئے نہیں صرف اپنے اور اپنے خاندانوں کے لئے
عہدے اور کونسلوں کی ممبریاں حاصل کر لینے کی کوشش کی۔"

صرف یہی امور مذکورہ بالا نہیں بلکہ اور بھی ایسے اعمال اختیار کیے گئے جو کہ کامیابی کی راہ میں سد سکندری ہو گئے مثلاً" مولانا شفیع صاحب داؤد نگری، اور ڈاکٹر سر اقبال اس وقت تک ہندوستان سے روانہ ہی نہیں ہوئے جب تک فیڈرل کمیٹی کا اجلاس شروع نہیں ہو گیا۔ مولانا شوکت علی (مرحوم) روانہ تو پہلے ہوئے لیکن قاہرہ میں اتر گئے۔ پھر فلسطین چلے گئے اور پھر ٹینس تشریف لے گئے اور سلطان عبدالمجید کی صاحبزادیوں کے عقد نکاح کا مسئلہ طے کرتے رہے حالانکہ اس سے زیادہ اہم مسائل لندن میں معرض بحث میں تھے بعض حضرات مارسیلز کی سیر و تفریح میں مصروف رہے جو حضرات لندن میں موجود بھی تھے ان کو مضافات لندن کی رعنائیوں ہی نے شرکت کانفرنس کی فرصت نہ دی جس کی وجہ سے ابتدائی اجلاسوں سے تقریباً" سب غیر حاضر رہتے ہیں پھر لندن کی فیڈرل کمیٹی کے اجلاس میں جب شریک ہوئے تو صرف ہلکی سی صدائے احتجاج بلند کرنے کے سوائے کچھ نہ کیا پھر حسب بیان انقلاب پندرہ روز تک کانفرنس کے کام کو ملتوی رکھا۔ لیکن جب لارڈ سینکی نے لال بھبوکا ہو کر اور آنکھیں پیلی کر کے کہا کہ انشاء اللہ میں اس وقت تک زندہ رہوں گا کہ تم کو فیڈرل کمیٹی میں آکر شریک ہوتے ہوئے دیکھ لوں۔ وہ بھیگی بلی بنے ہوئے جا کر شریک ہوئے تو قدامت پسندوں کی انگلیوں پر ناچنا شروع کر دیا اور یہ سمجھتے رہے کہ برطانوی حکومت کی حکمت عملی ہمارے ہاتھ میں ہے۔

(مختصر از مدینہ بجنور یکم فروری ۱۹۳۲ء)

حضرات! ان واقعات صحیحہ پر غور فرمائیں کہ مسٹر جناح اور دیگر نمائندگان لیگ و مسلم کانفرنس کے مذکورہ بالا کارنامے اور ۲۶ نومبر کا ان کا اعلان برائے تاخیر حکومت خوداختیاری صوبجات اور رجعت پسند انگریزوں کے مشوروں پر عمل پیرا ہونا اور دیگر اس قسم کے امور کیا انتہائی غلطیاں سیاست کے میدان کی نہیں ہیں جو کہ اگر دانستہ ہیں تو ملک اور قوم مسلم کے ساتھ عظیم الشان غداریاں ہیں اور نادانستہ ہیں تو انتہائی حماقتیں اور بھولا پن ہے ایسے اشخاص کو کب درست ہے کہ وہ رہنمائی کے میدان میں قدم رکھیں اور قوم اور ملک کے لئے کب درست ہے کہ ایسے لوگوں کی رہنمائی قبول کریں۔

چھٹی سیاسی غلطی

نیہ نمائندگان لیگ اور مسلم کانفرنس جن میں خصوصی طور پر وہ حقوقی جماعت ہے

اور بالاخص وہ پارٹی جو کہ اقلیتوں سے بحث و مباحثہ اور تسلیم حقوق و فیصلہ کے لئے منتخب کی گئی تھی جس کے ارکان اعلیٰ میں سے مسٹر جناح اور سر آغا خاں ہیں اقلیتوں سے گفت و شنید اور بحث و مباحثہ کرتے ہیں اور ایسے محضر اور دستاویز پر دستخط کر دیتے ہیں جس میں نہ صرف لیگ اور مسلم کانفرنس کے مطالبات کی صریح خلاف ورزی ہوتی ہے بلکہ مسلم قوم اور ملک ہند کی غلامی کی کڑیاں اور زیادہ کس دی جاتی ہیں اور سب کے سب بربادی کے دلدل میں ہمیشہ کے لئے پھنس جاتے ہیں اقلیتوں بالخصوص یورپیوں اور عیسائیوں کا بول نہایت بالا ہو جاتا ہے اور مسلمانوں کے لئے فلاکت اور مصائب کے پرخطر دروازے کھل جاتے ہیں اور ہندو بھائیوں کے مقاصد پورے ہو جاتے ہیں۔

روزنامہ انقلاب مورخہ ۱۰ اپریل ۱۹۳۲ء اقلیتوں کے معاہدہ کی مفصل تاریخ کے عنوان پر کرنیل سر ہنری گڈنی کی تصریحات کا طویل بیان لکھتا ہے جس کا آخری اقتباس حسب ذیل ہے۔

"سر آغا خاں نے ہمیں مطلع کیا کہ وہ ہماری تجاویز کو مسلم پارٹی کے سامنے پیش کر دیں گے اگلے روز میں نے گول میز کانفرنس کے نمائندوں کے یورپین گروپ سے ملاقات کی اور اپنی کاروائی سے مطلع کیا اور ایک معاہدہ کے مسودہ پر سر ہربرٹ کے ساتھ بحث کی اور اس کے بعد بعض دوسرے لوگوں کے ساتھ مشورہ کیا۔ مسلمانوں نے اپنے ایک جلسہ میں اس معاملہ پر بحث کر کے مجھے اس موضوع پر مفصل یادداشت بھیجنے کے لئے کہا میں نے ایسا ہی کیا اور اس کے بعد پھر سر ہربرٹ کار سے گفتگو کی۔ اب یوروپین گروپ انگلو انڈین' ہندوستانی عیسائی اور اچھوتوں کے نمائندے متحد ہو چکے تھے اور مسلمان ہمارے اجتماعی خیالات سننے کے لئے بے تاب تھے چنانچہ سر ہربرٹ نے رٹز ہوٹل میں ایک جلسہ کا انتظام کیا کیونکہ اب تمام معاملہ انہوں نے اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ اس طرح کے

متعدد جلسوں اور بے حد بحث و تمحیص کے بعد ہم نے ۱۱ نومبر ۱۹۳۱ء کو اقلیتوں کے معاہدہ پر دستخط کر دیئے اور ۱۲ نومبر کو یہ معاہدہ وزیراعظم کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔ ۱۳ نومبر کو ہزہائنس سر آغا خاں نے اس کو رسمی طور پر میناریٹی سب کمیٹی میں پیش کیا اور اس پر بحث ہوئی یہ اس دستاویز کی مختصر تاریخ ہے جو اب اقلیتوں کے معاہدے کے نام سے مشہور ہے۔"

حضرات ! غور فرمائیں کہ سر اقبال ۱۵ نومبر کو ڈیلی گیشن سے قطع تعلق کرتے ہیں اور ہنری گڈنی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ مسلمانوں سے بحث و مباحثہ بے حد درجہ پہلے سے جاری تھا جیسا کہ ہم پہلے رپوٹر کے تار مورخہ ۳۰ اکتوبر میں ذکر کر چکے ہیں کہ مسلمانوں نے اقلیتوں سے گفتگو شروع کر دی ہے۔ مگر ۱۱ نومبر کو سب کا اتفاق ہو کر دستخط ہو گئے تھے جس سے صاف ظاہر ہے کہ سر اقبال شفیع داؤدی، مولانا شوکت علی وغیرہ بھی سب کے سب اس میں شریک تھے بہرحال ان حضرات نے اس معاہدہ پر (جو کہ ایسی جماعت کا بنایا ہوا تھا جو کہ ہندوستانی آزادی کی بدترین دشمن ہے اور جس میں مسلم حقوق اور ہندوستانی فلاح و بہبود کی انتہائی پامالی تھی) دستخط کر دیئے۔ اس میں صاف صاف مسلم اکثریت کو بنگال و پنجاب میں اقلیت میں لانا منجملہ دیگر ضرر رساں امور کے تسلیم کئے گئے تھے۔ چنانچہ اس سے پہلے ہم انڈین اینول رجسٹر ۱۹۳۱ء صفحہ ۶۱ سے نقل کر چکے ہیں۔ "ان کے بل آف رائٹس میں یہ بے سود اور مضحکہ انگیز کوشش کی گئی تھی کہ اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کر دیا جائے۔"

اسی بناء پر انقلاب لاہور مورخہ ۶ فروری ۱۹۳۲ء اپنے ایک طویل مقالہ میں زیر عنوان (مرکزی دستوری کمیٹی کے مسلم ممبروں کے نامہء اعمال) مندرجہ ذیل الفاظ میں لکھتا ہے۔

ان حالات میں اگر ہم یہ کہیں کہ مسلم ممبروں نے قوم کے

ساتھ قوم کے حقوق کے ساتھ اور قوم کے مفاد کے ساتھ غداری کی تو یہ لوگ روئیں گے کہ انقلاب بے انصافی کر رہا ہے لیکن ہمارے لئے اس فعل کو کھلی ہوئی غداری قرار دینے کے سوا چارہ نہیں ان کی نیتیں نیک ہیں تو ہوں ملت کو اس نیکی کی پوجا سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا البتہ اس فعل کی بدی اور برائی سے ہولناک نقصانات کا دروازہ اس کے منہ پر کھل گیا ہے خدا ایسے نیک نیت خادمان ملت کی بلا سے نہیں تو کم از کم ان کی ایسی خدمت کی بلا سے ہر قوم کو محفوظ رکھے۔

افسوس کہ انقلاب ان دنوں انہیں اپنے منہ بولے غداران ملت اور ان کی غدارانہ خدمتوں کی روزانہ صبح و شام تسبیح پڑھ رہا ہے اور اپنے پہلے مقالات اور ان کے اعمال کو بھول گیا ہے۔

مدینہ بجنور مورخہ ۵ جنوری ۱۹۳۲ء اقلیتوں کے معاہدہ کے بارے میں بحث کرتا ہوا لکھتا ہے :۔

"مثلاً" سب سے اول وہ محضر غلامی ہے جو اقلیتوں کے مطالبات پر مشتمل ہے اس میں مسلمان ارکان کانفرنس نے ہندو راج کے وہمی خطرے سے بچنے کے لئے انگریزی غلامی اور یورپیوں کے اقتدار کی حقیقی مصیبت بطیب خاطر قبول کر لی۔ صوبہ سرحد کو پامال کر دیا سندھ کی مشروط علاحدگی گوارا کر لی۔ فیڈرل گورنمنٹ کا گلا گھونٹ دیا پنجاب کی اکثریت فنا کر دی حریت طلبی کے ادعا کو رسوا کر دیا۔ مسٹر میکڈانلڈ کے قدموں پر سر رکھ دیا اور اسلام کے نام پر ملک و ملت دونوں سے غداری کی۔"

نیز مورخہ ۲۱ جنوری ۱۹۳۲ء میں اراکین نمائندگان مذکورین کے اعمال پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے :۔

انہوں نے ایک محضر غلامی پر جسے یورپیوں نے تیار کیا تھا اپنے دستخط ثبت کر دیئے اور اس طرح ان کی دعاوی کو جنہیں دھراتے ہوئے ہندوستان میں ان کی زبانیں خشک ہو گئی تھیں

اور ان کے منحوس گلے خود بیٹھ گئے تھے پامال کر دیا انہوں نے صوبہ سرحد کو قربان کر دیا صوبہ سندھ کے گلے پر چھری پھیر دی۔ پنجاب و بنگال کی آئینی اکثریت قائم کرنے کے دعاوی کو خود جھٹلایا۔ الغرض بجز جداگانہ انتخاب کے جس کا فائدہ صرف ان رجعت پسندوں کی ذات کے سواء ملت اسلامیہ کو قطعاً نہیں پہنچ سکتا۔ کوئی چیز حاصل نہ کی۔ خود ڈاکٹر شفاعت احمد خاں کا بیان ہے کہ ان کی جماعت حصول مطالبات میں بالکل ناکام رہی لیکن اب سوال یہ ہے کہ لندن میں مسلمانون کے ان خودغرض اور خودپرست نمائندوں نے خود اپنے دعاوی کے ساتھ جو غداری کی تھی کیا وہ ہندوستان میں بھی ہماری آنکھوں کے سامنے اسے جاری رکھیں گے۔"

نیز مدینہ بجنور مورخہ یکم فروری ۱۹۳۲ء جلد نمبر ۲۱ نمبر ۹ صفحہ ۲ میں لکھتا ہے :۔

لیکن ان سب سے زیادہ مکروہ طرز عمل ان تعاونیان کرام کا یہ تھا کہ جب گاندھی جی نے مسلمانوں کے چودہ کے چودہ مطالبات منظور کرنے پر آمادگی کا اظہار کر دیا تو ان احمق اور فریب خوردہ حضرات نے اچھوتوں کی حمایت کا بیڑا اٹھا لیا۔ حالانکہ ہندوستان سے وہ صرف یہ عہد کر کے چلے تھے کہ وہ مسلمانوں کے مطالبات کی تکمیل کرائیں گے۔ ان سے کسی شخص نے یہ نہیں کہا تھا کہ وہ اچھوتوں کے حقوق کے محافظ بھی بن جائیں ان کا دعوی حقوق مسلمین کے تحفظ کا تھا اور ان کا ہرگز ہرگز یہ حق نہیں تھا کہ وہ اپنے کمزور اور بودے کندھوں پر دنیا بھر کی اقوام کے حقوق کے تحفظ کا بوجھ بار کر لیں۔ اس کے معنی تو اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتے کہ انہوں نے دانستہ اسلامی حقوق کی راہ میں روڑے اٹکائے اس احمقانہ طرز عمل کی جو قیمت ان کو ملی وہ ان کے طرز عمل سے بھی زیادہ شرمناک ہے وہ یورپیوں کے ہاتھوں پر بک گئے اور ایک ایسے محضر غلامی پر دستخط کر دئے جس میں اپنے

مطالبات کا تو گلا گھونٹ ہی دیا گیا تھا مقصد آزادی وطن کو بھی
پامال کر دیا گیا اور غیر ملکیوں کو تجارتی استیلاء اور زائد از
زائد حقوق آبادی دے دیئے گئے تھے اور مسلمانوں کے لئے
صرف کونسل کی چند نشستیں، چند ملازمتیں اور چند اعزاز قبول
کر لئے ارباب حقوق کا طرز عمل شروع سے آخر تک عدم
تدبر، تنگ نظری، غیر سیاست دانی، دل و دماغ کی بے مائگی اور
خلاف ورزی عہد و مسلک کی ایک نہایت المناک مثال پیش
کرتا ہے ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ وہ زبان سے
حقوق حقوق کا شور مچاتے رہے دوسرے لوگوں کو گالیاں دیتے
رہے باعمل اور صائب الرائے مسلمانوں کو غدار بتاتے رہے اور
خود تصفیہ حقوق کی ہر کوشش کو ناکام کرتے رہے۔"

یہی وجہ ہے کہ مولانا حسرت موہانی بدایونی ۲ نومبر ۱۹۳۱ء کو مسلم کانفرنس کی مجلس
عاملہ کے اجلاس میں اپنی صدارت مسلم کانفرنس سے استعفا دے بیٹھے جس کو
مندرجہ ذیل الفاظ سے مدینہ بجنور ۹ نومبر ۱۹۳۱ء جلد ۲۰ نمبر ۸۰ ذکر کرتا ہے

"بدایون ۲ نومبر۔ آل انڈیا مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ کا اجلاس
یہاں کل منعقد ہوا مجلس کے سامنے سب سے اہم مسئلہ اس
کے منتخب شدہ صدر مولانا حسر موہانی صاحب کے استعفٰے کا تھا۔
جنہیں یہ شکایت ہے کہ کانفرنس ان تجاویز پر قائم نہیں ہے جو
اس نے خود اپنے اجلاسوں میں منظور کی ہیں اور اس کے
اراکین جو گول میز کانفرنس میں ہیں کامل آزادی کے دعوے کو
ترک کر کے مستعمراتی حکومت اور اس سے بھی بدتر نظام اساسی
کو منظور کر رہے ہیں۔"

مندرجہ بالا بیانات صاف اور کھلی روشنی ڈالتے ہیں کہ حضرات لیگ اور مسلم
کانفرنس جن میں ہزہائنس سر آغا خاں اور مسٹر جناح بھی ہیں ایسی ایسی حرکات کے
وہاں مرتکب ہوئے ہیں جن پر ادنی سے ادنی درجہ کا مسلمان بھی افسوس اور ملامت
کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

ساتویں سیاسی غلطی

مندرجہ بالا امور بتلاتے ہیں کہ لندن وغیرہ سے شائع ہونے والے وہ بیانات جو کہ ان حضرات کی خفیہ سازشوں اور ٹوری انگریزوں کے ساتھ وفادارانہ راز و نیاز اور اپنے اپنے لئے عہدوں اور خودغرضیوں کے افسانے ہیں۔ وہ افسانے ہی نہیں ہیں بلکہ واقعات ہیں مثلاً" رپورٹر لندن سے یکم نومبر کو تار دیتا ہے :۔

"معلوم ہوا ہے کہ مسلمانوں نے کانگریس کے تحفظات سے اختلاف کا اظہار کیا ہے اس سلسلہ میں یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ مسلمانوں نے قدامت پسند انگریزوں سے یہ خفیہ معاہدہ کیا ہے کہ وہ مسلمانوں سے تحفظات منظور کرا لیں گے جو برطانوی اقتدار کو قائم رکھیں گے اور جواب میں کنزرویٹو انگریز مسلم مطالبات کی حمایت کریں گے۔"

(مدینہ بجنور ۵ نومبر ۱۹۳۱ء جلد نمبر ۲۰ نمبر ۷۹)

اخبار بمبئی کرانیکل کے خاص نامہ نگار مقیم لندن نے یہ عجیب و غریب لیکن نہایت اہم خبر بھیجی ہے۔

"شاہنشاہیت پرست برطانوی مدبرین کو جب گاندھی جی کے نرم رویہ کی وجہ سے گاندھی جی اور والیان ریاست کو لڑانے میں ناکامی ہوئی تو اب وہ مسلمانوں کو اپنے مقصد کا آلہ بنا رہے ہیں انہوں نے مسلمان مندوبین کو اس لئے متحد کر لیا ہے کہ وہ کامل آزادی کے حصول میں گاندھی جی کی کوششوں کو ناکام کر دیں۔

(مدینہ بجنور ۲۸ ستمبر ۱۹۳۱ء جلد ۲۰ نمبر ۶۹)

اسی نامہ نگار بمبئی کرانیکل نے اسی تاریخ کو یہ بھی خبر دی کہ :۔

"لوگوں کا خیال ہے کہ سر فضل حسین شملہ سے بیٹھے بیٹھے یہاں کے مسلم مندوبین کو ہدایات دے رہے ہیں جنھوں نے متفقہ طور پر یہ طے کیا ہے کہ وہ ہندو مسلم کے تصفیہ میں اپنی طرف سے کوئی تحریک نہ کریں گے۔"

(مدینہ بجنور ۲۸ ستمبر ۱۹۳۱ء)

انڈین اینول رجسٹر ۱۹۳۱ء صفحہ ۶۱ پر لکھتا ہے :۔

"لندن کے بعض نمائندوں نے اشارہ کیا تھا کہ ان لوگوں (فرقہ وار لیڈروں) نے برطانیہ کے ٹوری لیڈروں سے خفیہ سازش کر لی تھی جن میں ممتاز ٹوری لیڈر لارڈ لائڈ' لارڈ بنفورڈ' لارڈ سڈنہم اور دوسرے لوگ تھے جب کبھی کمزوری یا شکست کے آثار نمودار ہوتے تھے تو ٹوری فرقہ وار لیڈروں کی پوری پوری حمایت کرتے تھے۔"

ان بیانات نے صاف طور پر بتلا دیا کہ سر اقبال مرحوم کا یہ فرمانا کہ "جو چیز میرے لئے راز ہے وہ ہمیشہ راز رہے گی۔ وہ ہمارے رہنماؤں کا اعلان ہے جو ۲۶ نومبر کو فیڈرل سٹرکچر کمیٹی کے اجلاس میں کیا گیا۔" اس کی حقیقت کیا تھی؟ ـــــ جس کو انہوں نے بعد کو بعض سیاست داں انگریزوں کے مشورے دینے اور اس کو بلا تاءمل مان لینے کو ذکر کیا ہے۔ جس کو ہم پہلے نقل کر چکے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ ان حضرات کا یہ عمل کیا صریح خیانت اور غداری نہیں ہے اور کیا اس سے بڑھ کر کوئی غلطی ہو سکتی ہے اور کیا ٹوری انگریزوں سے مل جانا اور ان کی آراء پر عمل کرنا ہندوستان اور بالخصوص مسلمانان ہندوستان کے لئے انتہائی خطرناک عمل نہیں ہے۔ اس وقت ہم کو ڈاکٹر کچلو کا وہ بیان جو انہوں نے امرتسر سے یکم جون ۱۹۴۳ء میں دیا تھا' یاد آتا ہے۔ اور اس کی پوری تصدیق ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو :۔

"ڈاکٹر سیف الدین کچلو نے ایک انٹرویو میں مسلم لیگ اور مسٹر جناح سے اپنے ماضی کے تعلقات کے متعلق بتلایا کہ میں مسٹر جناح کو مدت سے جانتا ہوں اور واقعہ یہ ہے کہ دو سال تک میں مسلم لیگ کا سیکرٹری رہا جب کہ مسٹر جناح اس کے صدر تھے مگر اس وقت مسلم لیگ کانگریس کے شانہ بشانہ کام کر رہی تھی قومی آزادی اور مشترکہ انتخابات اس کے پروگرام کے دو اہم جزو تھے۔ دو سال تک سیکرٹری رہنے سے مجھے لیگ کے کام کا کافی تجربہ ہوا۔ اور اس کے اکثر ممبروں سے ربط رکھنے

سے مجھے یقین ہو گیا کہ اگر کسی وقت بھی گورنمنٹ اپنے
مقاصد کو حاصل کرنا چاہے تو وہ اس کے ممبروں پر اثر انداز ہو
سکتی ہے اور اس کے ممبروں کی اکثریت لیگ کو چھوڑنے کے
علاوہ اس کے لیڈروں کے پروگرام اور پالیسی کے خلاف بھی کام
کر سکتی ہے اگر دوسری فرقہ پرست جماعتوں میں بھی یہی حال
ہو تو کوئی حیرت کی بات نہیں۔"

(مدینہ بجنور ۵ جون ۱۹۴۳ء)

مسلمانوں کو چاہئے کہ غور کریں اور اپنے حال و مستقبل کی اصلاح کریں۔ دھوکہ
میں نہ پڑیں۔ ہم انشاء اللہ پاکستان کے متعلق بھی دکھلائیں گے کہ وہ بھی اس قسم
کے درخت کا ایک پھل ہے جو دیکھنے میں خوش رنگ معلوم ہوتا ہے اور اندر سے
زہر بھرا ہوا ہے۔

آٹھویں سیاسی غلطی

دوسری گول میز کانفرنس کے اخیر میں جبکہ مسلمان نمائندے یوروپین ایسوسی ایشن
اور دوسری اقلیتوں کے ساتھ معاہدہ کر کے محضر پر دستخط کر دیتے ہیں اور پھر سر
آغا خاں اس کو وزیراعظم مسٹر میکڈانلڈ کے سپرد کر دیتے ہیں ادھر مہاسبھائی ہندو مسٹر
میکڈانلڈ کو اپنا فرقہ وارانہ معاملہ سونپ دیتے ہیں اور فریقین اپنے اپنے گھروں کو
واپس چلے آتے ہیں تو کچھ عرصہ کے بعد وزیراعظم کا فیصلہ کمیونل ایوارڈ (فرقہ وارانہ
فیصلہ) ہندوستان میں پہنچتا ہے۔ جس میں مسلمانوں اور ہندوؤں دونوں کی امیدوں کا
خون کیا گیا تھا۔ مسٹر میکڈانلڈ کی میٹھی میٹھی باتوں سے مہاسبھائی یہ امید باندھے
ہوئے تھے کہ ثالثی محضر میں ہماری پوری جنبہ داری ہو گی۔ ———————————

——————————— اور مسلمان یہ یقین
کئے ہوئے تھے کہ جب ہم نے یوروپین ایسوسی ایشن اینگلو انڈین ہندوستانی
عیسائیوں وغیرہ کی رضامندی کے ساتھ متفقہ محضر پیش کیا ہے تو ہمارے امور میں
سرمو کمی نہ ہو گی۔ مگر افسوس کہ کمیونل ایوارڈ کسی جماعت کو راضی نہ کر سکا۔
چنانچہ ہر طرف سراسیمگی اور ناراضگی پھیل گئی اس فیصلہ میں مسلمانوں کا نقصان بہ

نسبت ہندوؤں کے زیادہ تھا بنگال میں مسلمانوں کو ۲۷ ½ فیصدی اور پنجاب میں ۴۹ فیصدی سیٹیں دی گئی تھیں اور یورپیوں اور عیسائیوں کو جن کی آبادی بنگال میں ۶.۵ ہے۔ ۳۱ سیٹیں دی گئیں جو ان کی آبادی سے تقریباً پچیس گنا زائد تھیں ظاہر ہے کہ اس قدر نشستیں یورپین ایسوسی ایشن اور عیسائیوں کو دینا بجز اس کے نہیں ہو سکتا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کا پیٹ کاٹا جائے چنانچہ یہی کیا گیا اس پر مہاسبھائیوں نے بہت واویلا کیا اور چونکہ کانگریس غیر جانبدار تھی اس لئے اس میں افتراق پیدا ہو گیا حالانکہ ہندو بنگال میں پہلے ہی سے اقلیت میں تھے اس فیصلہ میں بھی ان کو اقلیت ہی میں رکھا گیا تھا صرف اتنی بات تھی کہ ان کی پہلے سے جس قدر آبادی اور آئینی طور پر اقلیت کی مقدار تھی اس میں اور بھی کمی کر دی گئی بہرحال وہ کسی طرح بنگال میں اکثریت حاصل کرنے کے اہل نہ تھے مگر مسلمان تو آبادی کی حیثیت سے اکثریت حاصل کرنے کے مستحق تھے ان کو فیصلہ میں ساڑھے تین سیٹوں سے اقلیت میں لایا گیا تھا اس لئے ان کا غصہ حق بجانب تھا۔ علی ہذا القیاس پنجاب میں ان کی بحیثیت آبادی ۶ فیصدی اکثریت تھی میثاق لکھنؤ میں اگرچہ ان کو گھٹایا گیا تھا۔ مگر پچاس فیصدی نشستیں دی گئی تھیں کمیونل ایوارڈ میں ان کو ۴۹ فیصدی دیا گیا تھا الغرض کمیونل ایوارڈ کے قبول کرنے میں مہاسبھائیوں کا نقصان نہایت معمولی تھا اور مسلمانوں کا نقصان نہایت عظیم الشان تھا ہندوں کو اگر بنگال و پنجاب میں اقلیت میں رہنا پڑتا ہے تو یو۔پی، بہار، مدراس، برار، بمبئی میں ان کی ہی اکثریت ان کی ہی وزارت ان کی ہی حکومت تھی مگر مسلمانوں کو تو کہیں بھی آئینی اکثریت نہیں ہو سکتی تھی اور نہ وزارت قائم ہو سکتی تھی اس لئے کمیونل ایوارڈ کے تسلیم کرنے میں مسلمانوں کا نقصان اس وقت بہت ہی عظیم الشان تھا مگر لیگ نے اس سب کو جانتے ہوئے کمیونل ایوارڈ کو قبول کر لیا اور عذر یہ ظاہر کیا کہ سبھائیوں کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر کہیں حکومت ہماری سیٹوں میں اور کمی نہ کر دے۔ چنانچہ مسٹر عبدالعزیز بیرسٹرایٹ لاء لاہور صدر لیگ نے اپنے خطبہ اجلاس کلکتہ منعقدہ ۳۱ اکتوبر ۱۹۳۳ء میں فرمایا کہ "فرقہ وارانہ فیصلہ ثالثی منظور کر لیا جائے اور اسی اجلاس میں مندرجہ ذیل تجویز پاس ہوئی :۔

"اگرچہ فرقہ وارانہ فیصلہ کی رو سے مسلمانوں کو مرکز میں ایک ثلث نہیں ملا اور بنگال میں نشستیں کم ملیں، تاہم ہم اس کا خیر

مقدم کرتے ہیں۔"

(روشن مستقبل صفحہ ۴۲۱)

"پھر ۲۵ نومبر ۱۹۳۳ء کو نئی دہلی میں مسلم لیگ کا تیسواں اجلاس بصدارت خان بہادر حافظ ہدایت حسین منعقد ہوا۔ جس میں قرار پایا کہ فرقہ وارانہ فیصلہ قائم رکھا جائے۔"

(روشن مستقبل صفحہ ۴۲۲)

اب غور فرمایئے کہ ان دونوں حضرات کے فیصلہ سے جو کہ مسلم لیگ کے اس وقت کے صدر تھے اور اجلاس کی تجویز سے مسلمانوں کی حق تلفی صوبہ بنگال اور پنجاب میں نہیں ہوئی؟ اور کیا ان حضرات نے مسلمانوں کی آئینی اقلیت ہر دو صوبوں میں تسلیم کر کے انتہائی غلطی نہیں کی جس کی وجہ سے مسلمان اپنی وزارتیں بغیر دوسروں کے ملنے کے قائم نہیں کر سکتے اور نہ بغیر دوسروں کے سہارے کے کوئی فیصلہ کر سکتے ہیں۔

محترم حضرات! یہ چند چیزیں ان کھلی ہوئی باتوں میں سے آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں جن کی غلطی ظاہر باہر ہے ان پر نظر ڈالئے اور فیصلہ حاصل کیجئے کہ کہاں تک یہ حضرات صحیح الرائے اور صحیح النظر ہیں ان کی رائے کہاں تک قابل وثوق ہے اور ان میں کہاں تک صحیح اور خالص جذبہ مسلمانوں کی ہمدردی اور بھلائی کا ہے قائدین لیگ نے سترہ اٹھارہ برس تک تو مسلم اکثریت کی قربانی اقلیت والے صوبوں پر کی اور اب پاکستان کا نام لے کر اقلیت والے صوبوں کو اکثریت پر قربان کیا جاتا ہے۔ فاعتبروایا اولی الابصار

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم
کہ بامن انچہ کرد آن آشنا کرد

ننگِ اسلاف

سید حسین احمد مدنی

صدر جمعیتہ علماء ہند

وصدر آل انڈیا مسلم پارلیمنٹری بورڈ

شریعت بل اور لیگ

شریعت اس خداوندی مجموعہ قوانین اور طریقوں کا نام ہے جس پر مسلمان ہونے کا دارومدار ہے جو شخص، شریعت کو مانتا ہے اور اس پر عمل پیرا ہے وہی مسلم سوسائٹی کا ممبر ہے اور جو اس کو نہیں مانتا اور نہ عمل پیرا ہوتا ہے بلکہ معاذ اللہ اس کو ناقص یا مقتضیاتِ زمانہ کے غیر مطابق یا انسانی معاش و معاد کے لئے ناکافی سمجھتا ہے کسی رواج یا کسی انسانی قانون کو اس کے مقابلہ میں ترجیح دیتا ہے وہ درحقیقت اس سوسائٹی سے خارج ہے وہ آقائے نامدار علیہ الصلواۃ والسلام خاتم النبین اور قرآن شریف کو خدا کی کتاب اور شریعت محمدیہ کو غیر منسوخ اور دائمی نہیں سمجھتا یہ وہ اصول کلیہ ہیں جو کہ اس سوسائٹی کے اصول موضوعہ اور موقوف علیہ ہیں علی ہذا القیاس جو حضرات مذہب اور سیاست کو مسلمانوں کے لئے جدا جدا چیزیں قرار دیتے ہیں اور لوتھر کی قائم مقامی کرتے ہوئے اسلامی شریعت میں بھی اس قسم کی تفریق ڈالتے ہیں وہ درحقیقت

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔

آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا تمہارے اوپر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے دین کے لئے اسلام کو پسند کر لیا۔

کے منکر ہیں۔ مسلمانوں نے اپنی شریعت کو مضبوطی سے پکڑا تو ساری دنیا پر چھا گئے بڑی سے بڑی طاقتیں ان کے مقابلہ سے عاجز آکر ان کے قدموں پر گر پڑیں مگر عیسائی مذہب ایسا نہیں ہے عیسائیوں نے جب تک اپنے مذہب اور بائبل کی تعلیم کو نہیں چھوڑا وہ ترقی نہیں کر سکے۔ لوتھر کی رائے کلیسا کے متعلق صحیح مانی جا سکتی ہے مگر مغرب زدوں کی یہ رائے شریعت محمدیؐ اور مذہب اسلام کے متعلق کسی طرح نہیں مانی جا سکتی۔ تاریخ اور فلسفہ دونوں اس کی تکذیب کرتے ہیں یورپ کے چوٹی کے فلاسفر اور سائنسدان اسلام کی ہمہ گیری اور اعلیٰ تعلیم کے سامنے انگشت بدنداں ہیں، ہم اگر اس پر مفصل تحریر اور شہادات پیش کریں تو نہایت زیادہ طول ہو جائے گا۔ اس پر بڑی بڑی کتابیں اور ضخیم ضخیم مجلدات لکھی جا چکی ہیں بہرحال شریعت

محمدیؐ دنیا اور آخرت کی فلاح کی کفالت کرنے والی ہے اور اسی کی تابعداری کی کمی کی بناء پر عالم اسلامی کی موجودہ زبوں حالی اور سابقہ مصائب پیش آئے۔

ذلک بان اللہ لم یک مغیر النعمتہ انعمہا علی قوم حتی یغیرو ما با نفسہم

اللہ تعالیٰ اپنی ان نعمتوں میں جن کو اس نے کسی قوم کو دی ہیں تغیر اور تبدیلی پیدا نہیں کرتا جب تک کہ وہ خود اپنے حالات خیالات اور ارادوں میں تبدیلی پیدا نہ ...... کریں ... کسی حصہ اور کسی آیت کو نہ ماننا اور اس سے انکار کر دینا یا غیر قابل عمل جاننا اسی طرح اسلامی سوسائٹی کے خلاف ہے جس طرح تمام قرآن اور تمام شریعت کو نہ ماننا۔

افتومنون ببعض الکتاب و تکفرون ببعض

کیا تم خدا کی آخری کتاب کے کچھ حصہ کو مانتے اور کچھ حصہ کا انکار کرتے ہو جو ایسا کرے گا اس کی سزا اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ اس کی دنیا میں رسوائی اور قیامت میں سب سے زیادہ سخت عذاب میں مبتلا کر دیا جائے۔

بہرحال مسلمانوں کے لئے تمام شریعت محمدیہؐ کو قبول کرنا ضروری ہے کسی حصہ کا انکار کرنا درست نہیں ہے ہاں عمل میں حسب درجات احکام تفاوت ضروری ہو گا فرض، واجب، مستحب، مباح، مکروہ، حرام سب کے سب اپنے اپنے درجہ کے موافق معمول بہا ہوں گے۔

جب سے ہندوستان میں انگریزی اقتدار اور غلبہ ہوا ہے اسلامی احکام میں خلل اندازی روز بروز ترقی پذیر رہی چنانچہ مختلف مقامات پر مسلمانوں کے پرسنل لاء اور خصوصی قوانین پر بھی دست اندازی کی گئی اور ارباب ہواو ہوس کی خواہشات کے موافق رواج کو انگریزی حکومت نے قانون بہ قرار دیا وراثت اور تبنیّت اور وصیت کے وہ احکام جو کہ آیات قرآنیہ میں صراحتہً موجود ہیں یا احادیث صحیحہ میں وضاحت کے ساتھ ذکر کئے گئے ہیں رواج کے ذریعہ سے منسوخ قرار دیئے گئے ہیں چنانچہ اودھ، فرنٹیر پنجاب کچھی میمن آف صوبہ بمبئی وغیرہ میں بھی رواج مسلمانوں میں قانون قرار دیا گیا، محمڈن لاء اور شریعت اسلامیہ پر عمل نہیں کرایا گیا صوبہ سرحد کے مسلمانوں کو اس پر تنبہ ہوا اور انہوں نے رفارم کے بعد پوری جدوجہد کی کہ رواج

کے قانون کو بدل کر شریعت ایکٹ اور محمڈن لاء کی صورت پیدا کی جائے۔ خودغرضوں اور ارباب حوادث نے مخالفتیں کیں تاکہ بیٹیوں، بہنوں وغیرہ کو میراث میں حصہ نہ ملے منہ بولا بیٹا مثل حقیقی بیٹے کے جائیداد کا مالک ہو وصیت تمام مال میں جاری ہو، وغیرہ وغیرہ مگر صوبہ سرحد کی اکثریت دین اسلام اور مذہب کی وفادار تھی اس نے پوری جدوجہد کی چنانچہ جمیعت العلماء کی کوششیں کامیاب ہوئیں اور سرمایہ دار ارباب ہوا و ہوس کے خلاف شریعت ایکٹ وہاں پاس ہو کر نافذ ہو گیا۔ اس پر مسلمانان پنجاب وغیرہ کو بھی تنبہ ہوا اور انہوں نے کوشش کی کہ تمام ہندوستان کے لئے بھی ایسا ہی قانون پاس ہونا چاہئے چنانچہ حافظ عبداللہ صاحب لائل پوری نے ۱۹۳۵ء میں شریعت بل کا مسودہ وائسرائے کی اسمبلی میں پیش کر دیا جس کی غرض مندرجہ ذیل دفعہ ۲ سے واضح ہوتی ہے۔

دفعہ ۲ کسی متناقص رواج یا دستور کے تمام معاملات جس کے فریق مسلمان ہوں حسب شرع اسلامی طے کئے جائیں یعنی تبنیت (متبنّیٰ اور لے پالک بنانا) وصیت عورتوں کی جائیداد حاصل کردہ بذریعہ وصیت، معاملات متعلقہ وراثت، عورتوں کی مخصوص بشمول ذاتی) جائیداد جو کہ ان کو وراثتاً ملی ہے یا کسی معاہدہ یا ہبہ کے ذریعہ یا کسی اور قانونی وجہ کی بناء پر ملی ہے، نکاح، انفساخ نکاح، بشمول طلاق، ایلاء، اظہار لعان، خلع اور مبارات، نان نفقہ، دین مہر، ولایت، ہبہ، ٹرسٹ اور جائیداد ٹرسٹ اور وقف کے۔

اس پر مسٹر جناح نے اسلامی احکام و قوانین کے متعلق اپنی اسی ذہنیت کو کام میں لاتے ہوئے جس کا انہوں نے ۱۹۱۲ء میں سول میرج ایکٹ کے ترمیمی بل میں اظہار کیا تھا شریعت بل کے متعلق بھی تباہ کن رویہ اختیار کیا۔ آپ نے اس بل میں ایسی ترمیمات پیش کیں جنہوں نے اس کی اسلامی روح کو بالکل مجروح کر دیا۔ ۱۶ ستمبر ۱۹۳۷ء کو جب اس بل پر غور شروع ہوا تو مسٹر اینی نے متوجہ کیا کہ بل اپنے محدود دائرہ سے جو کہ پیش کرنے والے اصحاب کے ذہن میں ہے متجاوز ہو رہا ہے یہ بل ان عمومی قوانین کو جو ہندو اور مسلمانوں کے لئے نافذ ہیں ناقابل عمل بنا رہا ہے یا کم از کم ان پر اثر انداز ہو رہا ہے ایوان نے اس تحریک کو منظور کر لیا اور اس کے پیش نظر ترامیم طلب کیں۔ مسٹر جناح نے بجائے اس کے کہ ایسی صورت پیش کرتے جس سے یہ قانون محرک کی تحریک کے بعد جب مسلمانوں کے مخصوص قوانین

(پرسن لاء) تک محدود رہتا ایک ایسی ترمیم پیش کی جس سے تحریک کی روح ہی ختم ہو گئی یعنی یہ کہ مسٹر جناح نے ترمیم پیش کی کہ دفعہ ۲ سے لفظ "قانون" نکال دیا جائے۔ مزید فرمایا کہ ۱۹۲۰ء میں کچھی میمنوں کے متعلق کونسل میں یہ پاس ہو چکا ہے کہ تبنیت، وصیت اور وہ جائیداد جو کہ وصیت سے ملی ہو ان میں رواج کے موافق فیصلے کئے جائیں گے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس مسودہ میں سے بھی یہ تینوں چیزیں مستثنٰی کر دی جائیں اس لئے لفظ بلا "وصیتی" لفظ "وراثت" کے بعد زائد کیا جائے اور یہ تینوں امور بجائے لازمی کے اختیاری رکھے جائیں اور اس بناء پر دفعہ ۲ سے ان تینوں کو نکال کر دفعہ ۳ جداگانہ بنائی جائے اور اس کی رو سے اگر کوئی شخص اپنی مرضی سے چاہے تو اپنے لئے اور اپنے بچوں کے اوپر آئندہ نسلوں کے اوپر امور متذکرہ بالا میں قانون شریعت نافذ کرا سکتا ہے جس کا طریقہ دفعہ ۳ میں دیا گیا ہے اس کو ایسا کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

دفعہ ۳ کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

دفعہ ۲ ضمن ج - "وہ مقرر فارم کے مطابق اس بات کا اقرار کر کے دے اور اس کو حاکم مقررہ کے سامنے پیش کرے جس میں اس بات کا اقرار ہو کہ وہ چاہتا ہے کہ اس۔۔۔۔۔۔۔(یعنی دفعہ ۲ کے مطابق حکم شریعت کا لازم ہونا۔) حاصل کرے تو اس اقرار کے بعد دفعہ ۲ آئندہ ایسے اقرار کرنے والے اور اس کے نابالغ بچوں اور آئندہ نسلوں پر اسی طرح عائد ہو گی گویا کہ اس میں الفاظ تبنیت و وصیت اور جائیداد جو بذریعہ وصیت کے دی گئی ہے وہ بھی شامل ہے۔"

لفظ "وراثت" کے ساتھ "بلاوصیتی" اس وجہ سے زائد کیا گیا کہ مسٹر جناح کی ترمیم کی رو سے وصیت کرنے کا اختیار حسب رواج سابق مسلمانوں کے لئے رکھا گیا ہے جس کی تفصیل دفعہ ۳ میں معلوم ہو گئی۔

غرضیکہ مسٹر جناح کی ترمیم ان کی اور مسلم لیگ پارٹی کی زور آوری سے قبول کر لی گئی اور شریعت ایکٹ ترمیم ہائے مذکورہ کے ساتھ ۱۶ ستمبر ۱۹۳۷ء کو اسمبلی میں پاس کر دیا گیا۔ کیوں کہ زرعی جائیدادوں اور خیرات اور خیراتی اور مذہبی اوقاف کے متعلق گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۳۵ء نے اختیارات صرف صوبہ جاتی اسمبلیوں کو دے دیئے ہیں اس لئے یہ امور بھی ایکٹ سے مستثنٰی قرار دے دئے گئے تھے۔

مدینہ اپنے آرٹیکل میں لکھتا ہے کہ اس مسودہ قانون کا مقصود یہ تھا کہ ہندوستان

بھر کے مسلمانوں کو نکاح و طلاق، خلع، مہر، وراثت، تقسیم جائیداد وغیرہ جیسے امور میں اسلامی فقہ اور قوانین شرعیہ کا پابند کیا جائے اس وقت تک یہ تمام معاملات مقامی رسم و رواج کے ماتحت طے کئے جاتے تھے جو بعض صریحاً اسلامی احکام کے منافی ہوتے تھے۔ تمام ہندوستان کے مسلمانوں میں سے اسی غیر شرعی طریقہ کو ختم کرنے اور ان کو شریعت حقہ کا فرماں بردار بنانے کی مبارک نیت سے یہ قانون اسمبلی میں پیش کیا گیا تھا اور کانگریس کے ہندو ممبروں نے بھی اس مسئلہ میں مسلمانوں کو اپنے تعاون اور اشتراک کا یقین دلایا تھا۔

لیکن اس وقت جبکہ بل کی تیسری خواندگی بھی، قریب الختم تھی اور یہ بل پاس ہو کر قانون بننے والا تھا مسلم لیگ کے صدر، اسلام اور اسلامی کلچر کے واحد محافظ قائداعظم نے اٹھ کر اس قانون شریعت کو پرزے پرزے کرنے میں اپنی تمام قانونی قابلیتیں صرف کر دیں اور انتہائی ہوشیاری کے ساتھ چند ترمیمات پیش کر کے ان تمام کوششوں پر پانی پھیر دیا جو نیک نیت مسلمانوں نے اسلامی قانون کو مسلمانوں کے لئے پاس کرانے کے لئے کی تھیں۔

مسٹر جناح کی ان ترمیموں کا منشا یہ تھا کہ اس قانون کو قانون نہ کہا جائے (جس کی پابندی ہر حال میں ضروری ہوتی ہے) بلکہ قواعد کے نام سے موسوم کیا جائے۔ جس کا حل یہ تھا کہ وہ تمام غیر اسلامی دفعات اور ضوابط جن پر اس وقت تک عمل درآمد ہو رہا تھا اور جو اس شریعت بل سے منسوخ ہونے والے تھے وہ سب بدستور باقی رہیں اور کوئی قانون منسوخ نہ ہو۔ بلکہ جہاں کہیں شریعت بل اور ان قوانین میں کوئی اختلاف ہو تو شریعت بل کی دفعات کو نظر انداز کر دیا جائے۔ اور اس کے مقابلہ میں سابقہ غیر اسلامی قوانین ہی کو ترجیح دی جائے۔ اور انہیں پر عمل درآمد کیا جائے اور جب مسٹر جناح کو متنبہ کیا گیا کہ ان ترمیمات کی وجہ سے شریعت بل کا اصل مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے تو انہوں نے انتہائی بے اعتنائی کے ساتھ یہ کہ کر ٹال دیا کہ

میں ایسی تجویز کی تائید کرنا پسند نہیں کرتا جو ناممکن العمل ہو خواہ مخواہ ہوا میں اڑنا مجھے پسند نہیں۔

(مدینہ بجنور نمبر ۷۰ جلد ۲۶ مورخہ ۲۵ ستمبر ۱۹۳۷ء)

مسٹر جناح کے اس ارشاد کے معنی کیا یہ نہیں ہیں کہ وہ ہندوستان میں ہر جگہ

یکسانیت کے ساتھ اسلامی قوانین کے رائج ہونے کو ناممکن العمل سمجھتے ہیں؟ کیا یہی وہ قرآنی احکام ہیں جن کو پاکستان میں جاری و نافذ کرنے کے لئے مسلم لیگی رہنما بے قرار ہیں اور کیا یہی وہ اسلامی تہذیب و کلچر ہے جس کی حفاظت کے لئے پاکستان قائم کرنا ضروری ہے؟

غرض شریعت بل مسٹر جناح کی انہیں ترمیموں کے ساتھ پاس ہوا اور اس کے پاس ہو جانے سے ہر شخص کو یہ اختیار باقی رہا کہ اس کا دل چاہے تو اس شرعی ضابطہ کو مانے اور اگر نہ چاہے تو اسی انگریزی شریعت پر عمل کرتا رہے جو انگریزی حکومت نے اس کے لئے بنا دی ہے'

اب مسلمانوں کو غور کرنا چاہئے کہ مسٹر جناح اور لیگ پارٹی کا یہ عمل شریعت اسلامیہ اور قرآن شریف و حدیث اور مذہب اسلام سے صریح بغاوت نہیں ہے' تو اور کیا ہے قرآن فرماتا ہے۔

وما جعل ادعیاء کم ابناء کم

تمہارے منہ بولے بیٹوں کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے بیٹے نہیں کیا

یعنی خداوندی قانون میں تمہاری حقیقی اولاد کی طرح نہیں ہیں۔

ادعوھم لا بائھم ھوا قسط عند اللہ

ان منہ بولے بیٹوں کو ان کے اصلی باپوں کے نام سے پکارا کرو۔ یہی اللہ تعالیٰ کے یہاں انصاف ہے۔

مگر رواج ان کو حقیقی بیٹوں کا حق دلاتا ہے وصیت کے متعلق جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلیہ وسلم کے ارشادات ہیں کہ

(۱) تہائی سے زیادہ نہ ہونی چاہئے۔

(۲) کسی وارث کے لئے وصیت نہ ہونی چاہئے۔ مگر رواج اس سب کو مانتا اور چلاتا ہے مال میراث خواہ وصیتی ہو یا اور کسی طرح کا حسب قرآن شریف سب میں وراثت چلتی ہے' مگر رواج اس سب میں مخالفت کرتا ہے لیگ کا یہ فیصلہ صراحتہ" خلاف مذہب' اسلام ہے کچھ میمنوں نے اگر اسلام کے ساتھ بغاوت کا معاملہ کیا تھا تو ان حضرات کو ان کے ناجائز عمل کو مٹانا ضروری تھا نہ یہ کہ اس ناجائز عمل کی وجہ سے خود ناجائز حرکت کے مرتکب ہو جائیں اور قانون میں سے ان امور کو نکلوا دیں۔

پھر یہ امر کہ شرط لگائی جائے کہ اگر کوئی شخص ان امور میں بھی شریعت کو نافذ کرنا چاہے تو انگریزی افسر کے سامنے اقرار کرے تب اس پر اور اس کی اولاد اور نسل پر شریعت کا حکم نافذ ہو گا کیا صراحتہ" مذہب میں مداخلت نہیں کہ کسی شخص کا ترکہ وغیرہ حسب شریعت اسلامیہ جب تقسیم ہو سکتا ہے جب کہ وہ انگریزی افسر کے سامنے اقرار کر کے لکھوا دے ورنہ نہیں اور پھر قانون کو اگر اختیاری غیر لازمی کیا جائے تو قانون بنوانے کی ضرورت ہی کیا رہتی ہے یہی وجہ تھی کہ سر محمد یعقوب صاحب مرحوم نے فرمایا تھا کہ "ایک اسلامی قانون کی روح کچلی گئی۔" افسوس ۱۹۳۸ء میں حاجی عبدالرزاق صاحب نے کچھ میمنوں کے لئے یہ درخواست دے کر ۱۹۲۰ء کا قانون منسوخ کرا لیا اور ایسے کاغذات پیش کئے جن سے ثابت ہوتا تھا کہ کچھی میمنوں کی اکثریت شریعت ہی کو چاہتی ہے رواج کی مخالف ہے اس لئے مسٹر محمد احمد کاظمی نے ۱۰ جنوری ۱۹۴۲ء میں شریعت مذکور کے لئے ایک ترمیمی بل پیش کیا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ شریعت ایکٹ میں تبنیت اور وصیت اور وصیتی مال کی وراثت کا استثنا مسٹر جناح نے اس بنا پر کرایا تھا کہ کچھی میمنوں کے لئے ان امور کا رواجی ہونا ۱۹۲۰ء میں پاس ہو چکا ہے مگر اب چونکہ کچھ میمنوں نے خود اس کو منسوخ کرا لیا ہے تو یہ ترمیمات پیش کردہ مسٹر جناح بھی منسوخ ہو جانی چاہئیں اور شریعت ایکٹ تمام مسلمانوں پر مندرجہ امور میں لازم ہونا چاہئے مگر لیگ پارٹی نے موافقت نہ کی۔ بلکہ مسٹر جناح نے مندرجہ ذیل تقریر فرما کر ہمیشہ کے لئے اس بارہ میں سکوت اختیار کر لیا۔

میں اس ایوان کو مطلع کرنا چاہتا ہوں کہ یہ میری اطلاع ہے اور یہ واقعہ بھی ہے کہ رضامندی کے طریقہ سے یعنی لوگوں کو رضامند کرنے کے طریقہ سے نصف سے زیادہ کچھی میمنس نے اجازت کی درخواستیں دے کر شرعی قانون کے پابند ہو گئے ہیں ہم کوئی چیز چھوڑنا نہیں چاہتے ہمیں لوگوں کو ترغیب دینے کا طریقہ اختیار کرنا چاہئے .... اس لئے ہم کو اس طریقہ کا تجربہ کرنا چاہئے جو بڑی حد تک کامیاب ہو چکا ہے'

لیکن اگر ہم کو معلوم ہو کہ ترغیب دینے کا طریقہ کامیاب نہیں ہوتا اور اس وقت ایوان کا یہ خیال ہو کہ تبنیت اور وصیت کے بارے میں بھی مسلم پرسنل لاء

نافذ کیا جائے تو ہم اس پر غور کریں گے۔

(رپورٹ اسمبلی ۱۶ ستمبر ۱۹۳۵ء)

اس کے بعد بھی مسٹر محمد احمد کاظمی نے بار بار توجہ دلائی کہ ان کی ۱۹۴۲ء والی ترمیم پاس کر دی جائے مگر لیگ پارٹی کسی طرح آمادہ نہ ہوئی تاآنکہ ۱۹۴۵ء میں کاظمی صاحب نے ترمیم واپس لے لی۔

مسلمانو! غور کرو کہ جن لیگیوں کو تم نے ووٹ دے کر اسمبلی میں اسلام کی خدمت اور ترقی کے لئے اور اپنی بہبودی و فلاح کی غرض سے بھیجا تھا وہ کس طرح شریعت اور مذہب کے ساتھ وہاں بغاوت کرتے ہیں۔ اور علی الاعلان یہ اسلام سوز کاروائیاں کی جاتی ہیں۔

کیا ان امور کی موجودگی میں لیگی پارٹی اس امر کی مستحق ہے کہ اس کی امداد کی جائے اور اس کو ووٹ دیا جائے؟

اور کیا وہ اسلام اور مسلمانوں کی نمائندہ تسلیم کی جا سکتی ہے اور اگر تم نے ان امور کو جانتے ہوئے ان کو ووٹ دیا تو کیا تم شریعت اور مذہب اسلام اور مسلمانوں کے حامی اور وفادار کہلائے جاؤ گے' یا خائن اور غداروں کے معین و مددگار۔

سوچو۔ اور سمجھو!

وما علینا الا البلاغ

ہم نے جو کچھ لکھا ہے وہ اصلی واقعات ہیں کوئی چیز بناوٹی نہیں ہے۔
مندرجہ بالا حوالوں سے تحقیق کی جا سکتی ہے۔

واللہ الموفق

ننگِ اسلاف

حسین احمد غفرلہ'

سول میرج اور لیگ

مقدمہ

الحمدللہ رب العلمین والصلواۃ والسلام علی سید المرسلین وعلیٰ الہٖ وصحبہ اجمعین - اما بعد- اس زمانہ پر آشوب و پرفتن میں عالم اسلام اور مذہب اسلام پر جو جو عظیم الشان مصائب کے پہاڑ ٹوٹے ہوئے ہیں ان کی تفصیل بیان کرنا نہ ان اوراق میں ممکن ہے اور نہ وقت مساعد ہے مگر ایک انتہائی اور غیر معمولی مصیبت کی طرف مسلمانوں کو متوجہ کرنا ضروری سمجھ کر آگاہ کرنا چاہتا ہوں- یہ امر الیکشن کے ہی ضروریات اور وقتی امور میں سے نہیں ہے بلکہ ہمیشہ کے لئے اس پر توجہ کرنا اور تحفظ کے طریقوں پر کاربند ہونا ازبس لازم ہے-

اسلام کسی قبیلہ اور برادری کا نام نہیں ہے- نہ اسلام کسی قوم اور نسل' یا رنگت اور جغرافیائی حدود کا نام ہے وہ ایک مذہب اور آسمانی طریقہ کا نام ہے جس میں سراسر خداوندی احکام اور حضرت خاتم النبین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات عالیہ کے سامنے سر جھکا دینا اور قلب و قالب سے تابعدار بن جانا معتبر ہے جو شخص ایسا نہیں ہے خواہ وہ بڑے سے بڑے خاندان کا کیوں نہ ہو مسلمان نہیں ہے اور جو شخص ایسا ہے خواہ وہ کسی ملک کا اور گری سے گری نسل کا ہو' وہ اسلامی شرافت اور عزت کا مالک ہے-

مسلمانوں کا رہبر اور رہنما اسلامی حیثیت سے صرف وہی شخص ہو سکتا ہے جو کہ اس خلعت فاخرہ کو زیب تن و جان کئے ہوئے ہو ورنہ اسلام اور مسلمانوں کے لئے بے شمار خطرات کا سامنا ہو گا-

بدقسمتی سے اس زمانہ میں بہت سے ایسے لوگ اور جماعتیں جن کو مذہب اور دین سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے' اپنی چرب زبانی سے رہنما اور محافظ امت مسلمہ بن کر بیٹھے ہیں اور لوگ ان کے دھوکہ میں آکر انہیں کو اپنا نجات دہندہ اور حقیقی رہبر سمجھنے لگے ہیں دنیاوی امور میں تو اگر ایک ہانڈی یا مٹی کا برتن بھی خریدتے ہیں تو اس کو خوب ٹھونکتے اور بجاتے ہیں مگر آج نمائندگی اور ترجمانی اور رہنمائی کے

لئے نہ ایسے لوگوں کی عملی حالت کو دیکھا جاتا ہے نہ علمی کیفیت کو ٹٹولا جاتا ہے نہ سیرت پر نظر ڈالی جاتی ہے نہ صورت کا لحاظ کیا جاتا ہے نہ ان کی سابقہ زندگی کی تفتیش کی جاتی ہے نہ ان کے عزائم قلبیہ کو عقل کی کسوٹی پر کسا جاتا ہے صرف چرب زبانی اور زور قلم دار انگریزی تعلیم کو معیار رہنمائی قرار دیا جاتا ہے الفاظ کی بھول بھلیوں میں عموماً" ہندوستانی مسلمان پھنس کر رہ جاتے ہیں لفظ مسلم لیگ کے سنہرے روپ کو دیکھ کر پہلے الفاظ سے دھوکہ کھا کر اس کے فریفتہ ہو جاتے ہیں ان کو خبر نہیں کہ اس جماعت پر قابض ہونے والے کون لوگ ہیں کن کے قبضہ اقتدار میں یہ جماعت ہے ان کی سابقہ کاروائیاں کیا ہیں اور ان کی موجودہ حالت کیا ہے یہی چیزیں ہیں جن سے ان کی حقیقت پہچانی جا سکتی ہے اور یہ جانا جا سکتا ہے کہ آیا یہ لوگ رہبر ہیں یا رہزن' یہ تریاق ہیں یا بس کی گانٹھ' یہ چرواہے ہیں یا بھیڑیے

ہم مسلمانوں کی خیر خواہی کے لئے ارادہ کرتے ہیں کہ لیگ اور اس کی چوٹی کے سربرآوردہ لوگوں کی صحیح صحیح کیفیت مسلمانوں کے سامنے پیش کر کے ان کو متنبہ کریں کہ یہ جماعت اور اس کے ہائی کمانڈر تمہارے لئے ہرگز قابل اعتماد نہیں ہے نہ وہ تمہارے مذہبی رہنما بننے کے قابل ہیں اور نہ سیاسی۔ ان کی مذہبی اور سیاسی غداریاں کھلی کھلی سامنے رکھ رہے ہیں تاکہ حق اور باطل متمیز ہو جائے پھر اگر کوئی صحیح راہ پر نہ آئے تو وہ جانے اور اس کا کام اسی بناء پر ہم متعدد چھوٹے چھوٹے پمفلٹ اور رسالے پیش کرتے ہیں جن میں نہایت معتبر استدلالات سے کام لیا گیا ہے افواہوں اور غیر معتبر روایات کو کام میں نہیں لایا گیا ہے۔ پہلا نمبر لیگ اور سول میرج ہے۔ جس میں لیگ کی مذہب اسلام اور قرآن سے دشمنی کو صاف طور پر دکھلایا گیا ہے مسلمانوں کو چاہئے کہ انصاف اور غور و فکر سے کام لیں۔ ہٹ دھرمی اور تعصب کو اس میں راہ نہ دیں خود بھی گمراہی سے بچیں اور دوسروں کو بھی بچائیں۔

سول میرج

سول میرج (تمدنی شادی) جس کو قانونی شادی کہنا زیادہ موزوں ہے کیونکہ یہ شرعی شادی نہیں بلکہ لامذہبوں اور بے دینوں کی صرف قانون کے زور سے شادی ہے۔ ہندوستان میں ۱۸۷۲ء سے یہ قانون نافذ ہے۔ اس کو اسپیشل میرج ایکٹ بھی کہتے

ہیں۔ اس کی غرض اسی کے الفاظ میں حسب ذیل ہے۔

"ہر گاہ کہ یہ مناسب ہے کہ ان لوگوں کے لئے شادی کا طریقہ مقرر کیا جائے جو عیسائی، یہودی، ہندو، مسلمان، پارسی، سکھ، یا جین مذہب کے پیرو نہیں ہیں اور بعض شادیوں کو قانوناً" جائز قرار دیا جائے جن کا جواز مشتبہ ہے۔ اس لئے قانون ذیل بنایا جاتا ہے۔

۱۹۲۳ء میں اس ایکٹ میں ترمیم کی گئی اور ہندو، بودھ، جین مذہب کے ماننے والوں کو بعض حالات میں اس قانونی شادی کی اجازت دی گئی مگر عیسائیوں، یہودیوں، مسلمانوں اور پارسیوں کو کسی حالت میں اس قانون کے ماتحت شادی کی اجازت نہیں دی گئی اس ایکٹ میں تحریر ہے کہ شادی سے پہلے فریقین نکاح اور تین گواہ لازماً" شادیوں کے رجسٹرار کے سامنے ایک اعلان پر دستخط کریں گے جو اس ایکٹ کے ضمیمہ (شیڈول) نمبر ۲ کے مطابق ہو گا۔ وہ اعلان مسلمانوں، عیسائیوں، پارسیوں، یہودیوں کے متعلق ۱۹۳۱ء کے بعد بھی حسب ذیل ہے :۔

"میں فلاں شخص حسب ذیل اعلان کرتا ہوں۔

(۱) میں اس وقت غیر شادی شدہ ہوں۔

(۲) میں عیسائی، یہودی، ہندو، مسلم، پارسی، بودھ، سکھ یا جین مذہب کا پیرو نہیں ہوں۔

(۳) میں اٹھارہ برس کی عمر حاصل کر چکا ہوں۔

(۶) اگر میں جانتا ہوں کہ اس اعلان کا کوئی حصہ جھوٹ ہے اور اگر یہ بیان دیتے وقت میں یہ جانتا ہوں کہ یہ جھوٹ ہے یا میں اسے سچ یقین نہ کرتا ہوں تو مجھے قید اور جرمانہ کی سزا ہو سکتی ہے۔"

یہی اعلان عورت کو بھی کرنا پڑتا ہے۔ البتہ عورت کے لئے بجائے ۱۸ کے ۱۴ سال کی عمر ہونی ضروری ہے۔ ہم نے دفعہ چار اور پانچ کو غیر ضروری ہونے کی وجہ سے خذف کر دیا ہے۔

مولانا مظہر علی اظہر ناظم اعلیٰ مجلس احرار نے مسٹر جناح کی ۱۹۱۸ء میں ایک پارسی خاتون سر ڈین شاہ پیٹٹ بمبئی پارسی کی لڑکی سے ماتحت قانون سول میرج شادی ہوئی ان کی سوانح حیات صفحہ ۲۰ سے ثابت کی ہے اسی جگہ سوانح حیات میں یہ بھی مذکور ہے کہ "بے شک یہ شادی اصول کے خلاف تھی لیکن کچھ عرصہ بعد آپ کی بیوی

نے اسلام قبول کر لیا اور مذہبی اصول پر کاربند رہیں"
یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ یہ شادی قانوناً" بغیر تمام مذاہب سے تبری یعنی تمام مذاہب سے علیحدگی کا اعلان اور اس کے اقرار کے نہیں ہو سکتی تھی۔ لیگی پریس نے اس کے جواب میں بہت کچھ زور لگایا ہے مگر باوجود ہر قسم کی کوششوں کے وہ اس میں ناکام رہا ہے کہ شادی کے وقت یا اس سے پہلے خاتون مذکورہ کا اسلام ثابت کر سکیں اگرچہ مولانا مظہر علی صاحب موصوف اس میں بھی متأمل ہیں کہ خاتون موصوف کے اسلام کو قبول کر لیا جائے اور فرماتے ہیں کہ "مسٹر جناح کو بری کرنے کے لئے یہ افسانہ تراشا گیا ہے" لیکن اس امر کو تسلیم کر لینے میں ہم کوئی حرج نہیں سمجھتے کہ خاتون موصوف کا اسلام حسب ادعاء مصنّفین سوانح تسلیم کر لیا جائے۔ مگر کسی شہادت سے اس کا پتہ آج تک نہیں نکالا جا سکا کہ خاتون موصوف نکاح اور شادی کے وقت یا اس سے پہلے مسلمان ہوئی تھیں۔

مولانا مظہر علی موصوف کے اس اعتراض کا بھی کوئی جواب نہیں دیا جا سکا کہ مسٹر جناح نے نکاح کے وقت دیگر مذاہب سے تبری اور علیحدگی کا اعلان و اقرار کیا ہے جو کہ سول میرج کے لئے ضروری ہے۔

اس پر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ تو مسٹر جناح کا ذاتی اور شخصی فعل ہے سیاسی حیثیت اور مسلمانوں کی رہنمائی سے اس کا کوئی تعلق نہیں سیاسیات اور قومی قیادت میں اس سے بحث کرنا بے موقع اور غلط ہے ہم کو صرف ان کی رہنمائی اور پالیسی کو دیکھنا چاہئے اگرچہ یہ جواب قابل غور اور قابل نظر ہے تاہم بہت سے لوگ اسی کو صحیح سمجھتے ہیں اس لئے ہم ایک کھلی ہوئی اور واضح چیز پیش کرتے ہیں جس کو کوئی ادنی عقل والا بھی قابل و اگذاشت نہیں کہہ سکتا جو کہ سیاست ہی سے تعلق رکھتی ہے۔

۲۶ فروری ۱۹۱۲ء کو وائسرائے کی کونسل میں مسٹر بھوپندرا ناتھ باسو (سول میرج کے قانون مجریہ ۱۸۷۲ء کے متعلق ترمیم کا مسودہ پیش کرتے ہوئے) درخواست کرتے ہیں کہ اس کو منتخب کمیٹی کے سپرد کیا جائے تاکہ پاس ہو کر ملک میں نافذ ہو۔ اس کی تائید کرتے ہوئے مسٹر جناح حسب ذیل تقریر کرتے ہیں۔

"یقیناً" اس کونسل میں ایک ہندو یا مسلمان نمائندہ کی حیثیت اس سبب سے بہت پرخطر ہے کہ کٹر لوگوں کی رائے اس کے خلاف ہے لیکن میری گذارش یہ ہے کہ

ایک نمائندہ جو اپنی قوم کے متعلق کچھ فرائض رکھتا ہے کوئی وجہ نہیں کہ اپنے ذاتی عقیدہ کو بے خوفی کے ساتھ ظاہر کرنے سے احتراز کرے۔[۵۲] اس سے یہ نتیجہ لازم نہیں نکلتا کہ چونکہ اکثریت اس کے خلاف ہے اس لئے وہی لوگ صحیح راستہ پر ہیں جن کی اکثریت ہے۔[۵۳] اس کونسل کے کسی نمائندہ کو اگر اس بات کا یقین ہو کہ کوئی قانون ایسا ہے جو اس کے ملک اور قوم کے لئے مفید ہے تو اس کی تائید کرنی چاہئے .... محترم رکن قانون (سر علی امام) نے کہا ہے کہ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے، قرآن (شریف) میں صاف احکام ہیں کہ ایک مسلمان، مسلمان عورت یا کتابیہ کے سوا کسی کے ساتھ شادی نہیں کر سکتا۔

میں یہ تسلیم کر لوں گا کہ ان کا یہ بیان درست ہے پھر کیا میں محترم رکن سے یہ دریافت کر سکتا ہوں کہ کیا اس ملک کی قانون سازی کی تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے کہ اس کونسل کو قانون اسلامی اس لئے نظر انداز کرنا پڑا یا اس میں ترمیم کرنی پڑی، تاکہ وہ مقتضیات زمانہ کے مطابق ہو جائے۔ اس کونسل نے بہت سی حیثیتوں سے قانون اسلامی کو نظرانداز کیا یا اس میں ترمیمات کی ہیں۔ مثلاً" اسلامی قانون معاہدہ تسلیم نہیں کیا جاتا۔ اسلامی قانون فوجداری جس پر انگریزی حکومت قائم ہونے کے بعد بھی عمل درآمد ہوتا رہا۔ اب کلیتہ" منسوخ کر دیا گیا ہے قانون شہادت جیسا کہ اسلامی قانون میں تھا اس ملک میں اب کہیں بھی نہیں پایا جاتا۔ اس سب پر بالا یہ کہ ابھی زمانہ حال کا ایک قانون ہے یعنی سیکس موسائی ایکٹ نمبر ۲۱ ۱۸۵۰ء یا ذات کی رکاوٹ ہٹانے کا قانون ہے[۵۴]

جس کی طرف میں اس کونسل کی توجہ اس بناء پر مبذول کروں گا کہ جیسے قرآن شریف میں کھلے ہوئے احکام موجود ہیں کہ مذہب تبدیل کرنے کی صورت میں تمام حقوق وراثت ساقط ہو جاتے ہیں ویسے ہی محترم رکن نے بتایا ہے کہ غیر مسلمہ سے شادی کی صورت میں بھی یہ حق ساقط ہو جاتا ہے[۵۵]

مگر اب ایک مسلمان اپنا مذہب تبدیل کر سکتا ہے اور پھر بھی اس کا حق وراثت زائل نہیں ہوتا اور قرآن شریف میں جو حکم اس باب میں ہے وہ بالکل منسوخ ہو گیا ہے[۵۶] اور جہاں تک اس قانون کا تعلق ہے یہی دلیل ہندوؤں پر بھی چسپاں ہو گی بشرطیکہ ایک اچھا اور مضبوط مقدمہ مرتب کیا جائے میں عرض کروں گا کہ یہ نظیریں ہیں جن کی ہم کو پیروی کرنی چاہئے تاکہ مقتضیات زمانہ اور موجود ضروریات کا ہم

ساتھ دے سکیں۔ جس کے لئے بہت سے نظائر خود اسلامی قانون میں موجود ہیں اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جہاں تک میں غور کرتا ہوں مسلمانوں اور ہندوؤں کے قوانین میں سے جن کو بھی آپ پیش نظر رکھیں۔ ان کی وجہ سے بہت سی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اگر ایک ہندو غیر ہندو سے یا ایک مسلمان غیر کتابیہ سے شادی کرے۔ لیکن کیا قانون سازی کے ذریعہ اس دقت کو دور نہیں کیا جا سکتا۔ کیا اس معاملہ میں مجلس قانون ساز کی دخل دہی کے لئے مواد موجود نہیں ہے جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے یہ بالکل اختیاری قانون ہے جس میں ذرا بھی لزوم نہیں ہے قانون ہرگز یہ نہیں کہتا کہ ہر مسلمان کو کسی غیر مسلمہ کے ساتھ یا ہر ہندو کو کسی بھی غیر ہندو کے ساتھ شادی کرنی ہو گی۔ اس لئے اگر کافی تعداد میں ایسے روشن خیال، تعلیم یافتہ اور ترقی پذیر ہندوستانی موجود ہیں۔ خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان یا پارسی۔ اور وہ ایسا طریقہ شادی اختیار کرنا چاہتے ہوں جو زمانہ حاضر کے احساسات سے زیادہ مطابقت رکھتا ہو۔ تو کیوں اس طبقہ کو انصاف سے محروم رکھا جائے جبکہ اس سے ہندوؤں یا مسلمانوں کو کسی قسم کا کوئی شدید نقصان پہنچنے کا احتمال نہیں ہے "۔

(گورنمنٹ آف انڈیا گزٹ شعبہ قانون سازی صفحہ ۱۶۰، ۱۶۱)

(سوانح عمری مسٹر جناح) صفحہ ۲۶۷ کے مندرجہ ذیل اقتباس کو ملاحظہ فرمائیے جس کو مولانا ظفر الملک صاحب لکھنوی نے تحریر فرمایا ہے۔

"۱۹۰۹ء میں مسلمانان بمبئی کی جانب سے منتخب ہو کر مسٹر جناح وائسرائے کی کونسل کے ممبر ہوئے۔ جہاں ۱۹۱۲ء میں مسلمانوں کی رائے عامہ کے خلاف انہوں نے قانون شادی کے مسودہ قانون کی پرزور تائید کی اور علی گڑھ پارٹی کے خلاف مسٹر گوکھلے کی ابتدائی تعلیم کے مسودہء قانون کی بھی تائید کی۔ جس سے مسلمانان بمبئی ناراض ہو گئے اور ۱۹۱۲ء کے انتخاب میں ان کو کامیابی نہ ہوئی۔ مسٹر جناح نے تعلیمی مسودہ مذکورہ پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا :۔

"جب میں شادی کے مسودہ قانون پر اس سے پیشتر تقریر کر رہا تھا تو میں نے اعلانیہ آزادی کے ساتھ اسے تسلیم کیا تھا کہ قوم کی اکثریت اس مسودہء قانون کے خلاف ہے مگر میرے دلی معتقدات اس مسودہ کی موافقت میں تھے اور میں نے اپنا فرض تصور کیا کہ اس تجویز کی تائید کروں۔"

(سوانح عمری مسٹر جناح صفحہ ۲۶۷)

حضرات یہ دونوں بیان کسی اخبار سے نہیں لئے گئے ہیں بلکہ گورنمنٹ کے کاغذات اسمبلی اور سوانح عمری سے لئے گئے ہیں جس میں کسی فروگذاشت اور تغیر و تبدل کی گنجائش نہیں ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر جناح قرآن شریف اور صریح احکام اسلامیہ کے متعلق کیا عقیدہ رکھتے ہیں اور اسمبلیوں اور کونسلوں میں وہ کیسے قوانین پاس کرانا چاہتے ہیں وہ نہ قرآن کو مسلمانوں کے لئے قانون ابدی سمجھتے ہیں اور نہ اس کو ہمیشہ کی مصالح اور مقتضیات کے موافق قرار دیتے ہیں لیگ اور اس کے قائدین و ممبر مجالس قانون ساز میں مسلمانوں کی ترجمانی اور ان کے مذہب کی کیا اور کیسے تائید کریں گے اس پر غور کرنا چاہئے اور روشنی حاصل کرنی چاہئے کیا مسٹر عنایت اللہ مشرقی کے اس قول کی اس سے پوری تائید نہیں ہوتی جو کہ انہوں نے لاہور کے بھرے مجمع میں بروز عید اسی ۴۵ء میں بیان کیا تھا کہ "مسٹر جناح نے مجھ سے کہا تھا کہ قرآن تیرہ سو برس کی فرسودہ کتاب ہے اب وہ قابل عمل نہیں۔"

لیگی پریس نے اس کی تکذیب میں بہت کچھ شور و شغب کیا۔ مگر کیا کوئی شخص اس واضح تقریر کی جو کہ مستند اور یقینی ہے تکذیب کرنے کی ہمت رکھتا ہے۔

ہم مسلمانوں سے پوچھتے ہیں کہ کیا ایسی کیفیت کو ظاہر ہو جانے کے بعد بھی وہ اپنے لئے جائز اور صحیح سمجھتے ہیں کہ وہ ایسے شخص کو اپنا قائد اعظم اور سردار بنائیں یا اس کی تائید کریں یا اس کو ووٹ دیں مسلمانوں کو غور کرنا چاہئے کہ وہ کہاں جا رہے ہیں اور کیا وہ اپنی اور اسلام کی اسی حالت میں اور ایسی جماعت میں آبیاری کر رہے ہیں یا اسلام کی کشتی کو ڈبونے کی تیاری کرتے ہوئے .... اس کے سامان بہم پہنچا رہے ہیں۔

ہم اس کا فیصلہ مسلمانوں کی دیانت اور غیرت پر چھوڑتے ہیں ہر شخص اپنے دین و مذہب کا ذمہ دار ہے اور ہم جمعیت علماء اسلام کو بھی متنبہ کرتے ہیں کہ وہ جاگیں اور تائید مسلم لیگ میں جو قدم اٹھا رہے ہیں اس پر غائرانہ نظر ڈالیں اور اپنے مسلم قوم و مذہب کے لئے نجات کی صورتیں نکالیں والی اللہ المشتکی۔

جمعیّت علماء کی شاندار خدمات

سول میرج ایکٹ کی ترمیم کے متعلق اس وقت مسٹر جناح اور بھوپندر ناتھ باسو کر

کوئی کامیابی نہیں ہوئی اس لئے کہ کونسل کے بقیہ ممبران موافق نہیں ہوئے۔ اور ترمیم گر گئی۔ اس کے بعد کئی مرتبہ اس میں ترمیمیں پیش کی گئیں۔ مگر سوائے ۱۹۲۳ء کے کسی وقت میں بھی کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ ۱۹۲۳ء میں ہندوؤں کی مختلف پارٹیوں جین بودھ سکھ وغیرہ کا استثناء کر دیا گیا۔

اسکے بعد ۹ فروری ۱۹۲۸ء کو مسٹر ہری سنگھ گور نے اسپیشل میرج بل ایوان میں پیش کیا جس کی مختصر روئداد بحوالہ انڈین کورٹرلی (سہ ماہی) رجسٹر ۱۹۲۸ء صفحہ ۲۵ جلد اول ۲۲ مارچ ۱۹۲۸ء اسپیشل میرج ایکٹ (ترمیمی بل) حسب ذیل ہے۔

اس بل کے سلسلہ میں سر یامین صاحب کی تقریر بھی اس قابل ہے کہ اس کو باور کیا جائے بالخصوص آپ کا یہ نکتہ قابل یادداشت ہے کہ آپ نے اس بل کے متعلق فرمایا کہ یہ بل غیر اسلامی نہیں ہے۔

مختصر رُوئداد

سر ہری سنگھ گور نے تجویز پیش کی کہ ان کے اسپیشل میرج ایکٹ (ترمیمی) بل کو سلیکٹ کمیٹی کے سپرد کر دیا جائے

سر ہری سنگھ نے اپنے اس اقدام کی تاریخ بیان کی اور کہا کہ سر ہنری مین نے ۱۸۶۸ء میں یہ تجویز پیش کی تھی کہ کونسل ایک ایسا غیر مذہبی قانون شادی کے لئے بنا دے جس سے تمام ہندوستانی رعایا مستفید ہو۔ اس وقت سے ملک کے لئے سول میرج کے قانون کی متعدد بار کوشش کی جا چکی ہے اس کے ابتدائی اقدامات نے جو ۱۹۲۳ء میں نافذ ہوئے، ہندو، جین، سکھ، اور بودھ مذہب والوں کے لئے آپس میں شادی کو جائز کر دیا۔ ہنری کے بل نے ایوان کے سامنے یہ پیش کیا تھا کہ تمام شادیوں کے بغیر ذات پات رنگ و نسل کا لحاظ کئے ہوئے جائز قرار دیا جائے آج ہندوستان کو سخت دشواری پیش آرہی ہے کیونکہ فریقین برٹش سول میرج کے ماتحت صرف ہندوستان کے باہر شادی کر سکتے ہیں اگر یہ بل پاس ہو گیا تو ہندوستان سے فرقہ وارانہ جذبہ ختم ہو جائے گا اور ہندوستان متحد ہو کر ایک قوم ہو جائے گا۔

مسٹر انوار العظیم نے کہا کہ اس بل کے ذریعہ ہمارے اعتقادات کو کچلا جا رہا ہے اس لئے مسلمانوں کو اس سے مستثنیٰ کر دیا جائے۔

سر یامین کی تقریر

مسٹر یامین نے کہا :۔ یہ بل غیر اسلامی نہیں ہے۔ ذات پات کی بندش کو جڑ سے اکھاڑ دینا، اور دو محبت کرنے والوں کے لئے اتحاد کا بلالحاظ ذات پات کوئی راستہ مہیا کرنا ایک عظیم اخلاقی کارنامہ ہے۔ اور آزادی ہند کا حل اکبر نے جو کہ ایک بہت بڑا قومی شخص تھا اس کی مثال پیش کر دی مگر افسوس ہندوستان نے جو ذات پات سے مغلوب تھا اس کی تقلید نہیں کی ---- یہ کہتے ہوئے مسٹر یامین نے بل کے مشتہر کرنے کی حمایت کی۔

(کوارٹرلی رجسٹر ۱۹۲۸ء)

اس کے بعد ۱۹۳۲ء میں پھر یہ بل پیش کیا گیا اور خواہش کی گئی کہ جس طرح ۱۹۲۳ء میں سول میرج کے قانون میں ترمیم کر کے ہندوؤں کے مختلف فرقوں بودھ، جینی، سکھ وغیرہ کا استثناء کر دیا گیا مسلمانوں عیسائیوں وغیرہ کا بھی استثناء کر دیا جائے۔ یا یہ قانون منسوخ ہی کر دیا جائے مگر جمعیت علماء ہند نے ایسی کوشش کی کہ جس سے یہ ترمیم پاس نہ ہو سکی اس کو رسالہ (جمعیت العلماء کیا ہے؟) کے صفحہ ۱۲ (ایڈیشن سوم) پر مندرجہ ذیل الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے۔

"۱۹۳۲ء میں مرکزی اسمبلی میں مسلم اور غیر مسلم شادی بیاہ کے قانون کا مسودہ پیش ہوا۔ اس باطل مسودہ کی مخالفت پر مسلمانوں کی کسی انجمن نے توجہ نہیں کی عین وقت پر جمعیت علماء ہند کے ارکان کو جب اطلاع ہوئی تو فورا" اس مسودہ قانون پر اسلامی نقطہ نظر سے تبصرہ کیا گیا اور اس تبصرہ کو اخبار "الجمعیت" میں چھاپ کر تمام سرکاری اور غیر سرکاری ممبروں کے پاس خصوصیت سے بھیجا گیا اور بعض مسلم ممبروں کو آمادہ کیا گیا کہ وہ اس مسودہ کی مخالفت کریں۔ مسودہ کی خواندگی کے دن مرکزی اسمبلی میں جمعیت العلماء کی طرف سے خصوصیت کے ساتھ نگرانی رکھی گئی چنانچہ الحمدللہ کہ مسودہ بھی واپس لے لیا گیا اور مسلمانان ہند ایک بے پناہ فتنہ سے محفوظ رہے۔

آج تعزیرات ہند میں یہ قانون بجنسہ موجودہ ہے اور مسلمانوں ہندوؤں عیسائیوں اور یہودیوں کے لئے اپنے مذہب کے نہ ماننے اور پابند نہ ہونے کا اقرار کئے بغیر قانونا" ایسی شادی جرم قرار دی جاتی ہے قریبی زمانہ میں مسٹر جناح کی صاحبزادی کی شادی بھی اسی قانون کے ماتحت ایک عیسائی سے ہوئی۔ جس کا واقعہ طشت ازبام ہو

چکا ہے۔

سیاسی حیثیت سے بھی اس قانون کی بہت زیادہ اہمیت ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو یقیناً" بہت سی ریاستیں اور تعلقے آج انگریزوں کے ہاتھ میں ہوتے عیش پرست نواب اور تعلقہ دار یورپین لیڈیوں پر مائل ہو کر نکاح کرتے اور ان کی اولاد انگریز بنتی اور علاقہ مسلمان اور ہندوؤں سے نکل کر انگریزی اقتدار میں وراثتاً" علانیہ آجاتے۔ جیسا کہ تاریخ اس کے بہت سے شواہد پیش کر رہی ہے جس طرح مذہب اور قرآن کی دشمنی لیگ کے ہائی کمانڈ کے ان واقعات سے زمانہ سابق میں ظاہر ہوتی ہے آج بھی وہی حالت ہے جس کو ہم لیگ اور شریعت بل عنوان کے تحت میں ظاہر کر چکے ہیں۔

قرآن کے احکام

قرآن شریف میں اس کے متعلق غیر مبہم الفاظ میں ممنوع ہونے کے احکام موجود ہیں سورہ بقرہ میں فرمایا گیا ہے -**ولا تنکحو المشرکین حتی یومن ولا متہ مومنتہ خیر من مشرکتہ واعجبتکم ولا تنکحو المشرکین حتی یومنوا ولعبد مومن خیر من مشرک ولواعجبکم اولئک یدعون الی النار واللہ یدعوا الی الجنتہ والمغفرۃ باذنہ ویبین ایاتہ للناس لعلھم یتذکرون**

(ترجمہ) اور مشرک عورتوں سے جب تک وہ ایمان نہ لائیں تم نکاح نہ کرو۔ ایماندار باندی آزاد مشرکہ عورت سے بہتر ہے اگرچہ تم کو پسند ہو۔ اور کسی مسلمان عورت کا نکاح تم کسی مشرک مرد سے مت کرو جب تک وہ ایمان نہ لائے غلام مومن آزاد مشرک سے بہتر ہے اگرچہ تم کو پسند ہو یہ سب (مشرک اور مشرکہ) دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جنت کی طرف بلاتا ہے اور لوگوں کے لئے آئین بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

سورہ ممتحنہ میں ہے۔

یا ایھا الذین امنوا اذا جاء تکم المومنات مھاجرات فامتحنوھن اللہ اعلم بایمانھن فان علمتموھن مومنات فلا ترجعوھن الی الکفار لاھن حل لھم ولا ھم یحلون لھن۔

(اے ایمان والو جب تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کرتی ہوئی آئیں تو ان کا امتحان لو اللہ تعالیٰ ان کے ایمان سے بخوبی واقف ہے اگر تم ان کو بعد امتحان جانو

کہ وہ ایمان والی ہیں تو کافروں کی طرف ان کو نہ لوٹاؤ نہ وہ کافر مردوں کے لئے حلال ہیں اور نہ کافر مرد ان کے لئے حلال)۔ اسی صورت میں ہے۔

ولا تمسکوا بعصم الکوافر (کافر عورتوں کی عصمت کو اپنے قبضہ میں مت لاؤ)

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن شریف میں نہایت صریح اور کھلے طریقہ پر غیر مسلم عورتوں سے علاوہ کتابیہ کے ہمیشہ کے لئے نکاح کو منع کیا گیا ہے اور اسی طرح غیر مسلم مردوں سے مسلمان عورتوں کے نکاح کو مطلقاً منع کیا گیا ہے۔

مسلمانوں کے پختہ اور اٹل عقیدہ میں قرآن شریف اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اللہ تعالیٰ تمام چیزوں کا ازل سے ابد تک جاننے والا ہے اس کے احکام قرآنیہ ہمیشہ کے لئے ہیں۔ اس کی تعلیمات منسوخ نہیں ہو سکتیں کسی دوسرے کو مجال نہیں کہ اس کو منسوخ کر سکے۔ نہ کسی زمانہ میں اس کے خلاف کوئی حکم عدل و انصاف ہو سکتا ہے جو کچھ قرآن میں ہے وہ انصاف ہے وہی ہر زمانہ میں مصالح انسانیہ کو موافق ہوگا۔

جاہل اور بے دین لوگ اپنی ناواقفیت اور غلط فہمی اور نفس پرستی کی بناء پر غلط کاریوں میں مبتلا ہو کر خداوندی احکام کو ٹھکرا دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے بچنا ضروری ہے نہ یہ کہ ان کی امداد اور اعانت کی جائے۔ اور تقویت پہنچا کر ملت اسلامیہ اور مذہب کو نقصان پہنچایا جائے۔ **فاعتبروا یا اولی الابصار**

مراد ما نصیحت بود و گفتیم حوالت باخدا کریم در فتیم

ننگِ اسلاف

حسین احمد غفرلہٗ

حواشی سول میرج اور لیگ

(۱) (ترمیم کا حاصل یہ تھا کہ ہندو اور مسلمان کو اس قانون سے مستثنےٰ کر دیا جائے یعنی قانوناً" جائز قرار دیا جائے کہ بلا اعلان مذکور کے ہندو اور مسلمانوں کی شادی غیر ہندو اور غیر مسلمان سے جائز مانی جائیں۔)

(۲) (کیا یہ خیانت اور غداری نہ ہو گی اور کیا ایک نمائندہ اور ترجمان جس کو کسی جماعت نے اپنے دینی اور دنیوی مفاد کی ترجمانی کے لئے بھیجا ہو' اپنی ذاتی رائے کو پیش کرتے ہوئے خلاف جماعت یا خلاف اکثریت فریسندگان اپنی ذاتی رائے سے قانون بنوانے کا اور وہ بھی ایسا قانون بنوانے کا جو کہ قرآن کی صریح نص کے خلاف ہو' مجاز ہو سکتا ہے؟ بالخصوص ایسی صورت میں کہ انتخاب جداگانہ ہو اور گویا انتخاب کا مطلب ہی یہ ہو کہ مذہبی حیثیت سے مذہبی نقطہء نظر کے بموجب نمائندگی کرے گا۔ افسوس! کس قدر شرمناک دھوکہ ہے کہ ووٹ لینے کے وقت اسلام اور تحفظ اسلام کا ڈھول پیٹا جائے اور اسمبلیوں میں پہنچ کر احکام اسلام میں تحریف اور تبدیلی کی کوشش کی جائے۔)

(۳) اس سے ان لوگوں کو عبرت حاصل کر نی چاہیے جو کہ لیگ میں داخل ہونے کے لزوم کے لئے یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ مسلمانوں کی اکثریت اس میں ہے اور اسی لئے اس کو صحیح راستہ بتاتے ہیں۔

(۴) یہ جملہ قوانین اس مستبد انگریزی حکومت نے بنائے ہیں جب کہ وہ مطلق العنانی کے ساتھ جو کچھ چاہتی تھی کرتی تھی مگر جبکہ کونسلیں قائم کی گئیں۔ اور مسلمانوں اور ہندوؤں کے نمائندے منتخب شدہ وہاں اس لئے بھیجے جانے لگے کہ اپنے منتخب کرنے والوں کی ترجمانی کرتے ہوئے ایسی باتیں قوانین میں نہ آنے دیں جو کہ ان کے مذہب اور زندگی کے لئے مضرت رساں ہوں اور ایسی باتیں پاس کریں جو کہ ان کی دینی اور دنیاوی بہبود کا ذریعہ بنیں اس وقت کا حال دوسرا ہو گیا۔ مسٹر جناح کو مسلمانان بمبئی نے نمائندہ بنایا تھا ان کا فرض تھا کہ وہ بھیجنے والوں کی ترجمانی کرتے اور ایسے قوانین کی آڑ نہ پکڑتے جو کہ انگریزوں نے اپنے استبداد سے خلاف مذہب اور خلاف قرآن و اسلام بنائے تھے نیز یہ قوانین خلاف اسلام ہونے کی وجہ سے کسی طرح بھی قابل استدلال نہ تھے بلکہ اگر کونسل میں بھی ایسے قوانین بنائے گئے ہوتے

تو ان کو منسوخ کرنے یا ترمیم کرنے کا مطالبہ لازم تھا۔ بالخصوص جبکہ تمام یا اکثر مسلمان اس سے ناراض بھی تھے۔ ایسے وقت میں ایسا قانون بنانا جو کہ خلاف قرآن اور خلاف اسلام تھا اور فقط مسٹر جناح کے مغربیت زدہ ضمیر کی آواز تھی کیا غداری اور خیانت نہیں تھی۔ کیا ایک غلطی دوسری غلطی کی دلیل اور نظیر ہو سکتی ہے۔

(۵) یہ مسٹر جناح کی انتہائی غلطی ہے کہ مذہب تبدیل کرنے والے کے لئے محروم الارث ہونا قرآن شریف کا کھلا حکم بتاتے ہیں بیشک مرتد (مذہب تبدیل کرنے والا مسلمان) اسلامی احکام میں وراثت سے محروم ہو جاتا ہے لیکن یہ حکم قرآن شریف کی صریح آیت سے نہیں لیا گیا ہے بلکہ اشارات قرآنیہ اور دوسرے دلائل شرعیہ سے ثابت ہے علی ھذا القیاس غیر کتابیہ سے شادی کرنے والے کو وراثت سے محروم قرار دینا بھی ان کی صاف صریح غلطی ہے وہ محروم الارث نہیں ہے ہاں اس کی اولاد نکاح صحیح نہ ہونے کی بناء پر محروم الارث ہو گی ۔

(۶) قرآن شریف کے حکم کو منسوخ کرنے والی کوئی قوت نہیں ہے

(۷) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر جناح کے نزدیک قرآنی احکام میں بے انصافی بھی ہے۔

(۹) یعنی یہ قانون بدستور ان لوگوں کے لئے رہا جو عیسائی، یہودی، ہندو، مسلمان پارسی، سکھ یا جین مذہب کے پیرو کار نہ ہوں۔

(۱۰) سر یامین کا یہ فتوی اس طرز عمل کا ایک نمونہ ہے جو حفاظت کلچر اور واحد نمائندگی کے دعویدار اسمبلی میں اختیار کرتے ہیں کیوں نہ ہو جب ملت کے واحد نمائندہ ہیں تو کسی کی کیا مجال کہ دم مارے۔

(۱۱) معاذ اللہ، اسلامی حکم غیر اخلاقی ہے کیا یہی ہیں اسلامی کلچر کے محافظ۔ افسوس افسوس۔

(۱۲) یعنی ان کے لئے قانوناً" جائز قرار دیا جائے کہ وہ اپنے مذہب سے براءت کئے بغیر آپس میں نکاح کر سکیں۔

مسٹر جناح کا پراسرار معمّہ

اور

اُس کا حل

شیخ الاسلام حضرت مولاناؒ سید حسین صاحب کا وہ بصیرت افروز بیان جو سات سال پیشتر ماہ ذی قعدہ ۱۳۵۷ھ میں رسالہ قائد مراد آباد اور مدینہ وغیرہ اخبارات میں شائع ہوا تھا جبکہ حضرت موصوف نے مسٹر جناح کی عہد شکنی کے باعث مسلم لیگ کے پارلیمنٹری بورڈ سے علیحدگی اختیار کی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
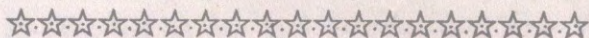
مسٹر جناح کا پر اسرار معمّہ اور اس کا حل

مسلم لیگ کی تاریخ سیاہ اور عُلماء ہند کی علیحدگی

حامدا" و مصلیا"۔ اما بعد میرے بعض احباب نے مسٹر محمد علی جناح کے اس بیان کی طرف متوجہ کیا جو کہ ۲۲ اگست سنہ حال کے بعض اخبارات میں حسب ذیل الفاظ میں شائع کیا گیا ہے۔

"مولانا حسین احمد کا یہ سارا بیان از سر تاپا غلط ہے"

"قائد ملت مسٹر محمد علی جناح کا باطل سوز بیان"

شملہ ۱۹ اگست مسٹر محمد علی جناح نے مولانا حسین احمد دیو بندی کی ایک تقریر کے سلسلہ میں جو آخر الذکر نے ۱۵ اگست کو غازی آباد میں کی تھی ایک بیان شائع کرایا ہے مسٹر محمد علی جناح لکھتے ہیں۔

مولانا حسین احمد کے متعلق میں نے سنا ہے کہ انہوں نے اپنی اس تقریر میں کہا۔ "عام انتخابات کے موقعہ پر ہم نے مسلم لیگ کی اس لئے مخالفت نہ کی تھی کہ اس وقت ہمیں مسٹر جناح نے یقین دلایا تھا کہ مسلم لیگ کی پالیسی اب بدل گئی ہے اور مسلم لیگ اب آزادی کامل کی حامی ہے لیکن انتخابات ختم ہو جانے کے بعد جب مسٹر جناح نے ہی یہ کہا کہ وہ گفتگو تو محض ایک سیاسی چال تھی تو ہماری آنکھیں کھل گئیں۔ مسٹر جناح تحریر فرماتے ہیں کہ یہ بیان از سرتاپا غلط ہے۔ ۱۹۳۶ء میں جمعیتہ العلماء ہند کے بعض ارکان کیوں مسلم لیگ کے ساتھ مل گئے تھے اور لیگ کے امیدواروں کی انہوں نے کیوں تائید اور حمایت کی تھی اور پھر فورا" وہ کیوں الگ ہو گئے میرے لئے خود یہ ایک پر اسرار معمہ ہے جسے میں حل نہیں کر سکا۔"

مذکورہ بالا بیان کو دیکھ کر میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی میرے لئے یہ تمام بیان ایک عجیب الشان مایوس کن چیستاں ہو کر رہ گیا ہے میں نہیں سمجھ سکا کہ مسٹر جناح اور ان کے مراسلہ نگاروں کی قوت حافظہ بالکل بیکار ہو گئی ہے اور شدت ماؤفیت کی بناء پر وہ صحیح حالات کے انکشاف کے خوف سے بھٹکتے جاتے ہیں یا جان بوجھ کر یہ سب اس یوروپین ناپاک پروپیگنڈہ کے ماتحت عمل میں لایا گیا ہے جس کی مشق اہل لیگ الیکشن کے ختم ہونے کے بعد سے برابر کر رہے ہیں۔ دفعات ذیل ملاحظہ ہوں

(الف) ۱۴-۱۵-۱۶ اگست کو میں دیوبند میں دن و رات مقیم رہا کہیں باہر نہیں گیا پھر غازی آباد میں میری تقریر ۱۵ اگست کو کس طرح ہوئی۔

(ب) کئی سال سے غازی آباد میں مجھ کو کسی سیاسی یا مذہبی تقریر کی نوبت ہی نہیں آئی اور باوجود وہاں کے متعدد حضرات کے تقاضوں کے مختلف اعذار کی بنا پر آج تک مجھ کو وہاں تقریر کرنے کا موقع ہی نہیں مل سکا پھر اس افترا کے کیا معنی ہیں۔

(ج) بیشک ۱۲ اگست کو ناہل ضلع میرٹھ سے واپسی پر میں غازی آباد ہوتا .... ہوا دیو بند آیا تھا مگر وہاں اس وقت اتنا موقع ہی نہ تھا کہ کوئی تقریر کی جاتی گاڑی کا وقت بہت ہی قریب تھا احباب نے ٹھہرنے اور تقریر کرنے پر اصرار ضرور کیا مگر مصروفیتوں کی بناء پر آئندہ کسی وقت پر محول کرنا ہی ضروری سمجھا گیا۔

(د) غازی آباد کے علاوہ مختلف مقامات پر مجھ سے پوچھا گیا ہے کہ تو کیوں لیگ کے پارلیمنٹری بورڈ میں الیکشن کے زمانہ میں شریک ہوا اور کیوں آج علاحدہ ہے تو میں نے یہ جواب ضرور دیا کہ ہم کو مسٹر جناح نے یقین دلایا تھا کہ ہم رجعت پسند اور خودغرض لوگوں سے تنگ آگئے ہیں ہم چاہتے ہیں کہ آہستہ آہستہ ایسے عناصر کو لیگ سے خارج کر دیں اور آزاد خیال ترقی پسند قومی اور مخلص لوگوں کی بھرتی کثرت سے کر کے ان کی آواز کو قوی کر دیں یہ الفاظ یا ان کے ہم معنی جواب میں ہمیشہ کہے گئے

(ہ) میں نے کبھی اور کسی مجلس میں وہ جواب نہیں دیا جو کہ مسٹر جناح کو ان کے مراسلہ نگاروں نے پہنچایا ہے وہ کہ مسلم لیگ کی پالیسی اب بدل گئی ہے اور مسلم لیگ اب آزادیٔ کامل کی حامی ہے مجھ کو بخوبی معلوم ہے کہ مکمل آزادی کا نصب العین بہزار دقت اگست ۱۹۳۷ء میں لکھنؤ کے اجلاس میں پاس ہوا ہے اگرچہ عرصہ سے بہت سے غیور اور انتہا پسند مسلمان اس کے کوشاں تھے مگر کامیاب نہ

ہوتے تھے اس وقت میں تو لیگ کا نصب العین فل رسپانس بل گورنمنٹ ہی تھا جو کہ صرف داخلی آزادی تک بھی تسلیم کیا جا سکتا ہے۔

بیشک مسٹر محمد علی جناح نے نہایت زوردار الفاظ اور طریقوں سے ہم کو اطمینان دلایا کہ رجعت پسند طبقہ اور خودغرض لوگوں کو ہم آہستہ آہستہ لیگ سے نکالیں گے۔ اور آزاد خیال قوم پرست مخلص لوگوں کی اکثریت کی کوشش کریں گے اور ایسے ہی لوگوں کے انتخاب کو عمل میں لائیں گے ہم نے بعد بحث و مباحثہ اس پر اطمینان کیا اور تعاون پر آمادہ ہو گئے جس کی زوردار خواہش مسٹر محمد علی جناح اور ان کے رفقاء کار کی اس وقت تھی۔مگر نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ الیکشن ختم ہو جانے کے بعد ہی جبکہ لکھنؤ میں بورڈ کی پہلی ہی میٹنگ ہوئی تو مسٹر محمد علی جناح نے اپنے تمام وعدوں کو بھلا دیا اور انتہائی جدوجہد فرمائی کہ ایگریکلچرسٹ پارٹی اور انڈپینڈنٹ پارٹی کو لیگ میں شامل کر لیا جائے۔ حالانکہ ایام الیکشن میں ان پارٹیوں کے ساتھ سخت مقابلہ کرنے کی نوبت آچکی تھی دوران بحث میں جبکہ مولانا محمد میاں صاحب فاروقی آلہ آبادی اور مولانا اسمٰعیل صاحب سنبھلی نے مسٹر جناح کو وعدہائے سابقہ یاد دلائے تو جواب میں فرمایا کہ وہ سیاسی وعدے تھے یہ امور اور ان جیسے دیگر امور جن کو میں آئندہ ذکر کروں گا ہمارے لئے سخت مایوسی کا باعث بن گئے اور یقین ہو گیا کہ ہم اس جماعت کے ساتھ نہ تعاون کر سکتے ہیں اور نہ اس میں اخلاص و للہیت ہے اس نے ہم کو صرف آلہ کار بنانے کی غرض سے بلایا تھا اور مقصد برآری کے بعد صرف رجعت پسندی اور خودغرضی کے ماتحت تمام کاروائیاں کرے گی۔ اور مثل سابق سامراج کی موید ہو گی۔ لاحقہ اور سابقہ تجربے بتا رہے ہیں کہ مکمل آزادی کی آواز بھی صرف لفاظی ہی لفاظی ہے عملی کاروائیاں اور اس راستہ میں قربانی سے جان چرانا اور فرقہ پروری اصول جمہوریت سے سرگردانی وغیرہ وغیرہ بتلا رہے ہیں کہ آئندہ کسی قسم کی امید اس جماعت سے بالکل ہی فضول ہے۔

مسٹر جناح فرماتے ہیں کہ ۱۹۳۶ء میں جمعیتہ العلماء کے بعض ارکان کیوں مسلم لیگ کے ساتھ مل گئے اور لیگ کے امیدواروں کی انہوں نے کیوں تائید و حمایت کی تھی اور پھر فوراً ہی وہ کیوں لیگ سے الگ ہو گئے میرے لئے خود یہ ایک پراسرار معمہ ہے جسے میں حل نہیں کر سکا انتہائی تعجب خیز اور حیران کن ہے کیا مسٹر جناح

اور ان کے رفقاء کار مندرجہ ذیل امور کا انکار کر سکتے ہیں۔

(الف) کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ خود مسٹر جناح، مولانا شوکت علی چودھری عبدالمتین، چودھری خلیق الزمان صاحب، نواب اسماعیل خاں صاحب وغیرہ حضرات مارچ ۱۹۳۷ء سے آئندہ الیکشن کے لئے بورڈ وغیرہ بنانے میں بے قرار نظر آتے تھے جلسے اور اجتماعات اس کے لئے کئے جاتے تھے اور ان میں غور کیا جاتا تھا کہ کس طرح اس میں حسب منشاء کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے اور جس طرح یونیٹی بورڈ میں کوشش کر کے جمیعت العلماء کو داخل کیا گیا تھا اور ان کی مختلف جماعتوں میں صلح کرائی گئی تھی اسی طرح آئندہ بورڈ کے لئے ان کی امداد و اعانت حاصل کرنے کی مساعی کی جاتی تھی جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ مسلم عوام پر جمیعت کے اراکین کا اثر تھا۔

(ب) کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ مسٹر جناح نے اراکین یونیٹی بورڈ کو مشورہ دیا کہ وہ زیر قیادت مسلم لیگ مشترکہ بورڈ بنائیں جو کہ مسلم نیشنلسٹ پارٹی، جمیعت علماء خلافت کمیٹی، احرار پارٹی وغیرہ سب کو حاوی ہو۔ اس کے لئے جلسے خصوصی کئے گئے اور اراکین جمیعت کو بار بار بلایا گیا اور تبادلہء خیالات اور بحث و مباحثہ کی نوبت آئی اور انتہا پسند جماعتوں اور اشخاص کو متحد العمل بنانے اور لیگ میں شامل کرنے کی بلیغ سعی کی گئی۔

(د) کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ دو یا تین اجتماع کے بعد قرار پایا کہ حسین احمد کو بلایا جائے اور اس کو اس مفاہمت میں شریک کیا جائے اور باوجودیکہ بعض رجعت پسندوں نے یہ کہا کہ سبھوں کے ساتھ اشتراک عمل کر سکتے ہیں مگر حسین احمد کے ساتھ اشتراک عمل نہیں کر سکتے تاہم مجھ کو تار دے کر ملتان سے (جبکہ میں وہاں بعض جلسوں میں شرکت کی غرض سے گیا ہوا تھا) بلا لیا گیا

(ہ) کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ملتان سے میرے دہلی پہنچنے پر اراکین جمیعت کا اجتماع مسٹر جناح کے کمرے میں جبکہ وہ نئی دہلی کے ایک ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے تھے کرایا گیا جس میں حسب ذیل حضرات شریک تھے۔ مولانا کفایت اللہ صاحب صدر جمیعت العلماء، مولانا احمد سعید صاحب ناظم جمیعت العلماء، مولانا سجاد صاحب نائب امیر الشریعت بہار، مولانا عبدالحلیم صاحب صدیقی، حسین احمد راقم الحروف اور دیگر حضرات۔

(د) کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ صبح کو تقریباً آٹھ بجے سے دس بجے تک تبادلہء خیالات اور گفت و شنید ہوتی رہی اور مسٹر جناح نے زور دیا کہ پارلیمنٹری بورڈ میں شریک ہو کر آپ لوگوں کو الیکشن میں حصہ لینا اور عمدہ سے عمدہ آزاد خیال لوگوں کو امیدوار اور کامیاب بنانا چاہئے۔ آپ لوگ اس وقت جب کہ آرڈیننس ایکٹ موجود ہے دوسری کوئی صورت ملکی خدمات کی بجز اس کے کہ آزاد خیال قومی لوگوں کو الیکشن میں کامیاب بنائیں اور ان کو اسمبلیوں کے لئے منتخب کریں نہیں کر سکتے اور اس پر دیر تک بحث ہوتی رہی۔

(ر) کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ اراکین جمیعت نے جب یہ عذر کیا کہ ہمارا نصب العین کامل آزادی ہے اور لیگ کے اراکین بہت سے رجعت پسند خودغرض لوگ ہیں وہ برطانیہ کے ازلی وفادار اور بہت سے صرف ڈومینین اسٹیٹس تک چلنے والے ہیں ہمارا ان کا اجتماع کیسے ہو سکتا ہے تو زوردار طریقہ پر فرمانے لگے کہ مولانا ہر شخص کامل آزادی ہی کا عقیدہ رکھتا ہے مگر مصالح و تقیہ کی بناء پر زبان پر نہیں لاتا۔ کامل آزادی دینے سے حاصل نہیں ہوتی وہ صرف دھکیل دینے سے حاصل ہوتی ہے ہم بورڈ میں اکثریت قومی آزاد خیال مسلمانوں کی رکھیں گے

(ح) کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ مسٹر جناح نے اس مجلس اور اس سے پہلے کی مجالس میں نہایت زوردار الفاظ میں وعدہ کیا تھا کہ ہم مرکزی بورڈ اور صوبجاتی بورڈوں وغیرہ میں صرف آزاد خیال قومی لوگوں کی اکثریت رکھیں گے ہم خود اس رجعت پسند اور خودغرض طبقہ سے تنگ آ گئے ہیں ہم پوری کوشش کریں گے کہ آہستہ آہستہ ان میں سے ایک ایک کو لیگ سے خارج کر دیں۔

(ط) کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ خود مسٹر جناح نے مرکزی بورڈ کے ۵۶ ممبروں میں سے ۲۰ ممبر صرف جمیعت العلماء اور دو احرار کے چنے تھے جن میں صدر جمیعت ناظم صاحب اور میں بھی تھا۔

(ی) کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ میری بلاخواہش اور اسی طرح بغیر خواہش صدر و ناظم جمیعت العلماء یہ نام چنے گئے۔ اور پھر میرا نام بلا میری خواہش صوبہ یو پی کی مجالس میں بھی چنا گیا۔ اور باوجود ہر قسم کی مشکلات اور اعذار کے مجھ پر ورک (کام) کرنے اور ہر امیدوار کے حلقے میں جانے کا حکم دیا گیا جس کو میں نے بغیر کسی قسم کے لالچ اور نفع مالی کے انجام دیا۔ جس میں تقریباً ڈیڑھ ماہ کی تنخواہ دارالعلوم سے

چھوڑ کر کام کرنا پڑا۔ اور مدرسہ سے بلامعاوضہ رخصت لینی پڑی۔

چونکہ میں پہلے جلسوں میں (جو کہ دہلی میں میرے ملتان پہنچنے سے پہلے ہوتے رہے تھے) شریک نہیں تھا البتہ مولانا بشیر احمد صاحب کٹھوری شریک ہوتے تھے اس لئے ناظرین کے لئے میں ان کا بیان پیش کرتا ہوں جس سے امور مندرجہ بالا کی تصدیق ہو گی۔

محترم صدر اور مسلم لیگ مسٹر جناح سے ابتدائی، جو گفتگو ہوئی اس کو سن کر معمولی تعلیم کا آدمی بھی یہ نہیں کہ سکتا کہ اراکین جمیعت بلا اطمینان حاصل کئے امیدواران مسلم لیگ کی تائید کے واسطے تیار ہو گئے تھے۔ صورت واقعہ یوں پیش آئی کہ ۲۹ مارچ ۱۹۳۶ء کو جبکہ جمیعت علماء صوبۂ دہلی کا اجلاس ہو رہا تھا انہیں تاریخوں میں مسلم یونیٹی بورڈ کا اجلاس قیام گاہ سید مرتضٰی بہادر ایم۔ایل۔اے آف مدراس پر شروع ہوا سب سے اول اس مسئلہ پر غور کیا گیا کہ چونکہ ہندوستان کے ہر صوبہ میں ایکٹ ۳۵ کے مطابق الیکشن ہوں گے لہٰذا مسلم یونیٹی بورڈ کی شاخیں صوبہ وار اور ضلع وار کس طرح قائم کی جائیں تاکہ ہر جگہ سے امیدوار کھڑے کئے جا سکیں چونکہ مسلم یونیٹی بورڈ کی ترکیب مختلف جماعتوں کے نمائندوں سے ہوئی ہے لہٰذا جس ضلع اور صوبہ میں وہ جماعت قائم نہیں ہے وہاں کس طرح مسلم یونیٹی بورڈ قائم کیا جائے بہت دیر تک بحث ہونے کے بعد اس پر غور شروع ہوا کہ اس مقصد کے واسطے کوئی دوسری جماعت بنائی جائے چودھری عبدالمتین (جو کہ جناح پارٹی کے بمنزلہ سیکرٹری کے تھے) نے فرمایا کہ کسی دوسری جماعت کی ضرورت نہیں۔ مسٹر جناح مسلم لیگ کے ٹکٹ پر الیکشن لڑانا چاہتے ہیں آپ بھی اس میں شریک ہو جائیں۔ اس پر نواب اسماعیل خاں صاحب چودھری خلیق الزماں صاحب نے فرمایا کہ مسٹر جناح کا ماحول ایسا ہے کہ وہ ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے۔ چودھری عبدالمتین صاحب نے فرمایا کہ جناح صاحب وعدہ فرماتے ہیں کہ میں آزاد خیال امیدوار لانا چاہتا ہوں۔ اس پر کہا گیا کہ یہ ان کی قبضہ کی بات نہیں ہے اور وہ اس جماعت کو نہیں چھوڑ سکتے اس کی مولانا شوکت علی صاحب نے بھی تائید کی اور اس پر بہت دیر تک بحث ہوتی رہی۔ آخر یہ طے پایا کہ ایک وفد اسی وقت منتخب ہو جائے جو خود جناح صاحب سے اس کی گفتگو کرے چنانچہ نواب اسماعیل خاں صاحب مولانا شوکت علی صاحب، چودھری خلیق الزماں صاحب۔ سید محمد احمد کاظمی صاحب اور چودھری عبدالمتین صاحب منتخب

ہوئے۔ ان حضرات نے گفتگو کی اور واپس ہو کر یہ فرمایا کہ جناح صاحب پوری جماعت کے سامنے گفتگو کرنا چاہتے ہیں لہٰذا اس غرض کے واسطے کل گیارہ بجے مولانا شوکت علی صاحب کی قیام گاہ پر جلسہ ہو گا اور اس میں جناح صاحب بھی شریک ہوں گے چنانچہ دوسرے روز وقت مقررہ پر جلسہ ہوا۔ اس وقت جس قدر حضرات شریک تھے ان میں سے جو نام مجھ کو یاد ہیں تحریر کرتا ہوں۔ مولانا شوکت علی صاحب۔ جناح صاحب۔ چودھری عبدالمتین صاحب' نواب اسماعیل خان صاحب' مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب' مولانا احمد سعید صاحب' ناظم جمیعت علماء' مولانا عنایت اللہ صاحب فرنگی محلی' مولانا عبدالحامد صاحب' سید طفیل احمد صاحب منگلوری' سید محمد احمد صاحب کاظمی' مولانا منظور النبی صاحب' بشیر احمد صاحب' سید ذاکر علی صاحب' چودھری خلیق الزماں صاحب۔ ان سب کی موجودگی میں گفتگو شروع ہوئی معمولی بات چیت کے بعد بحث شروع ہوئی کہ آزاد خیال حضرات کا پارلیمنٹری بورڈ کس طرح بنایا جا سکتا ہے اس دوران میں اولا" جناح صاحب نے ایک مفصل تقریر بھی فرمائی اور بڑی قوت سے ظاہر کیا کہ میں رجعت پسندوں سے تنگ آگیا ہوں اور میں ان کو بالکل علاحدہ کر دینا چاہتا ہوں حتی کہ خود جناح صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ یہ اس قسم کے رجعت پسند ہیں کہ میری پارٹی میں ہونے کے باوجود اسمبلی میں گورنمنٹ کی رائے دیتے ہیں۔ تب ان سے کہا کہ جب مسلم لیگ میں اکثریت رجعت پسندوں کی ہے پھر کس طرح آزاد خیال بورڈ منتخب ہو سکتا ہے حتی کہ وہاں چودھری عبدالمتین صاحب نے ممبران کونسل مسلم لیگ کی فہرست پیش کی اور اس میں غور کیا گیا کہ آزاد خیال آدمی کس قدر ہیں اور رجعت پسند کس قدر۔ بہت سے نام گنائے گئے تین نام مجھ کو یاد ہیں جن کو ظاہر کر کے بحث کی گئی۔ سر محمد یعقوب صاحب۔ سر محمد یامین خان۔ مولوی مظہر الدین۔ خصوصیت سے جناح صاحب نے مولوی محمد یعقوب کو علاحدہ کرنے کو کہا۔ بہرحال یہ گفتگو ہوتی رہی اور سوچا جاتا رہا کہ کیا طریقہ آزاد خیال بورڈ کے بنانے کا اختیار کیا جائے۔ تب یہ ظاہر کیا گیا کہ اول تو رجعت پسندوں کی جماعت وہاں زیادہ جائے گی نہیں اور پھر یہ کہ آزاد خیال آدمیوں کے جانے کی پوری سعی کی جائے تب یہ بتلایا گیا کہ اکثر آزاد خیال آدمی مسلم لیگ کی کونسل کے ممبر ایسے ہیں جو بمبئی جانے کے مصارف برداشت نہیں کر سکتے۔ ان کی تعداد کا اور مصاریف کا اندازہ کیا۔ اس پر جناح صاحب نے وعدہ فرمایا کہ ایسے حضرات کے واسطے میں بمبئی جا

کر ایک ہزار روپیہ بھیجوں گا۔ اس کے بعد خواہش تو سب بڑے آدمیوں کی تھی مگر تکلفانہ کہنا پسند نہیں کرتے تھے کہ جناح صاحب سے وعدہ لیا جائے چنانچہ میں اور مولانا عنایت اللہ صاحب قریب بیٹھے تھے ان کے اشارہ پر میں نے عرض کیا کہ اور حضرات تو کہنا نہیں چاہتے میں آپ سے یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ اگر وہی پارٹی بمبئی میں زیادہ پہنچ گئی تب آپ کیا کریں گے تو انہوں نے یہ فرمایا کہ اس وقت آپ لوگ یہ کوشش کریں کہ پارلیمنٹری بورڈ بنانے میں مجھ کو تنہا اختیارات دے دیئے جائیں چونکہ دوسری پارٹی بھی مجھ سے مطمئن ہے وہ اس میں اختلاف نہیں کریں گے تب میں نے مکرر ان سے کہا کہ احتمال تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کو ہمارے ان جلسوں کی خبر ہو جائے اور وہ آپ پر اعتماد نہ کریں لہٰذا ہم کو یہ بتلایا جائے کہ اگر ہم یا آپ کسی طرح بھی اس میں کامیاب نہ ہو سکے کہ پارلیمنٹری بورڈ آزاد خیال منتخب ہو تو پھر آپ کی پوزیشن کیا ہو گی۔ اس پر بہت جوش کے ساتھ سینہ پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ میں کسی طرح بھی اس پر قادر نہ ہوا تو مسلم لیگ کو چھوڑ کر آپ کے ساتھ آجاؤں گا۔ اس پر بے انتہا خوشی کا اظہار کیا گیا۔ اور سب حضرات نے فرمایا کہ ہم یہی چاہتے تھے اور پوری مسرت کے ساتھ جلسہ ختم ہو گیا۔

مولانا بشیر احمد صاحب نے اپنے اس بیان میں جس چیز کا اظہار فرمایا ہے اور ہم نے جن امور کا تذکرہ کیا ہے ان پر خود مسٹر جناح کا بیان (جو کہ انہوں نے بمبئی کرانیکل میں جون ۱۹۳۶ء کو شائع کرایا تھا) مع شئے زائد روشنی ڈالتا ہے اس کا خلاصہ حسب ذیل الفاظ کے ساتھ ۵ فروری ۱۹۳۷ء کو "مدینہ" اخبار میں شائع ہوا تھا۔

(۱) مسلم لیگ کی پالیسی کا مقصد ایک ایسے نظام کو بروئے کار لانا ہے جس کے ماتحت ترقی پسند اور آزاد خیال مسلمانوں کے اعلیٰ ادارے متحد ہو جائیں۔

(۲) مسلم لیگ موجودہ دستور سے بہتر ایسا دستور حاصل کرنے کے لئے جو سب کو پسند ہو گا کانگریس کا ساتھ دے گی اور حکومت پر دباؤ ڈالے گی۔

(۳) مسلم لیگ اس اصول کو برقرار رکھتی ہے کہ بطور اقلیت مسلمانوں کو کافی تحفظ حاصل ہو۔

(۴) اسمبلی میں لیگ تمام قومی معاملات میں کانگریس سے تعاون کرے گی۔ اور اس کے ساتھ رہے گی۔

لیگ کے صدر کی حیثیت سے میرا خیال ہے کہ ایسے چالاک لوگوں کو جن کا

مقصد حکومت کے ماتحت عہدے حاصل کرنا ہے اور جنہیں عوام کے حقوق، ضروریات اور مفاد کی مطلق پرواہ نہیں سیاسی میدان سے نکال دیا جائے۔

لیگ کے مینوفسٹو کی عبارت بھی مندرجہ بالا مضامین کی صاف طور پر تائید اور حمایت کرتی ہے۔ (صفحہ ۸ ملاحظہ ہو)

مانٹیگو چمسفورڈ اصلاحات کے آغاز اور عمل سے مختلف طاقتیں پیدا ہوئیں اور بروئے کار آئیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو اختیار اس آئین سے حاصل ہو سکتا تھا اس پر صوبوں میں قدامت پسند مائل برجعت عنصر نے اس گروہ کے لوگوں کے اشتراک عمل کے ساتھ قبضہ کر لیا ہے جن کا مقصد صرف یہی ہے کہ جب کبھی اور جہاں کہیں عہدے اور جگہیں مل سکیں انہیں حاصل کریں۔ یہ صورت گورنمنٹ کے مفید مطلب تھی۔ اس لئے ان دونوں گروہوں کے لوگوں کی اس طرف سے خوب حوصلہ افزائی اور تائید ہوئی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ گروہ ترقی پسند اور سمجھدار اور آزاد خیال طبقہ کی راہ میں صرف سنگ راہ ہی نہ بنا۔ بلکہ بالعموم عوام ان کے ہاتھوں لٹے۔ اس طرح رجعت پسند طاقتوں اور شہنشاہی طاقت کا دوہرا تسلط قائم ہوا۔ ہمارا مطمح نظریہ ہے کہ یہ تسلط ختم ہو۔

دوسرے مینوفسٹو میں جو کہ رکنیت حاصل کرنے کے لئے ہر مجوزہ ممبر کے پاس یوپی میں بھیجا گیا۔ مندرجہ ذیل الفاظ تھے۔

مانٹیگو چیمسفورڈ اسکیم کے قیام اور عمل درآمد سے کچھ ایسی مختلف قوتیں پیدا ہو گئی ہیں جنہوں نے اپنا اثر صوبوں میں قائم کر لیا ہے اور انہیں جماعتوں کے ساتھ ایسے اشخاص و افراد کی ٹولیاں بھی بن گئی ہیں جن کا مقصد و غرض سوائے اس کے اور کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ وہ صوبوں میں جہاں کہیں اور جب کبھی بھی ممکن ہو بڑی بڑی سرکاری ملازمتوں اور جگہوں پر دست درازی کریں اور ان پر اپنا قبضہ جمائیں۔

یہ جوتین چونکہ گورنمنٹ کے مقاصد کی معین ہے لہٰذا ایسی جماعتوں کو ہر طرح کی مدد و حمایت گورنمنٹ سے ملی جس میں یہ لوگ نہ صرف ملک کی اصلی ترقی و بہبود کے مزاحم ثابت ہو رہے ہیں بلکہ سمجھدار اور اہل ملک کو ان کی خودغرضانہ حرکتوں سے نقصان پہنچ رہا ہے مختصر یہ کہ یہ جماعتیں اور یہ اشخاص گویا ملک میں اپنی ایک شخصی جابرانہ حکومت قائم کئے ہوئے

ہیں اور لیگ کا اصلی مقصد یہ ہے کہ اس جبر و استبداد کا پوری طرح انسداد بلکہ قلع قمع کیا جائے۔

مذکورہ بالا عبارتوں سے واضح طور پر ثابت کرتا ہے کہ مسلم لیگ کے صدر اور ہائی کمانڈ نے انہیں قرار دیا تھا نہ صرف اراکین جمعیت سے، بلکہ تمام مسلمانوں سے اسی بات کا اظہار کیا تھا کہ مسلم لیگ کی سابقہ پالیسی بدل گئی ہے۔ اب وہ رجعت پسندوں اور خودغرض لوگوں کو اپنے اندر دیکھنا نہیں چاہتی اور نہ ان کے ساتھ اتحاد عمل کرنے کی روادار ہے وہ ایسا نظام بنانا چاہتی ہے جس میں ترقی پسندوں اور آزاد خیال مسلمانوں کے اعلیٰ ادارے متحد ہو جائیں۔ وہ رجعت پسندوں اور خودغرضوں کو جن کی اکثریت لیگ میں چلی آتی تھی بلکہ تقریباً" سب کے سب ممبر لیگ اس زمانہ میں ایسے ہی رہ گئے تھے" خلافت کمیٹی کے بعد سے آزاد خیال مسلمان تقریباً" سب کے سب علاحدہ ہو گئے تھے ترقی پسند' سمجھدار' آزاد خیال طبقوں کی راہ میں سنگ راہ سمجھنے لگی ہے۔ یہی نہیں بلکہ وہ عام مسلمانوں کا بھی ان کو دشمن اور لوٹنے والے ڈاکو سمجھتی ہے ان کو برطانیہ کا مددگار اور جابرانہ حکومت چلانے والے جانتی ہے ان کی خواہش اور سعی یہ ہے کہ اس تمام جماعت کا اور اس کی پالیسی کا قلع قمع ہو جائے اور یہ تسلط ختم ہو جائے اور سیاسی میدان سے ایسے لوگوں کو بالکل نکال دیا جائے وہ تمام قومی معاملات میں کانگریس کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہے جس کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ نان کواپریشن' سول ڈیس اوبینس' پروٹیسٹ ہڑتال وغیرہ وغیرہ تمام امور میں وہ کانگریس کے ساتھ رہے گی اس میں کوئی فرقہ واری کشمکش نہ پائی جائے گی یہی تو وہ امور تھے جو مسلم لیگ کی تاریخ میں مثل عنقاء پائے جاتے تھے اور جس قدر بھی ان کا وجود نظر آتا تھا فقط اقوال ہی قول کے درجہ میں تھا' عمل سے ان کو سروکار نہ تھا۔

مسٹر جناح اور لیگ کے ہائی کمانڈ کے اعلانات اور مواعید نے جمعیت العلماء کے اراکین کے قلوب کو جذب کر لیا۔ ان کو لیگ میں اپنی امیدوں کی جھلک نظر آنے لگی اور یہ یقین ہو گیا کہ لیگ کی پالیسی اور طریق کار اب بدل گیا ہے اور اب وہ اپنی گم کردہ متاع کو لیگ میں پا جائیں گے اور مسلمانوں کو کم سے کم یہاں تک لایا جا سکے گا اور اسی ذریعہ سے مسلم قوم کی بے حسی کو دور کیا جا سکے گا یقیناً" یہ اعلانات بتلا رہے تھے لیگ کا طریق کار اور پالیسی ہردو بدل گئے ہیں اور اب مردانہ

وار لیگ ہندوستان اور مسلمانوں کے لئے میدان میں کود پڑی ہے اسی بناء پر باوجود نصب العین کے اختلاف کے جمیعت کے بہت سے اراکین اشتراک عمل کے لئے تیار ہو گئے۔

عُلماء کی بے لوث خِدمات

علماء کو تحریک کے میدانوں میں کود پڑنے کے لئے ذاتی اغراض اور مالی و جاہی حاجات باعث نہیں ہوئی تھیں اور نہ ان کو آزاد ہندوستان میں عہدہ ہائے حکومت کے حاصل ہونے کی امید تھی ان کو تو اس میدان میں لانے والے اسلام اور ہندوستان کے وہ مصائب و آلام ہیں جنھوں نے تمام ہندوستانی اقوام اور اسلامی دنیا کو زندہ درگور بنا دیا ہے اور اسلامی شوکت و دبدبہ کو مٹا کر اقوام مشرقیہ کو عموما" اور مسلمانان عالم کو خصوصا" افلاس اور غلامی کی انتہائی لعنتوں میں مبتلا کر کے مذہب اور روحانیت کو ہر طرف نیست و نابود کر رہے ہیں ان کو نفسانیت اپنی جماعت کی خودپرستی ہوس اقتدار وغیرہ اس طرف جاذب نہ تھی۔وہ اخلاص اور للہیت کے ساتھ میدان عمل میں اترے تھے اور یہی وجہ ہوئی تھی کہ وہ تحریک خلافت میں علی برادران اور ان کے جیسے انگریزی خوانوں کی زیر قیادت سرگرم عمل ہو گئے تھے۔ اپنے جائداد بننے اور اس کے لئے جدوجہد کا کوئی معاملہ کبھی ان کی طرف سے ہو گا ہی نہیں۔ مسلم کانفرنس میں سر آغا خان کی زیر قیادت شریک ہو گئے تھے۔ تحریک کانگریس میں ۱۹۱۵ء کے بعد سے بکثرت اور اس سے پہلے ۱۸۸۷ء سے بہ قلت کام کرنے لگے تھے حالانکہ کبھی بھی کانگریس کا کوئی صدر عام نہیں ہوا تھا اسی طرح باوجود مسٹر محمد علی جناح کے صورۃ" اور سیرۃ" غیر مذہبی ہونے کے ان کے ساتھ اور انہیں کی زیر قیادت قومی اور ملکی خدمات انجام دینے کے لئے تیار ہو گئے یہ بالکل غلط اور افتراء ہے کہ ان کو کسی قسم کی طمع اس سرگرمی تک کھینچ کر لانے والی تھی آج مسٹر محمد علی میرے قول کو سرتاپا غلط بتاتے ہیں مگر ناظرین ان اعلانات وغیرہ کو ملاحظہ فرمائیں کون اور اس کا قول از سر تاپا غلط ہے علماء کو یہ خیال نہیں تھا کہ اتنا بڑا ذمہ دار حیثیت رکھنے والا شخص اس طرح ہاتھی کے دانت دکھا کر الیکشن ہوتے ہی بدل جائے گا۔ اپنے تمام اقوال و مواعید وغیرہ کو یک قلم ترک کر دے گا

لے کر لائیڈ جارج اور برطانوی مدبروں کو بھی مات کر دے گا۔

اراکین جمیعت کی لیگ سے مایوسی اور علاحدگی

(ا) الیکشن کے اختتام کے بعد پارلیمنٹری بورڈ کی ورکنگ کمیٹی اور منتخب شدہ ممبروں کے ۱۳ مارچ والے لکھنؤ کے پہلے ہی اجلاس میں مسٹر جناح نے انتہائی جدوجہد کی کہ ایگریکلچرسٹ پارٹی کے تمام کامیاب مسلم امیدوار اور اسی طرح انڈیپینڈینٹ پارٹی کے تمام کامیاب ممبر بحیثیت پارٹی لیگ پارٹی میں شامل کر لئے جائیں حالانکہ وہ الیکشن سے پہلے نہ صرف لیگ کے ٹکٹ پر کھڑے ہونے سے متنفر تھے۔ بلکہ انہوں نے لیگ کی مخالفت اور اس کے ناکام کرنے میں بھی کوئی کسر باقی نہ رکھی تھی لیگ ورکرس کو میدان مقابلہ میں سخت جدوجہد کرنی پڑی تھی۔ ان میں سے متعدد ہستیوں نے مسٹر جناح کی اسکیم کو باشارہ حکام برطانیہ ٹھکرا دیا تھا۔ حالانکہ مسٹر جناح نے مرکزی بورڈ میں ان کا نام چن لیا تھا اور اعلان بھی کر دیا تھا مگر انہوں نے مخالفت کی تھی اور اپنی علاحدگی کا اظہار کیا تھا ان میں بہت سے ایسے بھی تھے کہ جن کی سیاسی زندگی نہایت تیرہ و تاریک تھی بایں ہمہ، مسٹر جناح نے ان کے داخلہ کا ریزولیشن پاس کرایا اور بار بار ان کے پاس گئے اور ان کی آمد کی مبارک باد دی۔ اس مرتبہ مسٹر جناح بورڈ کے ممبروں کو زوردار طریقے پر دباتے رہے۔ ممبروں کے پروٹسٹ اور احتجاج کو کسی طرح نہ مانا۔ ممبران بورڈ جبکہ اس پر جم گئے کہ ان کو انفرادی طور پر لے سکتے ہیں جماعتی طور پر نہیں اور صرف انہیں کو لے سکتے ہیں جن کی گذشتہ زندگی غیر اطمینان بخش نہ ہو تو اس بات کو معلوم کر کے وہ لوگ خود ہٹ گئے بہرحال مسٹر جناح نے اپنی کوششوں میں کوئی کمی نہیں کی اور انتہائی زور دیا کہ ضرور بالضرور تمام مسلم کنڈیڈیٹس کو لیگ پارٹی میں بحیثیت جماعت داخل کر لیا جائے حالانکہ ان دونوں جماعتوں کا مجموعہ لیگ پارٹی سے زیادہ ہوتا تھا بنا بریں قوی خطرہ تھا کہ یہ جماعت اپنی من مانی باتیں اپنی اکثریت کی بنا پر پاس کر لیا کرے گی اور لیگ پارٹی کو ہمیشہ نیچا دیکھنا پڑے گا۔ اسی بحث و مباحثہ میں مسٹر جناح سے کہا گیا کہ آپ نے تو یہ ظاہر فرمایا تھا کہ ہم رجعت پسند اور خودغرض لوگوں کو سیاسیات کے میدان اور لیگ سے خارج کر دیں گے اور بجائے ان کے آزاد خیال ترقی پسند مخلص لوگوں کو لیگ

میں بھرتی کریں گے تو مسٹر جناح نے فرمایا کہ وہ سیاسی وعدے تھے خلاصہ یہ کہ ریزولیشن ان پارٹیوں اور ان کے ممبروں کے متعلق عمومی رنگ میں پاس ہوا اور مسٹر جناح نے یہ تجویز اس شرط پر پاس کرائی کہ ایگریکلچرسٹ پارٹی کے جتنے ممبر آنا چاہیں گے وہ بہرحال لے لئے جائیں گے اسی تجویز اور اس قسم کی دوسری باتوں کی بناء پر ۲۷ مارچ کو ورکنگ کمیٹی کا دوسرا اجلاس کرنا پڑا اور ایجنڈے میں منجملہ دیگر تجاویز نمبر ۲ یہ تجویز درج کرنی پڑی۔

(۲) مسلم لیگ پارلیمنٹری پارٹی کی اس تجویز پر غور جو اس نے ان منتخب شدہ مسلم ارکان اسمبلی کو پارٹی میں شریک کرنے کے متعلق منظور کی ہے جو لیگ کے ٹکٹ پر انتخاب کے لئے نہیں کھڑے ہوئے تھے ایجنڈہ (از دفتر مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ صوبہ متحدہ لکھنؤ مورخہ ۱۸ مارچ ۱۹۳۸ء)۔

ناظرین غور فرمائیں کہ یا تو پرزور طریقہ پر اعلانات اور وعدے کئے گئے تھے کہ رجعت پسندوں اور خودغرضوں کو سیاسی میدان سے نکال دیا جائے گا آزاد خیالوں اور مخلصوں کا یہ مجمع اور اس میں اکثریت ہو گی وغیرہ وغیرہ مگر اب بالکل اس کے خلاف زور دیا جا رہا ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو ان کو داخل کیا جائے۔

(۳) یکم اپریل ۱۹۳۷ء (جو کہ ایکٹ ۳۵ء کے شروع کا دن تھا) کے متعلق مسٹر جناح نے تمام لیگ کمیٹیوں وغیرہ کے نام اعلان کیا کہ اس دن ہڑتال نہ کی جائے۔ حالانکہ بہت پہلے سے کانگریس اور جمعیت نے تمام ملک میں ہڑتال کا اعلان کر دیا تھا جبکہ ہڑتال کا مقصد اصلی اظہار ناراضگی اور نفرت ہوا کرتا ہے جو کہ عملی طور پر اس کے لئے بمنزلہ رجسٹری ہوتا ہے اور اس ایکٹ کا قابل نفریں ہونا کھلے ہوئے الفاظ میں مسٹر جناح اور ان کی لیگ تسلیم کر چکی تھی تو پھر ہڑتال سے روکنا بجز رجعت پسندی اور وعدہ خلافی اور کیا معنی رکھ سکتا ہے۔ مینوفسٹو کے اندر جو الفاظ درج ہیں ملاحظہ ہوں

لیگ جہاں کمیونل ایوارڈ کو اس وقت کے لئے منظور کرتی ہے کہ فرقہ ہائے متعلقہ اس کے کسی بدل پر متفق ہوں وہ نہایت پرزور طریقہ پر اس دستور کے خلاف احتجاج کرتی ہے جو گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کی صورت میں ہندوستانیوں پر ان کی مرضی کے خلاف مسلط کیا گیا ہے اور اس کے باوجود کیا گیا کہ انھوں نے بار بار ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور ملک کی

مختلف جماعتوں اور انجمنوں نے اس کے خلاف اظہار ناراضگی کیا۔ لیگ کی یہ رائے ہے کہ ان حالات کے لحاظ سے جو ملک میں اس وقت پیدا ہیں دستور کی صوبجاتی اسکیم سے جتنا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے وہ حاصل کیا جائے اور اس کے باوجود کہ اس میں بہت سی قابل اعتراض باتیں موجود ہیں جن کی وجہ سے گورنمنٹ اور محکمہ انتظام کی تمام تفصیلات میں حقیقی اختیارات اور وزارت اور مجلس و اضعان قانون کی ذمہ داری بے حقیقت رہ جاتی ہے لیگ کی یہ صاف رائے ہے کہ ہندوستانی وفاق کا منصوبہ جو کہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء میں درج ہے اساسا" برابر ہے اور رجعت پسندانہ ہے مبتذل ہے اور برطانوی ہند اور ہندوستانی ریاستوں کے لئے مضر اور مہلک ہے اور یہ اس غرض کے لئے تجویز کیا گیا ہے کہ ہندوستان کے محبوب مقصد کامل ذمہ دار حکومت کے حصول میں تاخیر ہو لہذا یہ بالکل اس قابل نہیں ہے کہ اس کو قبول کیا جائے اس طرح غیر مبہم اور صریح الفاظ میں ایکٹ کے خلاف اظہار ناراضگی کرنے کے بعد ہڑتال سے روکنا کیا کوئی معمہ باقی رہنے دیتا ہے اور کیا مسٹر جناح اور لیگ ہائی کمانڈ کی ذہنیت کا پول صاف طور سے سامنے نہیں آجاتا۔

(۳) چونکہ گورنر یوپی نے رجعت پسندوں کی عارضی گورنمنٹ بنائی تو جناب صدر مسلم لیگ یوپی راجہ سلیم پور کیبنٹ میں داخل ہو گئے اور وزارت پر فائز ہو کر مسلم لیگ کی ذہنیت کا کھلا ہوا مظاہرہ فرما دیا۔

(۴) یوپی مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی میں اسی وزارت عارضی طور پر عدم اعتماد کا ریزولیشن پیش کیا گیا تو بمشکل تمام صرف ایک ووٹ سے پاس ہو سکا۔ اس سے صاف نمایاں ہے کہ لیگ ہائی کمانڈ کی ذہنیت کیسی ہے اور ان کے نزدیک آزاد خیالی اور ترقی پسندی کی حقیقت کیا ہے۔

(۵) اسی میٹنگ میں مولانا شوکت علی صاحب نے اسی عارضی وزارت پر عدم اعتماد کی تحریک کی مخالفت فرمائی جس سے ان کی ذہنیت کا مظاہرہ ہوتا ہے۔

(۶) صدر پارلیمنٹری بورڈ یوپی مہاراجہ سلیم پور نے لیگ سے کھلی ہوئی غداری کی اور جا کر کیبنٹ میں وزارت پر فائز ہو گئے۔ چاہیئے یہ تھا کہ ان کا لیگ سے اخراج کیا جاتا۔ مگر پارلیمنٹری بورڈ کے اجلاس میں جو کہ وزارت کے عرصہ کے بعد منعقد ہوا تھا

ان کا استعفا پیش کیا جاتا ہے اور وہ قبول کر لیا جاتا ہے کوئی کاروائی ان کے خلاف نہیں کی جاتی اور اس کے برخلاف جبکہ میرا استعفا مئی میں پیش ہو چکا تھا اگست میں بجائے اس کی قبولیت کے اخراج کا اعلان کیا جاتا ہے۔

(۷) جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں جمیعت العلماء کے کارکن اور عہدہ دار مسلم لیگ کے پارلیمنٹری بورڈ میں اپنی خواہش سے داخل نہیں ہوئے تھے بلکہ ان کو بااصرار داخل کیا گیا تھا اور انہوں نے جان توڑ کوشش کر کے مسلم لیگ کے امیدواروں کو کامیاب بنوایا تھا صرف اعلانات اور بیانات پر اکتفا نہیں کیا تھا بلکہ عموماً" امیدواروں کے حلقوں میں دورہ کر کے مسلم عوام پر زور اور اثر ڈال کر کامیابی حاصل کرائی تھی مگر جبکہ بعض رزویوشنوں کے پاس کرنے کے وقت مسٹر ظہیر الدین صاحب فاروقی اور دیگر بعض اراکین نے کہا کہ جمیعت العلماء نے ہماری مدد کی ہے اور ہم اس کی وجہ سے کامیاب ہوئے اس بورڈ کو ان کے خیالات کا اندازہ کر کے کوئی فیصلہ کرنا چاہیئے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ ان کا خیال کانگریس کی تائید میں ہے۔"

تو مسٹر جناح نے تقریر کی اور اس میں کہا کہ "جمیعت کو یا احرار کو کانگریس کے داخلہ کے مسئلہ پر جبکہ یہ لوگ لیگ بورڈ میں داخل ہو چکے ہیں کوئی حق نہیں ہے اور یہ ان کی انتہائی بے اصولی ہے۔" اس پر مولانا محمد اسماعیل صاحب سنبھلی نے یہ کہا کہ ہم "صرف الیکشن کے لئے داخل ہوئے تھے اپنی پارٹیوں' عقیدوں اور نصب العین کو نہیں چھوڑا تھا ہمیں ہر وقت اس کا اختیار ہے کہ ہم اپنی جمعیتوں کے لائحہ عمل پر غور کریں۔" اس پر مسٹر جناح نے پھر دوہرایا اور زیادہ وضاحت سے تقریر فرمائی جس کا ماحصل یہ تھا کہ جمیعت کو سیاسیات میں رائے قائم کرنے کا کوئی حق نہیں یہ تقریر نہایت تلخ اور جمیعت کے لئے نہایت تذلیل کن تھی ناظرین کو معلوم ہوا ہے کہ احرار پارٹی کے منتخب شدہ ممبران مرکزی پارلیمنٹری بورڈ سے تو اول ہی سے مشتبہ ہو گئے تھے اور صوبہ پنجاب کے لیگ پارلیمنٹری بورڈ کے معاملات کو دیکھ کر تو وہ بالکل ہی علاحدہ اور مستقل ہو کر کاروائی کر رہے تھے مگر جمیعت کے متعدد اراکین نے آخیر تک بہت زیادہ جانفشانی کی تھی تاہم وہ سب انفرادی طور پر تھی جمیعت العلماء کے کسی اجلاس عمومی اور خصوصی یا اس کی ورکنگ کمیٹی نے بحیثیت جمیعت لیگ کی کسی جماعت میں داخلہ نہیں کرایا تھا اور نہ داخلہ کا رزویوشن پاس کیا

تھا اگر بالفرض اراکین جمعیت کو کسی ایسے مسئلہ پر غور و خوض کا استقلالی طور پر حق نہیں ہو سکتا تھا تو صرف انہیں افراد کو نہیں ہو سکتا تھا جو کہ لیگ کی کسی جماعت میں داخل ہو چکے تھے نہ کہ جمیعت العلماء کو بحیثیت جمیعت پھر مسٹر جناح کو حق نہیں تھا کہ وہ جمیعتہ کے طرز عمل پر نکتہ چینی کریں علاوہ ازیں ان کا یہ ارشاد کہ جمیعتہ کو سیاسیات میں رائے قائم کرنے کا کوئی حق نہیں ہے اور وہ بھی تذلیل کن لہجہ میں کس قدر آزاردہ اور بے اصولی اور انتہائی تکبر اور انانیت پر مبنی اور ہر طرح مایوس کن ہے۔ جمیعت نے سیاسی اور مذہبی خدمات ہمہ آج تک انجام دی ہیں ان کو جمیعتہ کے ریکارڈ اور ملک سے پوچھئے اور پھر جس قدر قربانیاں اس راہ میں پیش کی ہیں مسلم لیگ ان کا عشر عشیر بھی تمام عمر میں پیش نہیں کر سکتی۔ تعجب ہے کہ اراکین لیگ کو سیاسیات میں رائے قائم کرنے کا حق ہو (خواہ وہ کتنی ہی ملک اور قوم کے حق میں ضرر رساں کاروائی کریں اور اراکین جمیعت کو کوئی حق نہ ہو گا۔ گویا کہ وہ اس ملک کے باشندے نہیں ہیں اور نہ ان کو اس میں زندہ رہنے اور زندگی کے اسباب و عمل اور طریق پر غور کرنے کا استحقاق ہی ہے) اور وہ اراکین جمیعت العلماء کو جن کو باصرار تام سیاسیات کی طرف کھینچا گیا تھا۔ نیز سیاسیات میں حصہ نہ لینے کی وجہ سے ان پر تشنیع اور الزامات کی بھرمار کی جاتی تھی نیز مسلم عوام سے اپنی بات منوانے کے لئے ان کی ہر طرح کی منت و سماجت عمل میں لائی جاتی تھی نیز وہ بے شمار قربانیاں بھی پیش کر چکے تھے ان کو کوئی حق نہ ہو۔

امور مذکورہء بالا اور ایسے متعدد امور مسلم لیگ کی سابقہ پالیسی کو جس پر اس کا سنگ بنیاد رکھا گیا تھا یاد دلانے اور یقین دلانے والے ہیں کہ مسلم لیگ ہرگز ملک اور قوم کی بہتری کے لئے جدوجہد کرنے والی جماعت نہیں ہے اور نہ آئندہ اس سے کوئی امید رکھی جا سکتی ہے بلکہ نہایت مضرت رساں اور مایوس کن جماعت ہے مذکورہ بالا امور کے لئے مولانا محمد میاں فاروقی آلہ آبادی کا بیان ذیل پوری روشنی ڈالتا ہے وہ فرماتے ہیں۔

(ا) ۱۳ مارچ کو الیکشن ختم ہونے کے بعد سب سے پہلی ورکنگ کمیٹی اور منتخب شدہ ممبران اسمبلی کی میٹنگ منعقد ہوئی جس سے جناح صاحب نے سب سے پہلے جس چیز کی کوشش کی وہ یہ تھی کہ رجعت پسند حضرات سب کے سب شریک ہو جائیں اور باوجود آزاد خیال حضرات کی شدید

مخالفت کے قرارداد داخلہ کی اجازت کی عمومی رنگ میں پاس ہوئی۔ لیکن جناح صاحب نے وہ قرار داد اس شرط پر پاس کرائی کہ زرعی پارٹی (ایگریکلچرسٹ پارٹی) کے جتنے ممبر آنا چاہیں گے وہ بہرحال لے لئے جائیں گے اور اس کا وعدہ لے لینے کے بعد زرعی پارٹی سے ملے اور ان کی آمد کی مبارکباد دی۔ مگر کوئی اب تک آیا نہیں۔

(۲) اس کے بعد جب دوسری ورکنگ کمیٹی ہوئی تو اس میں جناح صاحب نہ تھے اس جلسہ نے کانگریس سے مصالحانہ گفتگو کرنے کا حق خلیق صاحب کو دے دیا۔

(۳) پھر ورکنگ کمیٹی کا جلسہ ہوا جس میں وزارت (عارضی وزارت پر) عدم اعتماد کی قرارداد صرف ایک ووٹ سے کامیاب ہوئی شوکت صاحب نے بھی اس کے خلاف ووٹ دیا اور انتہائی دقت سے یہ تحریک پاس ہو سکی۔

(۴) پھر بورڈ کی میٹنگ ہوتی ہے جس میں اور باتوں کے علاوہ ظہیر فاروقی صاحب کے اس کہنے پر کہ جمیعتہ العلماء نے ہماری مدد کی اور ہم اس کی وجہ سے کامیاب ہوئے اس بورڈ کو ان کے خیالات کا اندازہ کر کے کوئی فیصلہ کرنا چاہیئے تھا مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس کا خیال کانگریس کی تائید میں وغیر وغیرہ۔

جناح صاحب نے ایک تقریر کی جس میں یہ کہا کہ جمیعتہ کو یا احرار کو کانگریس کے داخلہ کے مسئلہ پر جبکہ یہ لوگ بورڈ میں داخل ہو چکے ہیں کوئی حق نہیں اور یہ ان کی انتہائی بے اصولی ہے مولانا اسماعیل صاحب نے یہ کہا کہ ہم صرف الیکشن کے لئے داخل ہوئے تھے اپنی پارٹیوں، عقیدوں اور نصب العین کو نہیں چھوڑا تھا ہمیں ہر وقت اس چیز کا اختیار ہے کہ ہم اپنی جمعیتوں کے لائحہ عمل پر غور کریں اس پر جناح صاحب نے پھر جواب دہرایا اور زائد وضاحت سے تقریر فرمائی جس کا ماحصل یہ تھا کہ جمیعت کو سیاسیات میں رائے قائم کرنے کا کوئی حق نہیں۔ یہ تقریر نہایت تلخ اور جمیعتہ کے لئے نہایت تذلیل کن تھی اس پارلیمنٹری بورڈ میں راجہ صاحب سلیم پور کا استعفے بھی تھا وہ نکالے نہیں گئے اور نہ ان کے خلاف تعزیزی کاروائی کی گئی بلکہ وہ منظور کر لیا گیا۔ اس میں یہ قرارداد

پاس ہوئی کہ کانگریس پارٹی سے مسلم لیگ پارٹی اسی وقت اتحاد عمل کر سکتی ہے جبکہ کانگریس اس کا عہد کر لے کہ کمیونل ایوارڈ اور جداگانہ انتخابات میونسپلٹیوں میں قائم رکھے گی۔ جب تک کہ کوئی متفقہ فیصلہ نہ ہو جائے گا اور موجودہ آئین توڑنے کی کوشش نہ کرے گی۔"

مولانا محمد اسماعیل صاحب سنبھلی ایم۔ایل۔اے کا بیان بھی ملاحظہ ہو۔

۱۹۳۶ء میں مسلم الیکشن کے سلسلے میں جبکہ مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ کی تشکیل عمل میں آئی تو ہم لوگ اس بورڈ میں صرف اس توقع پر داخل ہوئے تھے کہ یہ جماعت آزاد خیال افراد پر مبنی ہو گی اور اس کی تمام تر کوشش اور مساعی آزادیء وطن اور رجعت پسند طبقہ کو زیر کرنے کے لئے ہوں گی۔ چنانچہ صاف اور واضح الفاظ میں مسٹر محمد علی جناح نے اس بات کا وعدہ کیا اور ہر طرح جماعت علماء کو اس بات کا اطمینان دلایا اور بڑی حد تک الیکشن کے زمانہ میں اس وعدہ کی پابندی بھی کی گئی لیکن الیکشن سے فارغ ہونے کے بعد فوراً ہی جناح صاحب نے (جو کہ اس بورڈ کے ڈکٹیٹر مطلق تھے) نہ معلوم کن مخفی وجوہ کی بنا پر اپنی روش بدل دی اور باوجود ہماری زبردست مخالفتوں کے انہوں نے اس رجعت پسند طبقہ کو شامل کرنا چاہا جس سے دوران الیکشن مقابلہ رہا تھا اور اس مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ کو جو مسلم لیگ جمیعت علماء ہند مجلس احرار اور کانگریس کے ممبران سے ترکیب دیا گیا تھا کانگریس کے مدمقابل بنانے کی انتہائی کوشش کی اور کانگریس کو خالص ہندوؤں کی جماعت کہنا شروع کیا۔

جب ہم نے اس معاملہ میں احتجاج کیا اور جناح صاحب کو ان کے مواعید یاد دلائے اور بتلایا کہ جماعت علماء اس بورڈ میں صرف اس بناء پر داخل ہوئی تھی کہ کانگریس کے ساتھ مل کر آزادیء وطن کے لئے کوشش کی جائے گی اور رجعت پسند طبقہ کو ایک ایک کر کے علاحدہ کر دیا جائے گا اور یہ صرف آزاد خیال لوگوں کی جماعت رہے گی۔ آج آپ رجعت پسندوں کو اس میں داخل کر رہے ہیں اور کانگریس کے ساتھ بجائے اشتراک عمل اور اتحاد عمل کے جو آپ کے مینوفسٹو میں درج ہے مخالف جا رہے ہیں تب جناح صاحب نے اور بعض دوسرے لوگوں نے بورڈ کی

میٹنگ میں ہتک آمیز رویہ اختیار کیا اور کہا کہ ہمارے سارے وعدے ایک سیاست تھی علماء سیاست سے بالکل ناواقف ہیں علماء کی شرکت اور انکی مساعی سے ہم کو الیکشن میں کامیابی نہیں ہوئی بلکہ ہمارے مینوفسٹو کی وجہ سے ہم کو کامیابی ہوئی تھی اگر جماعت علماء ہمارے اس طرز عمل کو نہ پسند کرے تو ہمیں مطلق اس کی پرواہ نہیں ہے اس قسم کی اور باتیں بھی کہی گئیں۔ میں خود جناح صاحب کی تقریر بوجہ انگریزی میں ہونے کے پورے طور نہیں سمجھ سکتا تھا لیکن اسی وقت مجھ کو اس تقریر کا مفہوم اور مطلب ظاہر صاحب میرٹھی اور بعض دوسرے لوگوں نے بتلایا۔"

مذکورہ بالا توضیحات سے بخوبی معلوم ہو جائے گا کہ وہ کیا اسباب تھے جن کی بناء پر متعدد اراکین جمیعت العلماء لیگ پارلیمنٹری بورڈ میں داخل ہوئے تھے اور کن اسباب کی بناء پر علاحدہ ہوئے یا کئے گئے مسٹر جناح کا اس کو معمہ قرار دینا اور اس کو حل نہ کر سکنا باوجود امور مذکورہ بالا ایک برطانوی سیاست ہے جس پر آج حضرات لیگ فخر و ناز کرتے ہیں۔ یقیناً" ایسی سیاست سے جماعت مسلمہ کو پناہ مانگنی چاہیئے جس کا مدار تکبر، نخوت، غرور، وعدہ خلافی، غدر، کذب، افتراء وغیرہ رذیل امور پر ہوا، سیاست کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی اگر دو چار دن کامیاب ہوئی تو چند دنوں کے بعد ہی اس کا قلع قمع ہو جائے گا کہا جاتا ہے کہ یورپ کی ابلیسانہ سیاست کے لئے ایسے ہی شخص کی ضرورت ہے جو کہ یورپین اور ایشیائی اقوام کے ساتھ محض ابلیسانہ کاروائی کرے اور ان کے نفاق و غدر وغیرہ کا مقابلہ اسی طریقہ پر کرے مگر یہ غلط ہے اور عادت خداوندی کے خلاف خداوند کریم نے نمرود شداد، فرعون، کفار قریش، کفار بنی اسرائیل جیسے غداروں، مکاروں اور ظالموں کے مقابلہ میں ان جیسا ابلیس و شیطان نہیں بھیجا بلکہ حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسے راست گووں راست بازوں راستی پر رہنے اور چلنے والوں کو بھیجا اور سب کی اصلاح کرائی اور حق کو فروغ اور ظلم کو مضمحل کر دیا۔ درخت اپنے پھل اور پتوں سے پہچانا جاتا ہے جب تک کہ الیکشن ختم نہیں ہوا تھا۔ اس وقت تک اخباروں پمفلٹوں، لیکچروں وغیرہ میں برطانیہ اور ایکٹ ۳۵ء سے بیزاری اور سخت نفرت کا اظہار کیا جاتا تھا کانگریس کی رفاقت اور آزادیء وطن کی شدید حمایت کا اعلان ہوتا تھا، غداران وطن، جاہ پرست، خودغرض عہدوں کی تلاش کرنے والوں، رجعت پسندوں،

برطانیہ کے حامیوں کی سخت سے سخت مذمت کی جاتی تھی اور سخت بیزاری کے الفاظ ان کے حق میں بولے جاتے تھے۔ اور وعدہ کیا جاتا تھا کہ ان کو ایک ایک کر کے نکال پھینکا جائے گا۔ مگر جب دیکھا کہ کانگریس چھ سات صوبوں میں میجارٹی میں آگئی ہے تو تمام باتیں نیست و نابود ہو گئیں اور جس طرح برطانیہ کے ایوان میں زلزلہ پڑ گیا اسی طرح یا اس سے زائد لیگ کے ایوانوں میں زلزلہ پڑ گیا اور غیر ظاہر اسباب کی بناء پر (جن کو ہر سمجھدار سمجھ سکتا ہے) جو لوگ اس وقت تک لیگ اور اس کے صدر اور ہائی کمانڈ اور اس کی پالیسی اور سرگرمی کے انتہائی مخالف تھے اور اسی طرح جن جن پریسوں نے لیگ کی مخالفت میں ایڑی چوٹی تک کا زور لگایا کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا تھا۔ بالخصوص وہ اخبارات جو کہ ہمیشہ برطانیہ پرستی اور تفرقہ اندازی میں پیش پیش رہے تھے اور وہ خطاب یافتہ اور پنشن پانے والے حضرات جن کا فرض اصلی برطانیہ کی نمک حلالی اور اس کا راگ گاتے رہنا تھا اور وہ ملازمت پیشہ حضرات اور ان کے اقارب و اعزہ جن کا دین و مذہب برطانیہ ہی تھا سب کے سب فوجا" فوجا" جوق در جوق لیگ میں داخل اور مسٹر جناح کے کلمہ گو بن گئے لیگ کے مراکز سے نہ صرف تفرقہ اندازی کی بلکہ دہشت اندازی اور دشنام طرازی، افترا پردازی بدتہذیبی کی بھی لپٹیں اٹھنے اور چنگاریاں منتشر ہونے لگیں جدھر دیکھو ادھر مسٹر جناح اور ان کے نئے اتباع مولانا ظفر علی خاں صاحب، مولانا مظہر الدین صاحب مدیران انقلاب و احسان، مولانا اکرم خاں صاحب، مولانا حسرت موہانی، مولانا آزاد سبحانی وغیرہ وغیرہ نے ایسی پلٹی کھائی کہ ان کی شرربار تقریروں اور تحریروں سے فضاء ہندوستان انتہائی مسمومیت کے دلدل میں پھنس کر رہ گئی مسٹر محمد علی جناح اور ان کی پارٹی جو کہ ۳۴ء کے الیکشن کے بعد سے مرکزی اسمبلی میں کانگریس کے ساتھ ہو کر برابر دو سال تک گورنمنٹ کو شکستوں پر شکستیں دے رہے تھے اور جو کہ ۱۹۳۶ء کے اجلاس مسلم لیگ بمبئی اور پارلیمنٹری بورڈ کے مینوفسٹو اور پروگرام وغیرہ کی بناء پر کانگریس کے بالکل قریب تر ہو گئے تھے جس کی وجہ سے ہر ایک کے کارکنوں نے دوسرے کے کنڈیڈیٹوں کی ایام الیکشن میں بہت زیادہ مدد دی تھی یکبارگی ایسے پلٹے کہ الامان و الحفیظ لکھنؤ کے اجلاس کا سارا خطبہ کانگریس کی مذمتوں اور اس پر تنقیدات سے بھر دیا گیا۔" اسمبلی میں برابر کوشش کی جا رہی تھی کہ جس طرح ممکن ہو گورنمنٹ برطانیہ کو کامیابی اور کانگریس کو شکست دی جائے۔ خواہ کسی مسئلے میں ہو جو کہ سراسر

ملک اور قوم کے لئے یا مذہب کے لئے ضرر رساں ہو یا دونوں کے لئے چنانچہ شریعت بل کا انعقاد، زنجبار کی لونگوں کا معاملہ، آرمی بل وغیرہ کی کھلی کھلی کاروائیاں شاہد عدل ہیں اور بالخصوص ملک و مذہب برطانیہ کو اس قدر کامیابی دی گئی کہ اس کے تمام ہائی کمانڈ اور حکومت انگلستان اور ہندوستان کے اعلیٰ عہدیدار لیگ پارٹی اور اس کے صدر کے انتہائی درجہ میں شکر گزار اور ممنون احسان ہیں ہم نہیں کہہ سکتے کہ ان تمام باتوں میں برطانیہ کی خفیہ سازشیں اور اس کے (Divide and role) کا ہاتھ ہے۔ یا مسٹر جناح اور ہائی کمانڈ کی جاہ طلبی اور انانیت کا کرشمہ ہے یا کانگریس کے بہت سے اعلیٰ کارکنوں کے متکبرانہ الفاظ جو انہوں نے کانگریس کی چھ صوبوں میں کامیابی کے وقت میں الاپے تھے) یہ شگوفے کھلا رہے ہیں یا وہ تلخ مضامین کا سلسلہ جو مسٹر جناح اور پنڈت جواہر لال نہرو کے درمیان میں اخبارات میں چھڑ گیا تھا یہ گل کھلا رہا ہے یا اور کوئی اندرونی راز ہے جس تک ہماری طبیعت نارسا نہیں پہنچ سکتی۔ بہرحال تنظیم قوم مسلم کے نام سے یہ تمام ناکردنی اور ناگفتنی کاروائیاں جاری ہیں اور فرقہ واری کی آگ نہایت زوروں پر جاری کر کے برطانیہ کی امداد اور آزادی کو دور تر بنایا جا رہا ہے کہا جاتا ہے کہ مسلم لیگ نے کامل آزادی کی تجویز پاس کر دی ہے مگر اس کی عملی کاروائی پر تو شاعر نظامی کے مندرجہ ذیل اشعار صادق نظر آ رہے ہیں۔

اے گرفتار پنجۂ صیاد — کیوں سناتا ہے نغمۂ پرواز

سب سمجھتے ہیں تیرے مطلب کو — بانگ آزادی میں چھپا ہے راز

تیلیاں اس کی اور کستا ہے — نہیں کرتا در قفس کو باز

الحاصل ہاتھی کے دانت دکھانے کے اور والا معاملہ معلوم ہوتا ہے جو لوگ ہمیشہ سے تحریکات خلافت و جمیعتہ وغیرہ کی سخت سے سخت مخالفت کرتے ہوئے امن سبھا وغیرہ کے پرزور مساعی اور برطانیہ کے انتہائی وفادار نظر آتے تھے اور جو لوگ قومی کارکنوں پر ہمیشہ انتہائی مظالم کرتے اور گورنمنٹ سے کراتے تھے جو جو حضرات اپنی اور اپنے اعزہ کی ملازمتوں اور عہدوں اور خطابات کرسی وغیرہ کی بناء پر گورنمنٹ کے محکموں اور بنگلوں کے ہمیشہ طواف کیا کرتے تھے جو لوگ سیاسیات میں حصہ لینا گناہ عظیم اور شورش خطیر سمجھتے اور کہتے تھے جو لوگ لیگ کی مذمت میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے تھے جو لوگ سیاسیات اور ملکی کاروائیوں میں کسی زمانہ میں نہ حصہ لیتے

تھے اور نہ کوئی بصیرت رکھتے تھے وغیرہ وغیرہ آج مسلم لیگ کا دم بھرتے ہوئے اور کانگریس کو اکھاڑتے پچھاڑتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں مسلم نیشنلسٹ اشخاص کے لئے ان کے زبان قلم وغیرہ میں کوئی گندہ لفظ نہیں جو استعمال نہ کیا جاتا ہو۔ بہرحال یہ البتہ ایک معمہ اور عجیب کرشمہ ہے اللہ تعالیٰ مسلم قوم کو اس کے نتائج بد سے بچائے ورنہ مسلمانوں کا مستقبل نہاپت تاریک دکھائی دیتا ہے۔ **والی اللہ المشتکی۔**

میں آخر میں تمام مسلمانوں اور بالخصوص ان کے سمجھدار طبقہ سے پرزور اپیل کرتا ہوں کہ وہ اصلی اور حقیقی واقعات پر غور کریں اور لیگ کے ہائی کمانڈ اور اس کے صدر کی مذہبی اور دنیاوی سیاسی اور عملی قومی اور شخصی زندگی اور اقوال و افعال پر گہری نظر ڈالیں.................. اگر ان کے نزدیک یہ جماعت اور اس کا صدر صادق مخلص، ایثار و قربانی کرنے والا، جذبات آزادی و ہمدردیٔ قوم پر مٹنے والا قابل اعتماد و اعتبار معلوم ہو، اور اس کا پروگرام لائق عمل دکھائی دے تو فبِہاَ سرگرمی سے اتباع کریں۔ وہ نہ قوم اور ملک اور مذہب کو برباد نہ کریں۔ اور آخرت کے عذاب سے بچیں۔

یا ایھا الذین امنوا تقو اللہ و کونوا مع الصادقین

اے ایمان والو خدا سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو

○

کس نیا یدبز یر سایۂ بوم   و ہما از جہاں شود معدوم

ننگِ اسلاف

حسین احمد غفرلہ،

بعض شُبہات کا جواب

بعض معزز دوستوں نے اعتراض کیا حسین احمد نے خود ان ایام میں کہ پارلیمنٹری بورڈ میں کنڈیڈیٹ نامزد کئے تھے دو خان بہادروں کے لئے جان توڑ کوشش کی اور ان کو لیگ کے ٹکٹ پر کھڑا کیا جس کے متعلق بورڈ میں دوسرے امیدواروں کے ساتھ محاکمہ اور جھگڑوں کی نوبت آئی۔ اس کے متعلق میں غلط فہمی کو دور کر دینا چاہتا ہوں۔

(الف) ہر خان بہادر اور خطاب یافتہ رجعت پسند اور برطانیہ پرست نہین ہے خان بہادر بشیر الدین صاحب مدیر "البشیر" آف اٹا وہ بھی خان بہادر ہیں۔ مگر کیا کوئی کہہ سکا ہے کہ وہ آزاد خیال ترقی پسند قومی آدمی نہیں یا خان بہادر سید بشیر الدین صاحب آف کانپور بھی خان بہادر ہیں جو کہ عرصہ سے کانگریس میں نہایت سرگرمی کے ساتھ قومی خدمات انجام دیتے رہے ہیں اس لئے خطاب سے استدلال کسی کی ٹوڈیت پر نہیں کیا جا سکتا۔ خان بہادر سعید الدین صاحب آف پرتاب گڑھ کے متعلق بہت کچھ اشاعتیں کی گئیں حالانکہ وہ ہمیشہ سے کانگریس اور قومی خدمات میں نہایت سرگرم عمل کارکن رہے ہیں اور آج بھی لیگ پارٹی کے طرز عمل سے بیزار ہو کر کانگریس کے ساتھ اسمبلی میں کام کر رہے ہیں۔

(ب) یہ دونوں اشخاص باوجود خان بہادر ہونے کے آزاد خیال، قوم پرور، ترقی پسند اشخاص تھے اور ان کی حالت ہرگز رجعت پسندوں جیسی برطانیہ پرستی میں نہ تھی۔ ان میں سے ایک صاحب وہ تھے جنہوں نے مولانا محمد علی صاحب مرحوم کی زیر قیادت علی گڑھ یونیورسٹی کو چھوڑ کر جامعہ ملیہ میں جگہ لی تھی اور مولانا محمد علی صاحب کی گرفتاری کے بعد بی اماں مرحومہ کے ساتھ ملک میں عرصہ دراز تک دورہ وغیرہ کرتے رہے تھے اور بعد کے زمانہ میں جب کونسل کے ممبر بنے اس وقت بھی ڈیموکریٹی پارٹی میں شامل ہو کر بہت سے ریزولیشن میں گورنمنٹ اور اس کے ٹوڈیوں کی مخالفت کرتے رہے کبھی بھی نواب محمد یوسف صاحب وغیرہ جیسے رجعت پسندوں کے منت کش نہیں ہوئے اور نہ ان کی کورانہ تقلید کرتے ہوئے کبھی قوم اور وطن کی بیخ کنی

کی۔ دوسرے صاحب بھی اگرچہ بوجہ زمیندار اور رئیس ہونے کے علانیہ طور پر قومی پلیٹ فارم پر نہیں آئے تھے مگر قومی خدمات میں حتی الوسع حصہ ضرور لیتے رہتے تھے اور آزاد خیال تھے دونوں حضرات ایگریکلچرسٹ پارٹی سے بالکل علاحدہ تھے۔ کوئی بھی ان میں سے کبھی سر یعقوب سر یامین ڈاکٹر شفاعت احمد خان وغیرہ جیسا نہیں رہا۔

(ج) ان کے بالمقابل جو لوگ کھڑے تھے وہ یا تو نہایت گرے ہوئے رجعت پسند تھے یا محض ذاتی عداوت کی وجہ سے ان کی نامزدگی کی بناء پر نیز ان کو بورڈ سے نکلوانے اور بدنام کرنے کے لئے کھڑے ہوئے تھے نفسانی اغراض کام کر رہی تھیں حالانکہ نامزدگی سے پہلے ان حضرات پر پیش کیا گیا تھا کہ تم لیگ کے ٹکٹ پر اس حلقہ سے کھڑے ہو جاؤ۔ مگر انہوں نے قبول نہ فرمایا۔ بورڈ کے نامزد کرنے کے بعد انتقامی جذبات نے ان کو ان حلقوں سے کھڑے ہونے پر آمادہ کیا تھا۔

(د) پارلیمنٹری بورڈ کے اجلاس کی نامزدگی کی تاریخ تک ضلع سہارنپور کے چاروں مسلم حلقوں میں کوشش کی گئی کہ کوئی بھی ایسا آزاد خیال اکیسٹمنٹ لیگ کے نام پر کھڑا ہو جائے جو کہ اپنی مالی طاقت رکھتا ہو محض بورڈ کے سہارے پر نہ کھڑا ہو سوائے ایک شخص کے جن کا مطالبہ شہر سہارنپور کے شہری حلقہ کا تھا کوئی اور کھڑا نہ ہوا۔ یہ دونوں خان بہادر کھڑے ہونے والے تھے مگر نہ لیگ کے ٹکٹ پر نہ ایگریکلچرسٹ پارٹی کے ٹکٹ پر بلکہ انڈ-یپنڈینٹ کھڑے ہونا چاہتے تھے۔ مجبور ہو کر انہیں کو آمادہ کیا گیا اور بالکل آخری شب میں چند دنوں کی کوشش کے بعد کامیابی ہوئی۔ اور یہ دونوں لیگ کے مینوفسٹو کو مانتے ہوئے ان کے پلیج پر دستخط کرنے اور لیگ کے ٹکٹ پر کھڑے ہونے کے لئے راضی ہوئے میں ہی عرضی لے کے بورڈ کے اجلاس میں پہنچا ان کی عرضی پیش ہو جانے کے بعد دوسرے اشخاص معاندانہ طریقہ پر تیار ہوئے جس کا مقدمہ خصوصی اور عوامی اجلاسوں میں پیش ہوا اور مجھ کو تمام تفصیلات ذکر کرنے کی نوبت آئی۔ افسوس کہ ان باتوں کو بالکل نظر انداز کر کے لوگوں کو دھوکہ دیا جاتا ہے خلاصہ یہ ہے کہ ان دو شخصوں کو بمجبوری پیش کیا گیا تھا اور پھر انہوں نے لیگ کے مینوفسٹو اور پلیج کو تسلیم کیا تھا رجعت پسندی اور خودغرضی کی انتہا پستی میں کبھی بھی نہیں تھے۔ لیگ کے عقیدہ اور عمل پر پوری طرح تیار ہو گئے تھے ان کی گذشتہ زندگی برطانیہ پرستی کی شرمناک سرگرمیوں سے خالی تھی ان کے پارٹی میں داخل ہونے سے ٹوڈیوں کی اکثریت نہ مقدار میں ہوتی تھی اور

نہ کیف و اثر میں بخلاف اس عمل کے جس کو مسٹر محمد علی جناح نے الیکشن کے بعد سے اختیار کیا

(۱) بجائے اس کے کہ رجعت پسند اور خودغرض لوگوں کو (جنہوں نے مرکزی اسمبلی میں مسٹر جناح اور ان کی پارٹی کے خلاف گورنمنٹ کو ووٹ دیئے تھے) حسب وعدہ لیگ سے نکالتے اور الٹا ایسے ہی لوگوں کو داخل کرنا چاہا۔

(۲) ان لوگوں کو داخل کرنا چاہا جو انگریز پرستی کے اعلیٰ درجہ اور چوٹی کے اشخاص اور کارکن تھے یعنی جو ایگریکلچرسٹ پارٹی اور سابقہ وزارت کے کابینٹ کے ذمہ دار حضرات تھے۔

(۳) ان لوگوں کو داخل کرنا چاہا جنہوں نے بجائے لیگ کے مینوفسٹو اور پلیج کے ماننے کے ایام الیکشن میں ایڑی چوٹی کا زور لگا کر انتہائی دشمنی کا ثبوت پیش کیا تھا۔

(۴) ان لوگوں کو داخل کرنا چاہا جو کہ بحیثیت پارٹی مسلم لیگ کے خلاف عقیدہ رکھتے تھے۔

(۵) ان کو بحیثیت پارٹی داخل کرنا چاہا ان سب لوگوں کو داخل کرنا چاہا کہ اگر وہ آ جاتے تو لیگ پارٹی اقلیت میں آجاتی اور وہ سب کے سب غالب آجاتے

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

یہ واقعہ تو اس وقت کا ہے جبکہ الیکشن کے بعد یوپی بورڈ کی پہلی میٹنگ میں مسٹر جناح نے ہر قسم کی کوشش رجعت پسندوں کے داخلہ کی فرمائی تھی مگر اس کے بعد آج لیگ کے عام ذمہ دار اور کارکن تو انہیں عناصر کی اغلبیت اور اکثریت رکھتے ہیں جن کی مذمت اور شکایت مینوفسٹو وغیرہ میں نہایت سخت الفاظ میں کی گئی تھی اور لیگ کی ذمہ دار جماعتین ایسے ہی لوگوں سے بنائی گئیں اور بنائی جا رہی ہیں۔ فاعتبرو یا اولی الابصار

مسٹر جناح پر اجماع کی حقیقت

باوجودیکہ مسٹر جناح مذہب اسلام اور اہل سنت اور اہل مذہب سے نہ صرف مستغنی بلکہ متنفر بھی ہیں نہ ان کی زندگی مذہبی ہے نہ اس بیچارے نے مذہبی ہونے یا مذہبی قیادت کا وعدہ کیا ہے وہ ایک کامیاب بیرسٹر ہیں اور سیاسی قیادت کے مدعی اور

خواہش مند ہیں اور پھر سیاست بھی اس قسم کی جو کہ یوروپین اقوام اور ممالک کی ہے۔ اسلامی سیاست سے نہ وہ واقف ہیں اور نہ اس کے مدعی اس پر طرہ یہ ہے کہ اصحاب اغراض عام مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے امام اور قائداعظم ہیں۔ ان کی امامت اور قیادت پر اجماع امت منعقد ہو گیا ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ **لا تجمع امتی علی الضلالتہ** کبھی کہا جاتا ہے کہ ان کی امامت کے ماتحت نہ آنے والا اور ان کی قیادت کا انکار کرنے والا اجماع کا منکر ہے اور اجماع کا انکار کرنا کفر ہے فسق ہے ضلالت ہے بغاوت ہے وغیرہ

افسوس اس قسم کی دھوکہ دہی سے دنیا و آخرت کی بربادی کی صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں ایک ایسی قیادت کو بالفرض تمام مسلمانان عالم اور ان کے اہل حل و عقد تسلیم بھی کر لیتے ہیں۔ تو وہ کس طرح اجماع شرعی ہو سکتا تھا۔ (کتب مذہب اور قوانین شرع کو ملاحظہ فرمایئے اور اگر بالفرض وہ اجماع شرعی بھی ہوتا تو یہاں حدیث میں مسلمانان ہندوستان کا لفظ کب استعمال کیا گیا ہے کیا یہ فرمایا گیا ہے **لا تجمع مسلموا لهند علی الضلالہ** یا مسلمانان ہند ہی صرف امت محمدیہ ہیں کیا دنیائے اسلام کے باسٹھ کروڑ باشندے جن کو نہ مسٹر جناح سے واقفیت ہے نہ حاجت وہ امت سے خارج ہیں بعضے نادان یہ سمجھتے ہیں کہ امت میں سے بعض لوگوں کا متفق ہو جانا یہی اجماع امت ہے اور اس کے استدلال میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کو پیش کرتے ہیں۔ افسوس کہ اجماع کی شرعی تعریف اور وقائع تاریخیہ دونوں سے ناواقف ہیں یقیناً" اجماع میں بچے کم عقل عورتیں مجانین معتوہین عبید وغیرہ داخل نہیں ہوتے اگرچہ یہ سب افراد امت میں سے ہیں مگر اہل حل وعقد تو سب کے سب متفق ہونے ضروری ہیں ارباب مذہب اور ذوی البصائر فی الدین کا اتفاق تو ضروری ہے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کے انعقاد کے زمانہ میں تمام امت صرف اہل عرب سے عبارت تھی ان کے جملہ اہل حل و عقد نے تدریجا" ان کی خلافت کو مانا اور بلا واسطہ یا بالواسطہ بعجلت یا بدیر سبھوں نے بیعت کی اور تھوڑے ہی عرصہ میں تمام ارباب حل و عقد کا مکمل اتفاق ہو گیا تھا اس لئے وہاں پر اجماع امت متفق ہے مسٹر جناح کے لئے بیرون ہند کے تمام مسلمان جن کی تعداد مسلمانان ہندوستان سے سات آٹھ گنا زیادہ ہے کوئی واسطہ نہیں رکھتے اور نہ جانتے پہچانتے ہیں نہ ان کے عوام نہ خواص نہ اہل دیانت نہ اہل دنیا نہ اہل حل و عقد نہ معمولی لوگ نہ مرد نہ

عورتیں پھر اہل ہند میں سے سیاسی اور مذہبی جماعتیں جمیعت العلماء، احرار، نیشنلسٹ مسلمان سرخ پوش جو کہ سینکڑوں نہیں ہزاروں کی تعداد میں ہوتے ہوئے اہل حل و عقد کی حیثیت رکھتے ہیں اور جنہوں نے قومی اور مذہبی کاموں میں ہمیشہ سرفروشی اور جاں نثاری کا نمایاں ثبوت پیش کیا ہے وہ ان کی قیادت کے نہ قائل ہیں نہ تسلیم کرتے ہیں اسی طرح دیہاتی اور عام آبادی اور مذکورہ جماعتوں کے اتباع اور والنیٹروں نے جو کہ لاکھوں کی تعداد سے نکل کر کروڑوں تک پہنچتے ہیں وہ کب ان کی قیادت کو تسلیم کرتے ہیں۔ پھر جن لوگوں کو آج خلاف واقعہ ممبر لیگ ظاہر کیا جا رہا ہے ان کو جس طرح ممبر بنایا گیا ہے اور جس طرح بنایا جا رہا ہے وہ بھی اظہر من الشمس ہے لوگ اس سے واقف ہیں اس تلبیس سے مسلمانوں کو کیوں برباد کیا جاتا ہے اور ہر ایک مفتی بن کر شرعی احکام کا جامہ پہننے کو تیار ہے۔

مسٹر محمد علی کی سیاسی امامت مسلمانوں کے لئے

مسٹر محمد علی جناح شخصی کمزوری تو ان کی عملی زندگی اور ان کی صاحبزادی صاحبہ کے سول میرج یعنی ایک عیسائی پارسی کے ساتھ تین ماہ تک کورٹ شپ اور اس کے بعد گرجا میں نکاح وغیرہ سے ظاہر ہے اور ان کی قومی زندگی کی کمزوری اس سے ظاہر ہے کہ وہ ناگپور کے اجلاس کانگریس تک اس کے ساتھ رہے مگر جبکہ کانگریس نے نان کوآپریشن پاس کر دیا تو علاحدہ ہو گئے لکھنؤ کے خطبۂ صدارت میں سول نافرمانی کو قوم کی خودکشی قرار دیتے ہیں اسی بناء پر اور اس قسم کی دوسری باتوں کی بناء پر ڈاکٹر انصاری مرحوم نے موتمر کے خطبہ صدارت میں ان کو ہندوستان کا دوست نہ ہونا اور فرقہ پرست بتایا تھا۔ اور اسی بناء پر کلکتہ میں علی برادران کا ان کے ساتھ ناخوشگوار واقعہ پیش آیا تھا۔ ہاں مسٹر محمد علی جناح کے مرکزی اسمبلی میں ۱۹۳۴ء کے بعد کے واقعات سے یہ امید پیدا ہو گئی تھی کہ وہ اپنے سابقہ خیالات سے رجوع کر گئے ہیں اور تمام ہندوستان کی ہمدردی اور عالی حوصلگی پر آمادہ ہو گئے ہیں اب فرقہ پرستی ایک ناپاک صورتیں ان کے دماغ سے نکل گئی ہیں تقریباً دو سال کی اس قسم کی کاروائیوں نے اس قسم کے یقین دلانے کا سامان مہیا کر دیا تھا مگر حسب قوم شاعر

من زخوباں چشم نیکی داشتم   خود غلط بود آنچہ من پنداشتم

الیکشن کے بعد کے واقعات مذکورہ بالا نے بالکل مایوس کر دیا اور اب جو کچھ کیا جا رہا ہے وہ تو مثل آفتاب روشن ہے۔

ان کی سیاسی رائے کی کمزوری اس سے ظاہر ہے کہ لکھنؤ کے اس میثاق ملی میں (جو کہ ۱۹۱۶ء میں قرار پایا تھا اور اس وقت لیگ کی صدارت ان کے ہاتھ میں تھی اور بڑے بڑے سیاسی لیڈر نظر بند تھے علماء اس وقت سیاسی میدان میں نہیں آئے تھے۔ مسلمانوں کی سیاست کو بالکل غیر مستقل بنا کر مثل پاسنگ ڈانواڈول کر دیا کسی جگہ اور کسی صوبہ میں ان کی اکثریت تسلیم نہیں کی گئی تھی۔ صوبہ پنجاب میں بجائے ۵۵ ان کو ۵۰ سیٹیں دی گئیں۔ اور صوبہ بنگال میں بجائے ۵۳ کے ۴۰ دی گئیں اقلیت والے صوبوں میں اگرچہ کچھ سیٹیں زیادہ کر دی گئیں اور بطور ویج ان کو کچھ زیادہ مل گیا تو کیا فائدہ ہوا۔ ادھر راؤنڈ ٹیبل۔کانفرنس میں بنگال کے عیسائیوں کو تمیں سیٹیں دے کر ہمیشہ کے لئے ہندوؤں اور مسلمانوں کو بنگال میں برباد کر دیا گیا شریعت بل کے متعلق لونگ بل کے متعلق آرمی بل کے متعلق اور اس سے پہلے ساردا بل کے متعلق جو کچھ موصوف کی کاروائی ہے اس پر غور کریں اور ان کی سیاسی رائے پر ماتم کریں اور دیکھیں کہ یہ حضرات امت مسلمہ کو کہاں لے جا رہے ہیں۔

آخر میں اظہار حقیقت کے طور پر اتنا عرض کر دینا نہایت ضروری ہے کہ یہ جو کچھ لکھا گیا انتہائی مجبوری کی حالت میں لکھا گیا ہے جس کا واحد سبب ناعاقبت اندیش اخبارات کی ہرزہ سرائی اور خود مسٹر جناح صاحب کی دانستہ یا نادانستہ غلط بیانی یا فریب کاری ہے ورنہ اشخاص اور افراد کی شخصی زندگی پر نقد و تبصرہ نہ ہمارا شیوہ ہے اور نہ ہم اس کو بنظر استحسان دیکھتے ہیں۔

مراد ما نصیحت بودو گفتیم
حوالت باخدا کریم و رفتیم

ننگِ اسلاف

حسین احمد مدنی غفرلہ،

ہندوستان کے موجودہ جمود کا حل

جمیعت علماء ہند کا فیصلہ

پر اسرار معمہ کے مفصل حل کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کے موقف کے متعلق جمیعت علماء ہند کا فیصلہ بھی نقل کر دیا جائے تاکہ رسالہ کے ملاحظہ کرنے والے یہ فیصلہ کر سکیں کہ جمیعت العلماء صرف منفی پہلو میں مسلم لیگ کا خلاف نہیں کر رہی بلکہ اس کے سامنے ایک واضح اور صاف نقشہ ہے جس کو وہ پاکستان سے بہتر سمجھتی ہے اور از روئے دیانت اس کا یہ فیصلہ ہے کہ پاکستان کا مبہم مطالبہ مسلمانوں کے لئے تباہ کن ہے اس کا نتیجہ یہی ہو گا کہ جس طرح ۱۹۱۴ء کی جنگ کے بعد سلطنت عثمانیہ کے حصے بخرے کر کے بہت سے پاکستان بنا دیئے گئے۔ عراق علاحدہ، شام علاحدہ، فلسطین علاحدہ حجاز علاحدہ وغیرہ وغیرہ جو فرانس اور برطانیہ کے پنجہء استبداد میں آج تک کسے ہوئے ہیں کراہ رہے ہیں اسی طرح ۱۹۴۵ء کی جنگ کے بعد وعدہ آزادی کو پورا کرتے ہوئے ہندوستان کے حصے بخرے کر دیئے جائیں جو ہمیشہ ایک دوسرے کے مدمقابل انگریزی اقتدار کے متمنی رہیں اور لطف یہ کہ خود مسلمانوں کے مطالبہ کی بناء پر ہو جیسا کہ مسٹر جناح نے فرمایا تھا اور جب تک دونوں ٹکڑے آپس میں امن سے نہ رہیں تب تک برطانوی حکومت کا فوجی اور خارجی کنٹرول ضروری ہے۔"

(مدینہ بجنور نمبر ۱۷ ج ۳۳ مورخہ ۵ مارچ ۱۹۴۴ء)

فیصلے :۔ ہمارا نصب العین آزادی کامل ہے (ب) وطنی آزادی میں مسلمان آزاد ہوں گے ان کا مذہب آزاد ہو گا۔ مسلم کلچر اور تہذیب و ثقافت آزاد ہو گی۔ وہ کسی ایسے آئین کو قبول نہ کریں گے جس کی بنیاد ایسی آزادی پر نہ رکھی گئی ہو (ج) ہم ہندوستان میں صوبوں کی کامل خودمختاری اور آزادی کامل کے حامی ہیں غیر مصرحہ اختیارات صوبوں کے ہاتھ میں ہوں گے اور مرکز کو صرف وہی اختیارات ملیں گے جو تمام صوبے متفقہ طور پر مرکز کے حوالے کریں اور جن کا تعلق تمام صوبوں سے یکساں ہو (د) ہمارے نزدیک ہندوستان کے آزاد صوبوں کا وفاق ضروری اور مفید ہے مگر ایسا

وفاق اور ایسی مرکزیت جس میں اپنی مخصوص تہذیب و ثقافت کی مالک نو کروڑ نفوس پر مشتمل مسلمان قوم کسی عددی اکثریت کے رحم و کرم پر زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو ایک لمحہ کے لئے بھی گوارا نہ ہو گی یعنی مرکز کی تشکیل ایسے اصول پہ ہونی ضروری ہے کہ مسلمان اپنی مذہبی سیاسی اور تہذیبی آزادی کی طرف سے مطمئن ہوں۔

تشریح :۔ اگرچہ اس تجویز میں بیان کردہ اصول اور ان کا مقصد واضح ہے کہ جمیعت علماء مسلمانوں کی مذہبی و سیاسی اور تہذیبی آزادی کو کسی حال میں چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہے وہ بیشک ہندوستان خصوصاً مسلمانوں کے لئے یہ مفید ہے مگر وفاقی حکومت کا قیام اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ صوبوں کے لئے حق خودارادیت تسلیم کر لیا جائے اور وفاق کی تشکیل اس طرح ہو کہ مرکز کی غیر مسلم اکثریت مسلمانوں کے مذہبی سیاسی تہذیبی حقوق پر اپنی عددی اکثریت کے بل بوتے پر تعددی نہ کر سکے۔ مرکز کی ایسی تشکیل جس میں اکثریت کی تعددی کا خوف نہ رہے باہمی افہام و تفہیم سے مندرجہ ذیل صورتوں میں کسی صورت پر یا ان کے علاوہ کسی اور ایسی تجویز پر جو مسلم و غیر مسلم جماعتوں کے اتفاق سے طے ہو جائے ممکن ہے۔

(۱) مثلاً مرکزی ایوان کے ممبروں کی تعداد کا تناسب یہ ہو ہندو ۴۵ مسلم ۴۵ دیگر اقلیتیں ۱۰۔

(۲) مرکزی حکومت میں اگر کسی بل یا تجویز کو مسلم ارکان کی ۲/۳ اپنے مذہب یا اپنی سیاسی آزادی یا اپنی تہذیب و ثقافت پر مخالفانہ اثر انداز قرار دے تو وہ بل یا تجویز ایوان میں پیش یا پاس نہ ہو سکے گی۔

(۳) ایک ایسا سپریم کورٹ قائم کیا جائے جس میں مسلم و غیر مسلم ججوں کی تعداد مساوی ہو اور جس کے ججوں کا تقرر مسلم و غیر مسلم صوبوں کی مساوی تعداد کے ارکان کی کمیٹی کرے یہ سپریم کورٹ مرکز اور صوبوں کے درمیان تنازعات یا صوبوں کے باہمی تنازعات یا ملک کی قوموں کے اختلافات کا آخری فیصلہ کرے گا۔ نیز تجویز نمبر ۲ کے ماتحت اگر کسی بل کے مسلمانوں کے خلاف ہونے نہ ہونے میں مرکز کی اکثریت مسلم ارکان کی تعداد ۲/۳ اکثریت سے اختلاف کرے تو اس کا فیصلہ سپریم کورٹ سے کرایا جائے گا۔

(۴) یا اور کوئی تجویز جسے فریقین باہمی اتفاق سے طے کریں۔

(از ناظم جمعیت علمائے ہند دہلی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

ہندوستان ہمارا ہے

ہندوستان کے باشندوں میں صرف مسلمانوں کا حق ہے کہ وہ اس ملک کو اپنا قدیمی آبائی وطن کہیں اور وہ اس میں حق بجانب ہیں

ہندوستان کی بسنے والی قوموں میں صرف مسلمان ایسی اقوام قدیمہ میں سے ہیں جن کا مذہب اور عقیدہ یہ ہے کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور انسانی نشوونما فقط حضرت آدم علیہ السلام سے ہوا ہے یہی قرآن کی تعلیم ہے باقی اقوام ہندیہ اس کی قائل نہیں ہیں۔

اسلامی کتابیں یہ بتاتی ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام ہندوستان ہی میں اتارے گئے اور یہاں ہی انہوں نے سکونت کی اور یہاں ہی سے ان کی نسل دنیا میں پھیلی اور اسی وجہ سے انسانوں کو آدمی کہا جاتا ہے چنانچہ سبحۃ المرجان فی تاریخ ہندوستان میں متعدد روایات اس کے متعلق مذکور ہیں۔ بائبل میں بھی اس کے حصہ عہد قدیم میں یہی ذکر کیا گیا ہے۔ تفسیر ابن کثیر جلد اول صفحہ ۸۰ میں ہے۔

"ونزل آدم بالهند ونزل معه الحجر الاسود و قبضته من ورق الجنته فبثه بالهند فنبتت شجرة الطيب فانما اصل مايجاء به من الطيب من الهند من قبضته الورق اللتى هبط بها آدم وانما قبضها اسفا على الجنته حين اخرج منها وقال عمران بن عينيته من عطاء بن السائب عن سعيد بن جبير عن ابن عباس قال اهبط آدم بد حنا ارض الهند.

الیٰ آخرہ سبحۃ المرجان میں حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کا یہاں پھیلنا اور کھیتی وغیرہ کرنا مذکور ہے بنا برین اسلامی روایات اور تعلیمات کے مطابق آبائی وطن عہد قدیم سے ہندوستان مسلمانوں ہی کا ہو گا۔ جو لوگ انسانی اور اپنی نسل کو ایسا نہیں مانتے وہ اس دعوے کے مستحق نہیں ہیں اور مسلمانوں کے لئے اس کو اپنا وطن قدیم سمجھنا ضروری ہے۔

بحیثیت مذہب بھی ہندوستان مسلمانوں کا ہی وطن ہے

حسب تعلیمات اسلامیہ اور تصریحات قرآنیہ جتنے پیغمبر اور ان کے جانشین دنیا میں ہوئے ہیں سب کا مذہب اسلام ہی تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد بھی اسلام کے پیرو تھے۔ "وما کان الناس الا امتہ واحدۃ" سورۂ یونس ع ۲۰ کان الناس امتہ واحدۃ فبعث اللہ" سورۂ بقرہ ع ۲۶۔ اور اس کے بعد جب تفرقے ہوئے تو جہاں جہاں بھی انسانی نسلیں تھیں وہاں پیغمبر اور ان کے سچے جانشین بھیجے گئے۔"" ولکل قوم ھاد" سورہ عدع ۲ وان من امتہ الا خلا فیھا" سورہ فاطر ع ۳ ۔ اور سچے پیغمبر اور ان کے سچے جانشین سب کے سب دین اسلام ہی رکھتے تھے۔ "شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحا " شوری ع ۲ ان الدین عند اللہ الاسلام" وغیرہ آیات اور احادیث بکثرت اس مضمون پر دلالت کرتی ہیں اس لئے ضروری ہے کہ ہندوستان میں بھی قبل زمانہ خاتم النبین حضرت محمد علیہ السلام انبیاء آئے ہوں چنانچہ اولیاء اللہ نے ہندوستان میں مختلف مقامات پر انبیاء علیہم السلام کی قبریں بطور کشف و الہام اور روحی ملاقات سے معلوم کی ہیں حضرت مجدد الف ثانی اور مرزا مظہر جان جانان رحمتہ اللہ علیہما اور دیگر بزرگوں کی تصانیف میں اس کی تصریحات موجود ہیں مگر جس طرح عیسائیوں اور یہودیوں نے تحریف وغیرہ کر کے شرک اور کفر وغیرہ اختیار کر لیا اسی طرح ہندوؤں نے بھی اختیار کیا چنانچہ مرزا مظہر جان جانان رحمتہ اللہ علیہ اس کی تفصیل اپنے بعض مکتوبات میں پوری طرح فرماتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ قدیم زمانہ سے یہ ملک بھی مذہب اسلام کا گہوارہ رہا ہے لہٰذا صحیح اور یقیناً" صحیح ہے کہ بحیثیت مذہب ابتداء سے ہی یہ ملک اسلام کا وطن ہے۔

بحیثیت سکونت جسمانی بھی ہندوستان مسلمانوں ہی کا وطن ہے

مسلمانوں کے سواء جو قومیں ہندوستان میں سکونت پذیر چلی آتی ہیں وہ عموماً"

اپنے مردوں کو جلا ڈالتی ہیں اور ان کی راکھ کو دریا میں بہا دیتی ہیں یا پارسی اپنے مردوں کو پرندوں کو کھلا دیتے ہیں۔ بخلاف مسلمانوں کے کہ وہ اپنے مردوں کو زمین میں دفن کرتے ہیں اس لئے مسلمانوں کی سکونت جسمانی اس زمین میں زندگی میں بھی مثل دیگر اقوام رہی اور مرنے کے بعد بھی ان کی سکونت یہاں ہی رہی۔ ان کی قبریں محفوظ رکھی جاتی ہیں مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ قیامت میں ان ہی قبروں سے ان کے مردے اٹھیں گے اور جو اجزاء جسم کے قبر میں مٹی ہو گئے تھے انہیں اجزاء سے ان کا جسم پھر بنایا جائے گا لہٰذا مسلمانوں کی سکونت جسمانی اس سرزمین میں قیامت تک کے لئے بخلاف دوسری جلا دینے والی یا پرندوں کو کھلانے والی قوموں کے کہ ان کی سکونت جسمانی صرف دنیاوی زندگی تک کے لئے ہے اور بس اسی وجہ سے ان کے اسلاف کا کوئی نام و نشان کسی جگہ پایا نہیں جاتا۔ اور مسلمانوں کے قبرستان، روضے، قبے، زیارت گاہیں وغیرہ وغیرہ ہر جگہ موجود ہیں اور مسلمان ان کی حفاظت اور عظمت ضروری سمجھتے ہیں۔

بحیثیت تعلقات روحانی ہندوستان مسلمانوں ہی کا وطن ہے

غیر مسلموں کا عقیدہ ہے کہ مرنے کے بعد روحیں تناسخ (آواگون) کے ذریعہ سے جزاء اور سزا بھگتتی ہیں اس لئے وہ کسی دوسرے جون (قالب) میں ڈال دی جاتی ہیں۔ خواہ وہ انسانی ہو (اگر عمل اچھے تھے) خواہ وہ حیوانی یا نباتی یا حشرات الارض وغیرہ کا ہو۔ (اگر عمل خراب تھے) پھر انسان اگر بنایا گیا تو کوئی خصوصیت نہیں کہ وہ ہندوستان ہی میں پھر پیدا ہو۔ افریقہ، امریکہ، یورپ، آسٹریلیا وغیرہ جہاں بھی پرماتما چاہے اس کو اس کے عمل کے مناسب بھیج دے۔ غرضیکہ مرنے کے ساتھ ہی اس کی روح کا تعلق جسم اور اس کے اجزاء سے بھی بالکلیہ منقطع ہو جاتا ہے۔ نیز اس کے گاؤں، شہر، دیس، قوم، جاتی وغیرہ سب سے منقطع ہو جاتا ہے بخلاف مسلمانوں کے کہ وہ تناسخ کے قائل نہیں ہیں ان کے نزدیک روح کا تعلق جسم انسانی کے ساتھ صرف ایک دفعہ ہوتا ہے موت کے بعد وہ برزخ میں محفوظ کر دی جاتی ہے اور اپنے اعمال کی سزا اور جزاء کا کچھ حصہ وہاں بھی حاصل کرتی رہتی ہے اس کا نہایت ضعیف تعلق اپنے بدن اور اس کے اجزاء اور اپنی قبر، وطن، برادری، اولاد وغیرہ سے رہتا ہے

یہ تعلق اگرچہ ایک درجہ میں نہیں ہوتا مگر تاہم کسی نہ کسی درجہ میں تفاوت کے ساتھ باقی رہتا ہے اور اسی تعلق سے قیامت میں یہ روح اس قبر پر پہنچے گی اور اس کے اجزاء سابقہ کا جسم بنے گا اور وہ اس میں حلول کر کے پھر زندگی جسمانی حاصل کرے گی۔ جس طرح ہم اگر دنیا میں اپنے گھر اور اہل و عیال کو چھوڑ کر دوسری جگہ چلے جاتے ہیں تو ہمارا تعلق اپنوں اور اپنے گھروں اور بستیوں کے ساتھ کچھ نہ کچھ رہتا ہے ایسا ہی یا اس سے زائد تعلق مرنے کے بعد روحوں کو بھی سب سے رہتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اسلام میں قبروں کی زیارت کرنے اور اصحاب قبور کو سلام کرنے اور ان کو دعا اور ایصال ثواب وغیرہ کرنے کا حکم ہوا۔ نیز حکم ہوا کہ لوگ اپنے اسلاف اور عام مومنین کی قبروں کی زیارت کرتے ہوئے دنیا کی بے ثباتی پر عبرت کے آنسو بہائیں اور گزرے ہوئے لوگوں کے لئے دعائیں کریں یہ چیز ان مرگھٹوں میں کہاں نصیب ہو سکتی ہے جہاں باقی ماندہ راکھ کو بھی دریا بہا کر لے گئے اور سمندروں کے نذر کر چکے۔ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب رحمتہ اللہ علیہ تفسیر عزیزی پارہ عم صفحہ ۵۰ پر فرماتے ہیں۔

نیز درسوختن باتش تفریق اجزائے بدن میت است کہ بسبب آن علاقہء روح از بدن انقطاع کلی می پذیر دو آثار این عالم بان روح کمتر میرسد و کیفیات آن روح باین عالم کمتر سرایت می کندودر دفن کردن چون اجزائے بدن تمامہ یکجائگی باشند علاقہء روح بابدن از راہ نظر و عنایت بحال میماندو توجہ روح بزائرین مستانسین و مسفتیدین بسہولت می شود کہ بسبب تعین مکان بدن گویا مکان روح ہم تعین ست و آثار این عالم از صدقات و فاتحہ ہا و تلاوت قرآن مجید چون دران بقعہ کہ مدفن بدن اوست واقع شود بسہولت نافع می وو پس سوختن گویا روح رابے مکان کردن ست و دفن کردن گویا مسکنے برائے روح ساختن بنا براین است کہ از اولیاء مدفونین و دیگر صلحائے مومنین انتفاع و استفادہ جاری ست و آنہارا افادہ و اعانت نیز متصور بخلاف مردہ ہائے سوختہ کہ این چیزہا اصلانسبت بانہادر اہل مذہب آنہا نیز واقع نیست بالجملہ طریق قبر و دفن نعمتے است عظیم درحق آدمی۔

خلاصہ یہ کہ قبر روحوں اور اہل دنیا کے لئے ریڈیو اور آلہء مکبر الصوت (لاوڈ سپیکر) کے صندوق اور تار ہوائی لاسلکی اور ٹیلی گراف اور ٹیلی فون کی آفس کی طرح

ہے جس میں ایک درجہ تعلق ہر دو طرف سے رہتا ہے اور اس تعلق ہی کہ وجہ سے استفادہ اور افادہ ہوتا رہتا ہے اگرچہ وہ تعلق دنیاوی تعلق سے بہت کمزور بھی ہے اور ممکن ہے کہ بعض وجوہ سے قوی بھی ہو۔ خلاصہ یہ کہ مسلمانوں کے مرنے کے بعد بھی اس ملک اور اس کی زمینوں کے ساتھ روحانی تعلق اس قدر قوی اور باقی رہتا ہے کہ دوسری قوموں اور مذاہب میں نہیں پایا جاتا اور وہ قومیں اپنی مذہبی حیثیت سے اس کی قابل بھی نہیں ہیں۔ لہٰذا یقیناً" مسلمانوں کو ہی حق ہے کہ وہ ہندوستان کو اپنا وطن اور سب سے زیادہ اپنا وطن سمجھیں۔

بحیثیت اِنتفاع اور اِحتیاج بجانب اجزاء وطن بھی ہندوستان مسلمانوں ہی کا وطن ہے۔

اسلامی تعلیم اور عقائد کی حیثیت سے ایک وقت آنے والا ہے کہ جبکہ تمام انسان پھر زندہ کیئے جائیں گے اور ان کے اجسام کے جو اجزاء متفرق ہو کر مٹی وغیرہ میں مل گئے تھے جمع کیئے جائیں گے اور جسم بن کر اسی روح کو اس میں داخل کیا جائے گا اور اس جسم کے ساتھ وہ محشر میں اور جنت میں جائیں گے۔ اس لئے وہ وطن جس میں وہ پرورش پاتے تھے جیسے کہ دنیاوی زندگی نفع اٹھانے اور ہر قسم کی حاجتوں کا مرکز تھا مرنے کے بعد بھی ایک درجہ تک نفع اٹھانے اور احتیاج کا مرکز رہے گا اور اس کی اس مٹی سے جو کہ بعد از دفن .... قبرستان میں دوسری مٹی سے مل گئی تھی نفع اٹھائے گا۔ بخلاف دوسرے باشندگان ہند کے کہ وہ ایسا اعتقاد نہیں رکھتے ان کے اعتقاد میں ان کی روحیں دوسری مٹی سے بنے ہوئے جسموں میں داخل ہو کر ان جسموں سے تعلق قائم کرتی ہیں اور ان کی پرورش میں سرگرم ہو کر پہلے اجزاء جسمانیہ سے بالکل بیگانہ ہو جاتی ہیں کبھی ہندوستان میں ہیں کبھی چین میں کبھی جاپان میں کبھی انگلینڈ میں کبھی فرانس میں کبھی انسان ہیں کبھی حیوان ہیں۔O

وفاداری مجو از بلبلان چشم　　　　که هر دم برگلے دیگر سرایند

جس طرح ہندوستان کے دوسرے باشندے بہ حیثیت سکونت و اِنتفاع ملک و زمین ہندوستان ہیں اسی طرح مسلمان بھی ہیں

جس طرح آرین ستھین یونانی، مصری، منگول وغیرہ قومیں ہندوستان میں آکر بسیں اور انہوں نے یہاں کھیتیاں کیں، باغ لگائے، مکان بنائے، بودوباش اختیار کی۔ اسی طرح مسلمانوں نے بھی یہاں پہنچ کر یہ اعمال وطنیہ اختیار کئے کسی کو ہزار برس کسی کو نو سو برس کسی کو آٹھ سو برس یا کم و بیش ہو گئے۔ پشتہا پشت یہاں گزر گئیں اس لئے دنیاوی زندگی اور اس کے لوازم کی حیثیت سے مسلمان کسی قوم سے پیچھے نہیں ہیں بالخصوص وہ اقوام جو کہ پہلے سے بھی ہندوستان کی باشندہ ہیں مذہب اسلام کی حقانیت دیکھ کر پہلے مذہب کو چھوڑ کر اسلام کی حلقہ بگوش ہوئی ہیں۔ (اور وہی عنصر آج مسلمانان ہند میں غالب ہے لہٰذا کسی دوسری قوم کو حق نہیں ہے کہ وہ آج یہ دعوی کرے کہ ہندوستان مسلمانوں کا وطن نہیں ہے صرف ہمارا وطن ہے ہندوستان کی بہبود میں جس طرح دوسری قوموں کی بہبودی ہے اسی طرح مسلمانان ہند کی بھی بہبودی ہے۔ لہٰذا یقیناً" اس حیثیت سے بھی ہندوستان کے مسلمانوں کا یہ وطن عزیز اور پیارا ہے نہ مسلمان اس کو چھوڑ کر کہیں دوسری جگہ جا سکتے ہیں نہ جائیں گے اور نہ کوئی دوسرا وطن ان کو اپنے آغوش میں لے سکتا ہے۔ نو کروڑ مسلمانوں کو یہاں ہی رہنا اور یہاں ہی اپنی نسل اور طریقہ کو پھیلانا اور امن و امان کی زندگی چلانا ہے۔ رہا یہ امر کہ پھر مسلمان دوسرے ملکوں کے مسلمانوں سے کیوں تعلقات رکھتے ہیں اور ان کی مصیبتوں پر بلبلا اٹھتے ہیں تو یہ اس روحانی تعلق کی بناء پر ہے جو کہ اتحاد ازم اور توافق مذہب کی بناء پر دوسری جگہ کے مسلمانوں سے پیدا ہوا ہے اور جس کی تعلیم بھی روحانی ترقی کرتی ہے یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ دوسری قوموں کو ساؤتھ افریقہ، فیجی، ماریشس، ایسٹ افریقہ وغیرہ کے ان ہندوستانیوں سے ہوتا ہے جو کہ ان ملکوں میں بودوباش کئے ہوئے ہیں اگر وہاں پر کبھی قسم کے مظالم ان ہندوستانیوں پر ہوتے ہیں تو ہندوستان کی بسنے والی قوموں میں بے کلی پیدا ہو جاتی ہیں یہ امر مسلمانان ہند کو ہندوستانی وطنیت اور اس سے پیار و محبت سے بیگانہ نہیں بناتا۔

امور مذکورہ بالا کی بناء پر ممکن ہے کہ غیر مسلم ہندوستانی بہ آسانی ایک وطن سے منتقل ہو کر دوسرے وطن میں چلے جائیں مگر مسلمانان ہندوستان کو یہاں سے منتقل ہونا ازبس مشکل ہے نہ وہ اپنی مساجد سے بیگانگی اختیار کر سکتے ہیں نہ اپنے مقابر سے نہ اپنی زمینوں سے اور نہ اپنے گھر بار سے اور نہ ان میں اس قدر استطاعت ہے۔

ننگِ اسلاف

حُسین احمد غفرلہ

جمعیتہ علما ہند کے دو فارمولے

(1) سہارنپور کا فارمولا- 1931 عیسوی

مندرجہ ذیل تجاویز اجلاس مجلس عاملہ جمعیتہ علماء ہند منعقدہ 3 اگست 31ء میں بمقام سہارنپور منظور کی گئی ہیں- چونکہ جمعیتہ علماء کیا ہے؟ میں ایک مقام پر اس کا ذکر آیا ہے- لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کو بھی شامل ضمیمہ کر دیا جائے-

محمد میاں عفی عنہ

چونکہ ہندوستان کی مختلف ملتوں نے اس نازک ترین موقع پر اس وقت تک کوئی متفقہ فیصلہ نہیں کیا تھا- جس کو کانگریس ہندوستان کے متحدہ فیصلہ کی حیثیت سے گول میز کانفرنس میں پیش کرسکتی- اس لیے کانگریس کی مجلس عاملہ نے وقت کی انتہائی نزاکت کے لحاظ سے مختلف ملتوں کے غور و فکر کے لیے ایک فارمولا پیش کیا ہے اور اس کی تصریح کردی ہے کہ یہ آخری فیصلہ نہیں ہے- بلکہ اگر اس سے بہتر کوئی اسکیم مختلف ملتوں کے اطمینان کے ساتھ کانگریس کے سامنے آئے تو اسے کانگریس بخوشی منظور کرلے گی-

اس حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ ہندوستان کی آئندہ حکومت خود اختیاری کے دستور اساسی کی بنیاد آزادی کے ایسے اصول پر ہونی چاہئے جس میں تمام ملتوں کے جائز حقوق اور مفاد محفوظ ہوجائیں اور اقلیتوں کو اکثریتوں کی جانب سے کسی قسم کا خوف و خطر نہ رہے اور ہندوستان کے لیے ترقی اور خوش حالی اور امن و اطمینان کا راستہ کھل جائے- نیز اس امر کا لحاظ رکھتے ہوئے کہ موجودہ حالت میں قومیت کے اعلیٰ تخیل پر دستور کی بنیاد رکھنی ناممکن ہے جیسا کہ کانگریس نے بھی اسے تسلیم کیا ہے- تاہم قومیت متحدہ کے لیے جہاں تک ممکن ہو راستہ صاف کیا جائے-

مجلس عاملہ نے کانگریس کے فارمولا پر غور کیا- مجلس عاملہ کی رائے میں کانگریس فارمولا کی دفعہ 1 کا ضمن (ج) اور دفعہ 2 کے ماتحت نوٹ کی' عبارت کا ابہام اور دفعہ 3 کا ضمن (ب) اور 4 کی محتمل المعینین عبارت اور دفعہ 7 لفظ بشرطیکہ سے آخر تک اور دفعہ 8

حضرت مولانا احمد سعید صاحب نے جو اس وقت جمعیتہ علما ہند کے ناظم تھے- اس فارمولا کو انگریزی اور اردو میں طبع کرا کر ہندوستان کی تمام جماعتوں اور سربر آوردہ حضرات کے پاس بھیجا-
محمد میاں عفی عنہ

اول سے آخر تک موجودہ صورت میں ناقابل قبول ہے۔

اس جلسہ کی رائے میں مسلمانوں کے اطمینان اور تمام ملتوں کے ساتھ انصاف کرنے کے لیے حسب ذیل فارمولا کی منظوری ضروری ہے۔

یہ فارمولا دستور اساسی میں بنیادی دفعات کے طور پر درج کیا جائے گا اور دستور اساسی کا لازمی جزو ہوگا۔

فارمولا

(1) ہندوستان کی مختلف ملتوں کے کلچر، زبان، رسم الخط، پیشہ، مذہبی تعلیم، مذہبی تبلیغ، مذہبی آزادی، مذہبی عقائد، مذہبی اعمال، عبادت گاہیں، اوقاف آزاد، ہونگے۔ حکومت ان میں مداخلت نہ کرے گی۔

(2) دستور اساسی میں اسلامی پرسنل لاء کی حفاظت کے لیے خاص دفعہ رکھی جائیگی۔ جس میں تصریح ہوگی کہ مجالس مقننہ اور حکومت کی جانب سے اس میں مداخلت نہ کی جائے گی اور پرسنل لاء کی مثال کے طور پر یہ چیزیں فٹ نوٹ میں درج کی جائیں گی مثلاً احکام نکاح، طلاق رجعت، عدت، خیار بلوغ، تفریق زوجین، خلع، عنین و مفقود، نفقہ زوجیت، حضانت ولایت، نکاح و مال، وصیت، وقف، وراثت، تکفین تدفین، قربانی وغیرہ۔

(3) مسلمانوں کے لیے ایسے مقدمات فیصل کرنے کے لیے جن میں مسلمان حاکم کا فیصلہ ضروری ہے مسلم قاضیوں کا تقرر کیا جائے گا اور ان اختیارات کو تفویض کئے جائیں گے۔

(4) صوبوں اور فیڈرل اسمبلی میں اقلیتوں کے سیاسی اور دیگر حقوق کی حفاظت کے متعلق شکایات سننے اور فیصلہ کرنے کے لیے سپریم کورٹ قائم کیا جائے گا جو مختلف ملتوں کے ارکان پر مشتمل ہوگا اس کے فیصلوں کی تنفیذ فیڈرل حکومت کرے گی۔

(5) صوبہ سرحد اور بلوچستان اور ان صوبوں میں جو نئے قائم کئے جائیں طرز حکومت وہی ہوگا جو دیگر صوبوں میں قرار دیا جائے گا۔

(6) سندھ کو علیحدہ مستقل صوبہ بنا دیا جائے گا اور اس کا نظم اس طرح قائم کیا جائے گا کہ اس کی آمدنی اس کے مصارف کو کافی ہوجائے۔

(7) حق رائے دہی تمام بالغوں کو دیا جائے گا اور کسی صورت میں کوئی ایسا طریقہ قبول نہ کیا جائے گا جس سے کوئی ملت اپنے تناسب آبادی کے مطابق رائے دہندگی کے حق سے محروم رہ جائے۔

(8) طریقہ انتخاب مخلوط ہوگا۔

(9) پنجاب اور بنگال میں کسی ملت کے لیے ریزرویشن (تحفظ) نہیں کیا جائے گا اور اگر کوئی اقلیت ریزرویشن کے لیے اصرار کرے تو تمام ملتوں کی نشستیں تناسب آبادی کے اعتبار سے ریزرو کردی جائیں گی۔ باقی صوبوں کی انتخابی مجالس اور فیڈرل اسمبلی میں اقلیتوں کی نشستیں تناسب آبادی کے مطابق ریزرو کردی جائیں گی اور مزید نشستوں کے لیے مقابلہ کرنے کا حق بھی حاصل ہوگا۔

(10) طرز حکومت وفاقی ہوگا۔ تمام صوبے کامل خود مختار ہونگے' فیڈرل اسمبلی کو صرف وہی اختیارات دیئے جائیں گے جن کا تعلق تمام ہندوستان کے ساتھ یکساں ہوگا۔ غیر مفوضہ اختیارات صوبوں کو حاصل ہونگے۔ الایہ کہ تمام صوبے بالاتفاق تسلیم کرلیں کہ غیر مفوضہ اختیارات فیڈرل اسمبلی کو دیئے جائیں۔

(11) ملازمتوں پر تقرر ایک غیرجانبدار پبلک سروسز کمیشن کی طرف سے کیا جائے گا جو لیاقت کا کم از کم معیار مقرر کرکے اس امر کا لحاظ رکھے گا کہ اس معیار کے ماتحت ہر ملت اپنے تناسب آبادی کے موافق حصہ پانے سے محروم نہ رہے۔ نیز ماتحت ملازمتوں میں بھی کسی خاص فرقہ کی اجارہ داری نہ ہوگی۔ تمام فرقوں کو ان کا واجبی حصہ ملے گا۔

(12) وفاقی اور صوبجاتی حکومتوں کی وزارتوں میں اقلیتوں کی نمائندگی باہمی تفاہم کے ذریعہ قائم کردی جائے گی۔

(13) دستور اساسی کی بنیادی دفعات میں کوئی تغیر' ترمیم' اضافہ اس وقت تک نہ ہوسکے گا جب تک تمام وفاقی اجزا اسے منظور نہ کریں۔

(14) یہ تمام دفعات ایک دوسرے کے ساتھ مرتبط ہیں اگر ان میں سے کوئی ایک دفعہ بھی منظور نہ ہوئی تو تمام فارمولا کالعدم ہوجائے گا۔

جمعیتہ علماء ہند کا دوسرا فارمولا (1945)

جمعیتہ علما ہند کی مجلس عاملہ کا اجلاس بصدارت شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی مدظلہ' صدر جمعیتہ علماء ہند 31 جنوری' یکم' 2 فروری 45ء کو دفتر جمعتہ علما و ہند میں منعقد ہوا۔ مجلس عاملہ نے تین دن کی بحث و تمحیص کے بعد ہندوستان کے موجودہ جمود و تعطل کو دور کرنے اور مسلمانان ہند کے آئینی درجہ کو واضح کرنے کے لیے حسب ذیل فیصلہ کیا ہے۔

جمعیتہ علما ہند کی مجلس عاملہ کا یہ اجلاس اس جمود و تعطل کی حالت کو ملک و قوم کے

لیے نہایت مضر اور ملی حیات و ترقی کے لیے مہلک سمجھتا ہے۔ وہ یہ دیکھ رہا ہے کہ ملک کی تمام معتد بہ جماعتیں اور عام پبلک حصول آزادی کے لیے بے چین و مضطرب ہے اور ہر جماعت اپنی اپنی جگہ اور تمام افراد مختلف خیالات اور فارمولے تجویز کررہے اور شائع کررہے ہیں۔ مجلس عاملہ اپنی رائے اجلاس لاہور منعقدہ 42ء کی تجویز 4 میں ظاہر کرچکی ہے۔ آج پھر اس کی تجدید کرتی ہے اور اس کے آخری حصہ کی رفع اجمال کی غرض سے قدرے توضیح کر دینی مناسب سمجھتی ہے۔ یہ بات بدیہی اور مسلمات میں سے ہے کہ ہندوستان آزادی کی نعمت سے اس وقت تک متمتع نہیں ہوسکتا جب تک ہندوستان کی طرف سے متفقہ مطالبہ اور متحدہ محاذ قائم نہ کیا جائے اور ہندوستانی کسی متفقہ مطالبہ کی تشکیل اور متحدہ محاذ قائم کرنے میں جتنی دیر لگائیں گے اسی قدر غلامی کی مدت طویل ہوتی جائے گی۔ جمعیتہ علماء ہند کے نزدیک تمام ہندوستانیوں کے لیے عموماً اور مسلمانوں کے لیے خصوصاً یہ صورت مفید ہے کہ وہ حسب ذیل نکات پر اتفاق کریں اور اسی بنیاد پر حکومت برطانیہ کے سامنے متفقہ مطالبہ پیش کر دیں۔

(الف) ہمارا نصب العین آزادی کامل ہے۔

(ب) وطنی آزادی میں مسلمان آزاد ہونگے۔ ان کا مذہب آزاد ہوگا۔ مسلم کلچر اور تہذیب و ثقافت آزاد ہوگی۔ وہ کسی ایسے آئین کو قبول نہ کریں گے جس کی بنیاد ایسی آزادی پر نہ رکھی گئی ہو۔

(ج) ہم ہندوستان میں صوبوں کی کامل خود مختاری اور آزادی کے حامی ہیں۔ غیر مصرحہ اختیارات صوبوں کے ہاتھ میں ہونگے اور مرکز کو صرف وہی اختیارات ملیں گے جو تمام صوبے متفقہ طور پر مرکز کے حوالہ کریں اور جن کا تعلق تمام صوبوں سے یکساں ہو۔

(د) ہمارے نزدیک ہندوستان کے آزاد صوبوں کا وفاق ضروری اور مفید ہے مگر ایسا وفاق اور ایسی مرکزیت جس میں اپنی مخصوص تہذیب و ثقافت کی مالک نو کروڑ نفوس پر مشتمل مسلمان قوم کسی عددی اکثریت کے رحم و کرم پر زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو، ایک لمحہ کے لیے بھی گوارا نہ ہوگی یعنی مرکز کی تشکیل ایسے اصول پر ہونی ضروری ہے کہ مسلمان اپنی مذہبی سیاسی اور تہذیبی آزادی کی طرح سے مطمئن ہوں۔

تشریح: اگرچہ اس تجویز میں بیان کردہ اصول اور ان کا مقصد واضح ہے کہ جمعیتہ علماء مسلمانوں کی مذہبی و سیاسی اور تہذیبی آزادی کو کسی حال میں چھوڑنے پر آمادہ نہیں، وہ بے شک ہندوستان کی وفاقی حکومت اور مرکز پسند کرتی ہے کیونکہ اس کے خیال میں مجموعہ

ہندوستان خصوصاً مسلمانوں کے لیے یہ مفید ہے مگر وفاقی حکومت کا قیام اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ صوبوں کے لیے حق خود ارادیت تسلیم کرلیا جائے اور وفاق کی تشکیل اس طرح ہو کہ مرکز کی غیر مسلم اکثریت مسلمانوں کے مذہبی' سیاسی' تہذیبی' حقوق پر اپنی عددی اکثریت کے بل بوتے پر تعدی نہ کرسکے۔ مرکز کی ایسی تشکیل جس میں اکثریت کی تعدی کا خوف نہ رہے' باہمی افہام و تفہیم سے مندرجہ ذیل صورتوں میں سے کسی صورت پر یا ان کے علاوہ کسی اور ایسی تجویز پر جو مسلم و غیر مسلم جماعتوں کے اتفاق سے طے ہوجائے ممکن ہے۔

(1) مثلاً مرکزی ایوان کے ممبروں کی تعداد کا تناسب یہ ہو' ہندو 45فیصد' مسلمان 45فیصد دیگر اقلیتیں 10فیصد

(2) مرکزی حکومت میں اگر کسی بل یا تجویز کو مسلم ارکان کی 2تہائی اکثریت اپنے مذہب یا اپنی سیاسی آزادی یا اپنی تہذیب و ثقافت پر مخالفانہ اثر انداز قرار دے تو وہ بل یا تجویز ایوان میں پیش یا پاس نہ ہوسکے گی۔

(3) ایک ایسا سپریم کورٹ قائم کیا جائے جس میں مسلم و غیر مسلم ججوں کی تعداد مساوی ہو اور جس کے ججوں کا تقرر مسلم و غیر مسلم صوبوں کی مساوی تعداد کے ارکان کی کمیٹی کرے۔ یہ سپریم کورٹ مرکز اور صوبوں کے درمیان تنازعات یا صوبوں کے باہمی تنازعات یا ملک کی قوموں کے اختلافات کا آخری فیصلہ کرے گا نیز تجویز نمبر2 کے ماتحت اگر کسی بل کے مسلمانوں کے خلاف نہ ہونے میں مرکز کی اکثریت مسلم ارکان کی 2تہائی اکثریت کے فیصلہ سے اختلاف کرے تو اس کا فیصلہ سپریم کورٹ سے کرایا جائے گا۔ (4) یااور کوئی تجویز جسے فریقین باہمی اتفاق سے طے کریں۔

(نوٹ: تشریح کے ماسوا باقی فارمولا اجلاس لاہور 42ء میں منظور ہوگیا تھا۔ مجلس عاملہ منعقدہ 31 جنوری یکم و 2 فروری نے اس میں تشریح کا اضافہ کیا۔ پھر جمعیتہ علماء ہند کے اجلاس عام منعقدہ 4' 5' 6' 7 مئی 45ء میں یہ فارمولا دوبارہ پیش کیا گیا تاکہ اجلاس لاہور کے فارمولے کی تشریح جو مجلس عاملہ نے 31 جنوری اور یکم فروری 45ء کے اجلاس میں کی تھی اس کے متعلق اجلاس عام کی رائے حاصل کی جائے چنانچہ بہت کافی بحث و تمحیص کے بعد (جس میں تقریباً ڈیڑھ دن صرف ہوگیا جس کے باعث اجلاس کو مزید ایک دن کی وسعت دینی پڑی) یہ فارمولا منظو ہوگیا۔

محمد میاں عفی عنہ ناظم جمعیتہ علماء ہند